ایک فتنہ انگیز ساحرہ کی پراسرار داستان
جھرنا
ایم الیاس

دیباچہ

بنگال کا جادو پوری دنیا میں مشہور ہے اور ایک مانی ہوئی حقیقت ہے۔

قدیم وقتوں میں تو یہ جادو واقعی سر چڑھ کر بولتا تھا۔ پھر ثقافتی اور سائنسی ترقی خاص طور پر آبادی میں بے پناہ اضافے کی وجہ سے جادوگروں کے ٹھکانے شہروں سے قصبوں، دیہاتوں اور پھر آہستہ آہستہ جنگلوں کی طرف منتقل ہونے لگے۔ اس کے باوجود شہروں کے فیشن زدہ اور ماڈرن علاقے بھی کبھی جادوگروں کے دست برد سے محفوظ نہیں رہے۔

زیرِ نظر کہانی اسی ماحول سے کشید کی ہوئی ایک شاہکار اور دلنواز کہانی ہے۔ ''جھرنا'' نامی ایک نازک اندام دوشیزہ جس کا حُسن چاند ستاروں کو بھی مات کرتا تھا اس کہانی کا محور ہے جس کے گرد یہ پراسرار داستان اور مافوق الفطرت واقعات کا سلسلہ گھومتا ہے۔ اس کہانی کا ایک یادگار اور جاندار کردار ''ارشا سین'' نامی ایک فتنہ انگیز لڑکی ہے جس کا حسین سراپا دیکھ کر بڑے بڑے پارسا لوگوں کا پتہ پانی ہونے لگتا تھا۔ ''ارشا سین'' کا نام لئے بغیر اس کہانی کا تعارف مکمل نہیں ہوسکتا۔

اس کہانی کا ایک مرکزی کردار ایک شوریدہ سر نوجوان جو اپنا گوہرِ مقصود پانے کے لئے نکلا تو اسے طرح طرح کی کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کہیں جادو کی رُکاوٹیں تھیں اور کہیں حُسن کے جادو کی۔ اُس کے راستے میں کئی حسین بلائیں آئیں جن سے وہ نمٹتا چلا گیا۔ مگر ''ارشا سین'' سے ٹکرا کر آسانی سے نکل جانا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔ ''ارشا سین'' نے اُسے اپنی قیامت خیز جوانی کے کرشموں سے مدہوش کر کے رکھ دیا اور ''جھرنا'' تک پہنچنے کے تمام راستے مسدود کردیئے۔

قارئین! کیا وہ نوجوان ''ارشا سین'' کا قلعۂ حُسن توڑ کر جھرنا تک پہنچنے میں کامیاب ہوسکا؟

بنگال کی اس فتنہ انگیز ساحرہ کے پراسرار سلسلے کے اسرار جاننے کے لئے زیرِ نظر ناول کا مطالعہ ضروری ہے۔

محمد علی قریشی

س رات بھی ہم چاروں نے تاش کی محفل جمائی تھی۔ تمام رات تاش کھیلتے رہے تھے۔ جی نہ چاہتا تھا کہ کھیل ختم کر دیں۔ جب ساری رات ڈھل گئی تو مجبوری تھی۔ چڑیائیں چہچہا کر صبح کی آمد کا پیغام سنانے لگیں تو آنکھوں میں نیند کی دیوی سمانے لگی۔ ایسا خمار اور ایسا نشہ طاری ہوا کہ پلکیں بوجھل بوجھل سی ہو کر بند ہونے لگیں۔ آدمی سب سے لڑ سکتا ہے لیکن نیند سے نہیں۔ ایسی ظالم اور جابر چیز ہے کہ سولی پر آ جاتی ہے۔ جب نیند کے جھونکے آنے لگے تو سب سے پہلے رامو نے تاش کے پتے پھینک دیئے۔

''اب بس بھی کرو میرے یارو!'' اس نے ایک لمبی سی جمائی لیتے ہوئے کہا یہ سالی نیند ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئی ہے۔''

''ہاں...... '' تارا چند نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا یہ نیند کسی عورت کی طرح اپنی آغوش میں لینے کے لئے مچل رہی ہے۔''

''نیند عورت نہیں بلکہ ماتا ہوتی ہے۔'' پرکاش بولا ''وہ محبت کی لوری دے رہی ہے اس لئے تو نیند آ رہی ہے۔''

''آج تم لوگ شاعری کے موڈ میں ہو اور میں سونے کے موڈ میں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تم لوگ فلسفہ بھگارو، میں سونے جا رہا ہوں۔'' ہم نے تاش کھیلنا بند کر دیا، پھر اس کمرے سے اٹھ کر سونے کے لئے چلے گئے۔

ہم آپس میں گہرے دوست تھے۔ ہم چار تھے۔ ان میں رامو جو گول مٹول مگر مضبوط جسم کا تھا مگر اس کا منہ چھوٹا سا تھا۔ تارا چند کا قد قدرے نکلتا ہوا تھا۔ اس کی چھاتی چوڑی اور کندھے بھاری تھے اور کلائی مضبوط تھی۔ جس کی بل کھاتی ہوئی گھنی مونچھ

تھی اس کا نام پرکاش تھا۔ میں ان سب میں نہ صرف بہت خوبصورت اور وجیہہ تھا بلکہ دراز قد بھی...... اس کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی...... میرے ان تینوں دوستوں کی تعلیم واجبی سی تھی۔ لیکن میں نے ان میں کبھی احساس کمزوری پیدا ہونے نہیں دیا۔

ہم چاروں کی ایک پارٹی تھی۔ ہم چاروں ہی اس پارٹی کے رکن بھی تھے اور سردار بھی...... میں جو فیصلہ کرتا وہ بلاچون چرا مان لیتے تھے۔ میں دن کو رات کہوں تو وہ بھی رات ہی کہتے تھے۔ لیکن میں نے کبھی ان پر کوئی فیصلہ مسلط نہیں کیا۔ ہم ایک دوسرے کی عزت اور احترام کرتے تھے۔ کبھی ایسی بات نہیں کرتے تھے جس سے دل آزاری ہو۔ دل شکنی ہو۔ محبت اور دوستی میں فرق آئے۔ ہمیں کوئی بھی فیصلہ کرنا ہوتا تو چاروں اکٹھے ہو جاتے، پھر آپس میں کھلے دل سے صلاح مشورہ کرتے۔

ہم چاروں شریف قسم کے بدمعاش تھے۔ اس بات کو بالکل بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی ہمیں غنڈہ کہے۔ مجال ہے ہم نے کبھی کسی شریف آدمی اور عورت کو غلط نظروں سے دیکھا ہو نہ ہی آنکھوں میں میلا پن ہوتا۔ ویسے ہم چاروں بہت مشہور تھے۔ رامو کا قد گو کہ چھوٹا تھا لیکن وہ غصے کا بہت تیز تھا۔ لیکن بے حد نڈر اور بے باک تھا۔ اس کی مثال ایک کھلے ہوئے بچھڑے کی سی تھی۔ جب کبھی اس کی ضرورت پڑتی وہ بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی طرح مخالفوں کی صفوں میں گھس پڑتا۔ تاراچند کو ہم تارامیاں کہتے تھے وہ معتدل مزاج کا تھا۔ وہ بہت کم گو شخص تھا۔ دیکھنے میں سنجیدہ اور بردبار نظر آتا۔ پرکاش بے حد خطرناک آدمی تھا۔ اجڈ اور گنوار...... کام خواہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو اسے ہمارے حکم کی تعمیل کرکے خوشی ہوتی تھی۔ وہ تھوڑا بہت جادوٹونا بھی جانتا تھا۔ اس کی بڑی خواہش تھی کہ وہ جادوگر بنے لیکن اسے جادوگر نے شاگرد نہیں بنایا تھا۔

میں ہر قسم کا اسلحہ استعمال کرنے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ چاقو زنی ہو یا پستول، ریوالور، بندوق یا اسٹین اور شارٹ گن...... میرا نشانہ خطا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو چاقو زنی کی خصوصی تربیت دی ہوئی تھی۔

ہم چاروں کے ایک دوسرے سے بہت خوش گوار تعلقات تھے جس کی مثال

بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ اس لئے ہم چاروں اکٹھے رہتے تھے۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ ہم چاروں کا کام ایک دوسرے کی مدد کے بغیر چلنا مشکل تھا۔ شاید اس ضرورت نے ہم چاروں کو اکٹھا رہنے پر مجبور کیا تھا۔

کسی زمانے میں ہم چاروں تیراکی میں استاد مانے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ہم نے آسام کی تیراکی کی ٹیم کے ساتھ مقابلہ کیا تھا۔ انہیں ایسی بدترین شکست سے دوچار کیا تھا کہ وہ تیراکی ہی بھول گئے تھے۔ ہمارے شہر کے میئر صاحب نے نہ صرف گولڈ میڈل دیا تھا اور سو روپے کا انعام بھی دیا تھا۔ یوں تو ہم بچپن سے ہی بہت شریر تھے لیکن مسیں بھیگ رہی تھیں تب ہماری شرارتیں عروج پر آ گئی تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک نے سیاسی طبیعت پائی تھی۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا جب کوئی نئی اور اچھوتی شرارت نہ کرتے تھے۔ کوئی فتنہ خیز ہنگامہ، کوئی نیا فساد اور کوئی جھگڑا...... غرض یہ کہ کوئی نچلا نہیں بیٹھتا تھا۔ کوئی دن ایسا نہیں تھا جو خیر و عافیت سے گزر جائے۔ اس لئے بڑے بوڑھوں نے ہمیں بدمعاشوں کا خطاب دے رکھا تھا۔ دور سے ہمیں دیکھتے ہی کہتے۔ ”چار بدمعاش کوئی نیا طوفان بن کر آ رہے ہیں۔“

ہم چاروں تو شیطانوں کی اولاد کے بھی کان کترتے رہے تھے۔ کبھی جاترا کرتے، کبھی گانوں کی محفل جماتے، فلمیں دیکھتے اور دن رات خوب اودھم مچاتے رہتے۔ لڑکیوں سے صرف محبت تک محدود رہتے۔ گو کہ یہ عمر عشق کی نہیں تھی لیکن فلموں اور ان کے گانوں نے مزاج کچھ عاشقانہ سا بنا دیا تھا اور پھر اس دیش میں محبت کی فطرت اور جذبہ تو اس کے پیدا ہوتے ہی خون میں اور دل میں جنم لے لیتا تھا۔ لڑکے کیا، ادھر لڑکیاں بھی قبل از بلوغت ہی اپنا دل ہتھیلی پر لئے پھرتی تھیں۔ وہ یہ بھی چاہتی تھیں کہ ان سے کوئی پریم کرے، ان کے کانوں میں محبت کا رس گھولے۔ ان کے ہونٹوں کی مٹھاس چرا لے اور انہیں اپنے بازوؤں کی گرفت میں ان کی محبت بھری زد سپردگی لی ہوئی آنکھوں میں جھانک کر کہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں...... میری جان! مجھے تم سے محبت ہے...... تم میری جان ہو...... زندگی ہو...... سندر سپنا ہو...... میں تمہارے بنا یہ جیون نہیں گزار سکتا۔ محبت میں انہیں

برف کی طرح پگھلا دیتے۔ کوئی جی بھر کے من مانی کرے تو کوئی تعرض نہ ہوتا۔ ان کی جانب سے بھی بڑی محبت اور گرم جوشی کا اظہار ہوتا...... لیکن حد سے تجاوز نہ ہوتا۔ اس لئے کہ اس سے پوتر محبت میلی ہو جائے گی۔ ہم پر نہ تو بڑے بوڑھوں کا کوئی اثر ہوتا نہ والدین کی سرزنش، سخت ترین سزاؤں، مار اور تنبیہ کا...... لوگ ہمیں راہ راست پر لانے کے لئے ہر ممکن کوشش کر کے تھک گئے۔ ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ ہم چاروں اپنی من مانی کرتے رہے۔ نت نئے ہنگاموں کو جنم دیتے رہے اور اس طرح بچپن سے جوانی کی دہلیز پر پہنچ کر اسے یاد کیا۔ لیکن میں اپنی تعلیم سے کبھی بے پروا اور غافل نہیں رہا۔ میں نے ایک بڑا آدمی بننے کے خواب دیکھے۔ میں اپنے ان خوابوں کو پالینا چاہتا تھا۔

میرا دل بھی کرتا تھا کہ میں کسی لڑکی سے پریم کروں لیکن جانے کیوں مجھ میں محبت پیدا نہیں ہوتی تھی جبکہ میں بہت خوبصورت، وجیہہ اور دراز قد بھی تھا۔ لڑکیاں میٹھی نظروں سے دیکھتی تھیں۔ میں انہیں عمر سے بڑا دکھائی دیتا تھا۔ جب جوانی کی دہلیز پر پہنچا تو دل ان لڑکیوں کو دیکھ کر دھڑکنے لگتا تھا۔ لیکن میں پھر بھی اپنے آپ میں محبت پیدا نہ کر سکا۔ میرے ساتھی مجھے بزدل کہتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کئی بار کہا بھی تھا کہ......

بے وقوف آدمی! تو ان لڑکیوں کو سمجھ نہیں سکا......؟ جان نہیں سکا...... یہ بڑی عجیب و غریب شے ہوتی ہیں...... یوں بھی ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ عورت کبھی پہل نہیں کرتی ہے...... وہ بڑی عجیب اور پراسراری بن جاتی ہے...... کتنی لڑکیاں تجھے دیکھتی ہیں تو ان کے سینوں میں سرد آہوں کا غبار بھر جاتا ہے...... ان کی آنکھوں میں سپنے لہرانے لگتے ہیں...... تو ذرا ہمت کر...... حوصلہ کر...... پھر دیکھ لڑکیاں تجھ پر کیسے نچھاور ہوتی ہیں۔

میں ان سے پوچھتا کہ ان کی محبت اور وارفتگی کو کیسے محسوس کیا جا سکتا ہے......؟''

''عورت ایک معمہ ہے'' پرکاش جواب دیتا۔ ''اس کے پاس اشارے کنائے ہوتے ہیں۔ تو اس سے سمجھ لیا کر......

میری نوجوانی کے آغاز پر مجھے ایک عورت سے واسطہ پڑا تھا۔ اس عورت کا نام شانتی تھا۔ شانتی کی عمر چالیس برس کی ہوگی۔ وہ لڑکیوں کے کالج میں لیکچرار تھیں۔ اس کی

شادی تیس برس کی عمر میں ایک پروفیسر سے ہوئی تھی جو عمر میں اس سے پچیس برس بڑا تھا۔ یہ محبت کی شادی تھی جو تین برس بھی چل نہ سکی۔ شانتی نے اس سے کنارہ کشی کر لی تھی۔

میٹرک کے امتحان میں جب میں پورے صوبے میں فرسٹ آیا تو شانتی اخبار میں میرا نام اور تصویر دیکھ کر ہمارے گھر آئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ تم نے بہت عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ تم نے صرف اپنے ماتا پتا جی کا نام ہی نہیں ہم سب کا نام روشن کر دیا۔ اب تم تعلیم کی طرف پوری توجہ دو۔ تم میرے ہاں ٹیوشن پڑھنے آسکتے ہو۔ میں تمہیں مفت ٹیوشن پڑھاؤں گی۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ تم اپنا اور اپنے خاندان کا نام اور اونچا کرو۔ میں تمہیں ایک بہت ہی قابل ترین انسان بنانا چاہتی ہوں۔

شانتی نے میری اور میرے گھر والوں کی بہت بڑی مشکل حل کر دی تھی۔ میں نے کالج میں داخلہ لینے کے بعد اس کے ہاں جا کر ٹیوشن پڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنے گھر میں ایک بوڑھی بوا کے ساتھ رہتی تھی۔ اس نے بوا کو ایک کمرہ دے رکھا تھا جو اس کے گھر کے عقب اور احاطے میں تھا۔ ایک دن میں اس کے گھر کی طرف روانہ ہوا تا کہ اس سے ٹیوشن پڑھ سکوں پہلے اس سے مل کر بات کر کے اور وقت مقرر کر کے آؤں۔ میں اس کے مکان کے عقبی حصے کی طرف سے آگے بڑھ رہا تھا کہ ٹھٹھک کے رک گیا۔ کیوں کہ اس کے گھر کے پیچھے جو تالاب تھا وہ راستے میں پڑتا تھا۔ جھاڑیوں میں سے میں نے جو منظر دیکھا اس نے میرے پاؤں پکڑ لئے تھے۔

بنگال میں ہر عمر کی عورتیں اور کنواری لڑکیاں تالاب پر نہاتی تھیں۔ مرد بھی نہاتے تھے۔ ان عورتوں اور لڑکیوں کو سبھی نہاتے اور تیرتے ہوئے دیکھتے تھے۔ جب وہ تالاب سے نہا کر کنارے کھڑی ہوتی تھیں تا کہ کپڑے بدل لیں۔ ان کے کپڑے گیلے ہونے کے باعث بدن سے چپکے ہوتے جو انہیں عریاں کر دیتے تھے وہ اپنے بدن پر ساری لپیٹ کر گیلی ساری اس طرح سے نکال دیتی تھیں کہ بدن کا کوئی حصہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ تالاب پر موجود مرد کبھی ان کی طرف دیکھتے ہی نہیں تھے۔ شانتی تالاب پر اکیلی تھی۔ میں جھاڑیوں کے عقب میں تھا اور میری نگاہیں جھاڑیوں کے درمیان میں سے اسے دیکھے

جا رہی تھیں۔ چوں کہ یہ تالاب اس کے گھر کے عقب میں تھا اور اس کی ملکیت تھی۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس کی اجازت کے بغیر یہاں کوئی آ کر نہائے اور تیرے...... اس وقت سناٹا چھایا ہوا تھا اور ویرانی برس رہی تھی۔ اس نے آزادی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ آزادی سے نہا کر ابھی ابھی نکلی تھی اور آزادی کے لبادے میں کھڑی اپنے گیلے بالوں کو تولیے سے خشک کر رہی تھی۔

اس کی عمر چالیس برس کی تھی۔ میں نے اسے کبھی تنقیدی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ میں چھپ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ مجھے اٹھارہ برس کی بھرپور دوشیزہ کی طرح نظر آئی۔ میں نے اس لمحے سوچا کہ...... شانتی نے اپنی عمر سے پچیس برس بڑے شخص سے شادی کیوں اور کس لئے کی؟ جب کہ وہ جوان تھی۔ محبت کیا ایسا نشہ اور ایسا جادو ہے کہ عورت اندھی ہو جاتی ہے۔ شانتی نے ایک جذباتی فیصلہ کیا تھا شاید...... شادی کے ایک دو برس کے بعد اس کا پتی شاید ایک سراب ثابت ہوا۔ شاید اس لئے ان میں علیحدگی ہوگئی۔ شانتی کو محبت کی شانتی تو دے سکا۔ لیکن عورت تو بہت کچھ چاہتی ہے۔ ایک جوان عورت کے جذبات اور احساسات اور ہی ہوتے ہیں۔ اس کے اندر ایک جوالا مکھی ہوتا ہے۔ اس کی جوانی بڑی نازک ہوتی ہے۔

شانتی اس عمر میں بھی بہت ہی پر کشش اور طرح دار تھی۔ اس کے پرشباب گداز بدن کی شادابیاں کسی زہریلی ناگن کی طرح ڈستی ہوئی سی تھیں۔ اس وقت وہ ایک زہریلی مگر بہت ہی حسین ناگن دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے بے حجاب جسم کے حسن کی کرشمہ سازیاں مجھے ڈس رہی تھیں۔ میں نے اس لحظہ سوچا کہ جب وہ اس قدر جوان اور پرکشش ہے تو اس نے شادی کیوں نہیں کی۔ اس جیسی حسین عورت کا ایک مرد تمنائی ہوتا ہے۔ میں اسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی تصویر ہو۔ خم دار بھویں، بڑی بڑی آنکھیں، سیاہ پتلیاں...... سرخ سرخ پھولوں جیسے گال...... لیکن ان گالوں پر ابھی تک کوئی شکن نہیں ابھری تھی۔ اس کے بال لمبے، گھنے، سیاہ اور چمکدار اور کمر تک لمبے تھے۔ یوں تو چالیس برس کم نہیں ہوتے ہیں خصوصاً بنگال کی عورتوں کے لئے چالیس برس کا عرصہ طویل اور تھا

دینے والا ہوتا ہے۔ مگر اب تک اس کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا۔ اس کے گداز اور سرخ ہونٹوں کی جنبش سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے دل میں کوئی احساس دھیمے سروں میں گنگنا رہا ہے۔ اس عمر میں ایک جوان لڑکی جیسا متناسب بدن جیسے بھگوان کا بہت بڑا دان ہو۔

پھر مجھے یک لخت احساس ہوا کہ میری یہ حرکت بڑی معیوب اور گھناؤنی ہے۔

میں ایک ایسی عورت کو چھپ کر دیکھ رہا ہوں جو عمر میں مجھ سے بہت بڑی ہے۔ وہ ایک استانی بھی ہے۔ لیکن میں تو اس بچے کی طرح تھا جسے مٹھائی کے جنگل میں اکیلا چھوڑ دیا گیا ہو۔ میں ایک ندیدے بچے کی طرح ہو رہا تھا نہ تو مجھے اپنے دل پر اختیار رہا اور نہ ضدی نگاہوں پر...... یہ ایک نظارہ تھا جو دنیا کے ہر نظارے پر بھاری تھا اور پھر ایسے نظارے کہاں نظر آتے ہیں۔ میں دل میں سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ بھگوان نے عورت بھی کیا چیز بنائی ہے......؟ دنیا میں اس سے حسین، دل کش اور جاذب نظر کوئی نہیں ہے۔

شانتی نے بال اور جسم اچھی طرح خشک کرنے کے بعد صرف ساری پہنی اور گھر کی طرف بڑھی تو میں اور دبک گیا پھر میں نے تھوڑی دیر بعد اس کے گھر کے دروازے پر دستک دی تو اس نے دروازہ کھولا۔ مجھے دیکھ کر اس کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا اور اس کی آنکھوں میں جیسے دیوالی کے ہزاروں دیئے جل اٹھے پھر اس نے اپنا خوبصورت اور سڈول ہاتھ بڑھا کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ پھر وہ مجھے اندر لے کر پہنچی۔ اس نے مجھے کرسی پر بٹھایا اور خود سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی تو اس کے جسم سے پھوٹتی سوندھی سوندھی خوشبو مجھے مست کرنے لگی۔ "گوپال! میرے خیال میں تم ٹیوشن پڑھنے کے لئے آئے ہو۔ کل سے تم اس وقت آ جایا کرنا......"

پھر میں اس کے ہاں ٹیوشن پڑھنے جانے لگا۔ وہ مجھے بڑی توجہ اور دھیان سے پڑھانے لگی۔ اس نے مجھے بہت اچھے نوٹس بھی لا کر دیئے۔ جانے کیا بات تھی کہ جب میں اس کے سامنے بیٹھتا اور میری نگاہیں اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں میرے اندر ایک عجیب سی کشمکش ہونے لگتی تھی۔ اس سے نگاہیں ملانے کی مجھ میں تاب نہ ہوتی تھی مجھے اس روز کا

نظارہ یاد آجاتا جو ابھی تک میرے دل اور ذہن پر چھایا ہوا تھا۔ میں نے کوئی دو تین بار تالاب پر آکر دیکھا شاید وہ نظارہ پھر سے دیکھوں۔ لیکن میری یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ نہ مجھ میں یہ پوچھنے کی جراۃ ہوسکی کہ وہ کس وقت تالاب پر جاتی ہے۔

میں اس کے ہاں پڑھنے جاتا تو وہ مجھے کچھ کام دے کر اپنے کمرے یا باورچی خانے میں چلی جاتی تھی۔ میں اس روز بھی پڑھ رہا تھا۔ وہ کمرے میں نہیں تھی۔ جب وہ کمرے میں آئی تو میں تکیے سے ٹیک لگائے کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس وقت وہ نہا کر آئی تھی۔ وہ مجھ سے کہہ کر نہیں گئی تھی کہ نہانے جارہی ہوں۔ وہ صرف سفید ساری میں تھی۔ معلوم نہیں ساری کا پلو اس کے کندھے سے پھسل گیا تھا یا اس نے غیر دانستہ حرکت کی تھی۔ میں نے جو کچھ اس ایک لحظہ میں دیکھا اس نے میرے سارے جسم میں سنسنی بھردی۔ مجھے شدت سے پیاس کا احساس ہوا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرا حلق بری طرح سوکھ گیا ہو۔ وہ پڑھاتے وقت ایک خشک قسم کی عورت بن جاتی تھی۔ اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ وہ میرے ساتھ روکھے پن سے پیش آتی ہے۔ میرے اور اس کے درمیان احترام کی ایک ایسی دیوار تھی جسے میں ڈھا نہ سکا تھا۔ کمرے میں بہت سارے سامان دیوار کے سہارے چاروں طرف پڑے ہوئے تھے جیسے شانتی کے بوجھ سے دیوار دبک گئی ہے اور موقع ملتے ہی گر پڑے گی۔ پھر میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا میں پانی پی آؤں؟ بڑے زور کی پیاس لگی ہے۔"

"ابھی دیتی ہوں۔" شانتی نے پلو شانے اور سینے پر درست کرنا چاہا تو پھر وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس نے فوراً ہی درست کیا۔ پھر انگنی کے پاس سے ہٹ کر باہر چلی گئی۔ چند لمحوں کے بعد سفید جھلکتا ہوا پانی کا گلاس لئے وہ واپس آگئی۔ پھر اس نے میری طرف گلاس بڑھایا تو اس کی انگلیاں میرے ہاتھ پر بجلی کی ننگی تاروں کی طرح لگیں۔ ان میں جیسے بجلی دوڑ رہی تھی۔

"کیا تم کچھ کھاؤ گے......؟ میں آج بازار سے مچھلی لے کر آئی ہوں۔ بہت تازہ ہے۔"

"نہیں رہنے دیجئے...... میں نے جواب دیا۔" ابھی نہیں کھاؤں گا چلتے وقت چکھ لوں گا۔"

شانتی نے اپنے بائیں ہاتھ سے اپنی آنکھ ملتے ہوئے کہا دیکھنا تو گوپال! یہ میری آنکھ میں کیا پڑ گیا ہے؟ بڑی تکلیف ہورہی ہے۔"

پھر اس نے میرے قریب آکر اپنی آنکھ کا نچلا حصہ کھینچ کر اپنی آنکھ میرے سامنے کردی اور پتلیاں ادھر ادھر گھمانے لگی۔

میں نے بائیں ہاتھ سے ان کے کندھے پر دباؤ ڈال کر دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے اس کی پلکیں پکڑ کر آنکھوں میں جھانکا اور پھر چند لمحوں تک آنکھوں میں پڑی ہوئی چیز تلاش کرتا رہا۔ شانتی میرے اور قریب آگئی۔ اتنی قریب کہ اس کے شانے میرے سینے سے مس ہوگئے۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایسا کیا اس نے جان بوجھ کر کیا ہے؟ یا پھر غیر ارادی طور پر ہوگیا ہے۔ میری دونوں آنکھیں دھندلا گئیں اور ہاتھ کانپنے لگے اور میری نس نس میں سنسنی بھر گئی۔

میں نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ "آنٹی! مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے......؟"

"ذرا ٹھیک سے دیکھو...... یہ لو میرا آنچل......" شانتی نے اپنی ساری کا ایک کونا اس کی طرف بڑھادیا۔

میں نے اپنی انگلیوں سے پلکیں چیر کر غور سے دیکھا۔ میں اچھی طرح دیکھ چکا تھا مگر شانتی کے کہنے پر دوبارہ دیکھنے لگا تھا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ شانتی کا جسم یکا یک کانپنے لگا ہے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ یہ عجیب اور غیر فطری بات ہے۔ شانتی کے جسم میں آہستہ آہستہ لرزش بڑھتی گئی۔ میں نے اس کے دونوں کندھے پکڑ کر جھنجھوڑ دیئے۔

"یہ آپ کو کیا ہوا......؟"

شانتی نے کوئی جواب نہ دیا۔ دونوں آنکھیں بند کئے کانپتے کانپتے وہ فرش پر گر پڑی۔ وہ اور اس کا لباس بھی بے ترتیب تھا۔ پلو فرش پر بکھر گیا تھا۔ میں نے نبض ٹٹول کر

دیکھی۔نبض ٹھیک تھی۔پھر میں نے سینے پر دل کی جگہ کان رکھ دیا۔دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔لیکن اتنی تیزی سے نہیں کہ خطرے والی کوئی بات ہو پھر بھی میں سخت پریشان ہو گیا کیا کروں؟ کیا نہ کروں؟ میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا اس بے ہوشی کے عالم میں اسے علاج کی ضرورت تھی۔ بلاوجہ شور یا ہنگامہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ بوا بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

چند ثانیوں کے بعد میں نے جھک کر اس کا چہرہ غور سے اور بہت ہی قریب سے دیکھا۔اس کی سانسیں میرے چہرے کو گرما رہی تھیں۔ پھر میں نے ایک ہاتھ سر کے نیچے اور دوسرا ہاتھ کمرے کے نیچے ڈال کر اسے اوپر اٹھالیا۔شانتی کا بدن بے حس و حرکت تھا۔ نرم تھا۔اتنا نرم کہ معلوم ہوتا تھا جہاں سے بھی الگ کیا جائے فوراً الگ ہو جائے گا۔دیکھنے میں وہ صحت مند تھی مگر اس کا بدن پھول کی طرح ہلکا تھا۔اسے آسانی سے اٹھایا جا سکتا تھا۔ اس کی ساری کا پلو تھوڑا سا سرک گیا تھا۔ میں نے دیکھا اس کے پاؤں بھی بے حد سڈول تھے اور بہت خوبصورت بھی......پھر میں نے چند لمحوں تک اس کے سینے پر کان لگا کر دل کی حرکت معلوم کرنے کی کوشش کی۔ کیوں کہ صدا سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اب دل دھڑکنے کی رفتار معمول کے مطابق تھی۔ پھر میں اسے بستر پر لٹانے کے لئے آگے بڑھا۔اس کے بعد میں اپنے دونوں ہاتھ بند کر کے اسے بستر پر لٹانا چاہتا تھا کہ یکا یک شانتی بے ہوشی کے عالم میں ہڑبڑا کے کھڑی ہو گئی۔دونوں آنکھیں بند کئے ہوئے مجھ سے بری طرح لپٹ گئی اور مجھے اپنے سینے سے ٹکائے بستر پر لڑھک گئی۔ میں اس کے ساتھ بستر پر کروٹ کے بل گرا۔شانتی مجنونانہ طور پر مجھے بار بار اپنے سینے سے لگاتی اور بڑبڑاتی رہی۔گرد بابا! تم نہیں آؤ گے......؟ ایک بار آ کر دیکھ جاؤ۔ میں مر رہی ہوں۔ دیکھ جاؤ۔'' پھر وہ اس طرح آنکھیں بند کئے رونے لگی اور دیر تک روتی رہی۔ یہاں تک میری قمیص اس کے آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ پھر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ پھر میں نے سوچا کہ اس طرح لیٹے رہنا مناسب نہیں ہے۔ بوا نے دیکھ لیا یا اس کی کوئی پڑوسن آ گئی تو وہ کیا سوچے گی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس کا سر اٹھا کر تکیے پر رکھ دیا۔ بستر سے اتر کر پلو ٹھیک سے ڈھک دیا۔ پھر میں

چند لمحوں تک غور سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔شانتی اب بھی آنکھیں بند کئے بڑبڑا رہی تھی۔ کیا اسے دورے بھی پڑتے ہیں؟ لیکن اسے دیکھ کر اندازہ کرنا بہت مشکل تھا۔ میں نے سوچا کہ ڈاکٹر کو بلا کر دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نیند آ جانے سے خود ٹھیک ہو جائے گی پھر میں نے کتابیں اٹھائیں۔ کمرے سے نکل کر دروازہ بھیڑ دیا۔

مجھے ایک ہم جماعت کے گھر جا کر اس سے کورس کی ایک کتاب اور نوٹس لینے تھے۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ اس وقت جاؤں، نہیں......شانتی کو اس حالت میں چھوڑ کر جانا ٹھیک نہیں تھا۔ اس وقت بوا اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ اسے بتانے سے وہ مشکوک ہو جاتی۔ میں نے سوچا کہ اس کی طبیعت ٹھیک ہونے تک انتظار کرنا چاہئے۔ میرا گھر چونکہ زیادہ دور نہیں تھا۔صرف پانچ منٹ کی مسافت پر تھا اس لئے اپنے گھر کی طرف لپک گیا میں نے اپنے کمرے میں جا کر پاجامہ تبدیل کیا اور اسے میلے کپڑے کے ڈھیر میں رکھ دیا۔ میں نے سوچا کہ جب پاجامہ بدل چکا ہوں تو کپڑے بدلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ سوچ کر میں نے قمیض اور پتلون پہن لی پھر میں جوتے پہن کر شانتی کے گھر کی طرف لپکا۔

میں نے اس کمرے کے دروازے کے قریب کھڑے کھڑے شانتی کو دیکھا۔ شانتی جیسے سو رہی تھی۔ اس کا بدن ساکت تھا اور ہاتھ بھی ایک طرف بے حس و حرکت پڑا تھا۔ میں آہستہ سے کمرے میں داخل ہوا اور اس کے سرہانے جا کر اس کی پیشانی ٹٹول کر دیکھی بخار نہیں تھا۔

شانتی نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ پھر مجھے دیکھ کر دھیرے سے بولی۔

''کون؟ گوپال!......؟''

''ہاں'' میں نے سرہلایا۔'' یہ آپ کی طبیعت کو اچانک کیا ہو گیا تھا؟ اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتی......میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ یہ مجھے یکا یک کیا ہو گیا تھا؟'' شانتی کی آواز دور سے سنائی دی۔

اس نے ساڑی کا پلو ٹھیک کیا۔ پھر کروٹ بدل کر پوچھا۔ ''تم گھر نہیں گئے......؟''

''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میں گھر کیسے جاتا؟'' میں نے جواب دیا۔

''کسی ڈاکٹر سے مشورہ کروں؟''

''نہیں......اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شانتی نے کہا۔ ''تم میرا سر دبا دو گے......؟''

''دبا دوں گا...... میں نے کہا۔'' کیوں نہ آپ پہلے دردِ سر کی کوئی گولی کھالیں۔ افاقہ ہو جائے گا۔''

''نہیں رہنے دو...... ایسا کرو کہ تم اب اپنے گھر جاؤ۔ جاتے ہوئے بوا کو بھیج دینا۔ وہ میرا سر دبا دے گی۔''

میں نے اپنے دوستوں کو اس واقعے کی ہوا لگنے نہیں دی۔ لیکن شانتی میرے دل و دماغ پر چھا گئی۔ میں نے اس روز رات بستر پر دراز ہونے کے بعد اس واقعہ کے بارے میں سوچا تو مجھے خیال آیا کہ شانتی نے میرے ساتھ کھیل کھیلا تھا کہ میں غلاظت کے دلدل میں گر جاؤں۔ مجھے ایک طرف اس بات کی خوشی تھی کہ میرا پیر نہیں پھسلا اور دوسری طرف اس بات کا بھی افسوس تھا کہ میں نے ایک سنہرے موقعے سے استفادہ نہیں کیا۔ وہ عورت چالیس برس کی ہوئی تو کیا ہوا۔ ایک بھرپور اور بے حد پرکشش عورت تو تھی۔ دوسرے دن جب میں ٹیوشن پڑھنے کے لئے گیا تو اس نے ٹال دیا اور یہ کہا کہ اب میں اس کے ہاں نہ آیا کروں۔ کیوں کہ وہ اب شام کے وقت بھی کالج جایا کرے گی۔ اس نے مجھ سے جھوٹ کہا تھا۔ کیونکہ میں نے ایک دوسرے لڑکے کو اس کے ہاں ٹیوشن پڑھنے جاتے دیکھا تھا۔

وقت تیزی سے گزرتا گیا۔ جب ہم چاروں شباب کی منزل پر تھے اور بھرپور مرد بن گئے تھے تب ایک ایسا سنگین حادثہ پیش آیا جس کے نتیجے میں ہم چاروں کی محبت اور دوستی کو یقینی طور پر ختم ہو جانا چاہئے تھا۔ وہ نفرت اور دشمنی میں بدلنے والی تھی۔ آپس میں جو اتحاد تھا اس کا شیرازہ بکھرنے والا تھا لیکن پھر بھی ہم چاروں میں اتفاق اور اتحاد برقرار رہا

جو حیرت کی بات تھی۔

تارا چند کی بہن مالتی سے پرکاش شادی کرنا چاہتا تھا۔ ایک روز پرکاش کسی کام سے تارا چند سے ملنے اس کے گھر گیا۔ ہم لوگ ایک دوسرے کے گھر بہت کم ہی جایا کرتے تھے۔ اس لئے بھی کہ گھر پر کوئی ہوتا ہی نہیں تھا۔ تارا چند کے گھر پر پرکاش کوئی دو برس کے بعد گیا تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی تو مالتی نے دروازہ کھولا۔ وہ مالتی کو دیکھ کر چونک پڑا۔ اسے یقین نہیں آیا کہ یہ مالتی ہے۔ ''دو برس میں اس نے اپنا رنگ روپ بدلا تھا کہ پرکاش اسے پہچان نہیں پایا۔ جوانی نے مالتی کو کچھ کا کچھ بنا دیا تھا۔

''تارا چند ہے کیا......؟'' پرکاش نے اس کی خوبصورت آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ اس سے کہو پرکاش ملنے آیا ہے؟''

''بھیا گھر پر نہیں ہے......'' مالتی نے سرخ ہوتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ رات دس بجے آئیں گے۔ وہ کسی کام سے گئے ہوئے ہیں۔''

''مالتی!......'' پرکاش گھر میں داخل ہو گیا۔ گھر میں صرف تارا چند کی بہن ہی ہوتی تھی۔ ''تم کتنی سندر ہو گئی ہو؟ تم نے مجھے پہچانا؟'' ''کیوں نہیں......'' مالتی کا سینہ دھڑک رہا تھا۔ ''تم تو میرے بچپن کے ساتھی ہو...... میں تمہیں نہ پہچانوں......؟''

''مالتی......'' وہ جذباتی لہجے میں بولا ''مجھے تم سے بہت محبت ہے...... تمہیں میری بات قبول ہے......تم مجھ سے محبت کرتی ہو......؟''

''ہاں پرکاش!'' مالتی نے اس کے چوڑے چکلے سینے پر اپنا سر رکھ دیا۔ ''میں تم سے بچپن سے محبت کرتی ہوں، آج بھی کرتی ہوں۔''

پھر ان کی محبت تیزی سے پروان چڑھنے لگی۔ وہ مالتی پر بری طرح فدا ہو گیا تھا مگر مالتی بھی اس کی محبت کی آگ میں جلنے لگی تھی۔ دو برس تک ان کی محبت پھلتی پھولتی رہی تھی۔ وہ مالتی کی ذات پر دل کھول کر پیسے خرچ کرتا رہا۔ ولایتی صابن، پوڈر، تیل اور کریم کے علاوہ دیوالی پر اسے قیمتی ساری بھی دی تھی۔ وہ تارا چند کی غیر موجودگی میں اس سے ملنے جاتا تھا۔ دونوں تنہائی میں ملتے ضرور تھے۔ دل کے ارمان پورے کرتے تھے لیکن

اس نے کبھی حد سے تجاوز نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی محبت کو آلودہ نہیں کیا۔ تاراچند کو اس بات کی خبر ہوگئی تھی کہ اس کی بہن پرکاش کی محبت میں گرفتار ہوگئی ہے لیکن اس نے ان دونوں سے کبھی تعرض نہیں کیا۔

لیکن تاراچند نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنی بہن مالتی کی منگنی ایک ایسے لڑکے سے کردی جو خوش حال تھا۔ اس نے پرکاش کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر یہ منگنی کردی تھی۔ پرکاش اپنے ایک ذاتی کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ جب پرکاش واپس آیا تو مالتی نے اسے رو رو کر بتایا کہ اس کی منگنی ہوگئی ہے۔ پرکاش کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ تاراچند نے جیسے اس کی مردانگی کو چیلنج کیا تھا۔ پرکاش کے نزدیک یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔

''نمک حرام...... اس نے دھرم نشٹ کردیا۔'' وہ میرے سامنے بھڑک کے ہوئے سانڈ کی طرح دولتی جھاڑنے لگا۔ میں اس سوئر، کمینے اور ذلیل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے ہماری پوتر محبت کا مذاق اڑایا ہے۔''

پھر اس نے تاراچند سے انتقام لینے کے لئے ایک چھرا خریدا۔ اس پر دھار چڑھا کر کئی دنوں تک اس کی تلاش میں گھومتا رہا۔

''میں جب تک اس حرام زادے کا پیٹ چاک نہ کردوں مجھے چین نہیں ملے گا۔'' وہ میرے سامنے خشونت سے کہتا۔

میں اسے سمجھاتا ''دیکھو یار! یہ بہت بری بات ہے کہ تم اپنے عزیز دوست کو قتل کردو۔ کیا دوستی کی کوئی اہمیت نہیں رہی؟''

''کیا اس نے میری محبت اور ارمانوں کو قتل نہیں کیا؟ اس کمینے نے ہماری پوتر محبت کی لاج نہیں رکھی۔ کوئی خیال نہیں کیا۔'' وہ تکرار کرتا۔ ''وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں اس سے سچی محبت کرتا ہوں اور میں نے محبت کی آڑ میں اسے کوئی فریب نہیں دیا۔ اس کی عزت چاہتا لوٹ لیتا اور اس کے دامن پر سدا کے لئے بدنما دھبا لگا دیتا، مگر محبت کی پاسداری کی...... وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں نے اس کی بہن پر کتنا خرچ کیا۔ تحائف کی بارش

کردی، پھر بھی اس نے محبت اور دوستی کا خیال نہ کیا اور اپنی بہن کی منگنی پیسہ دیکھ کر کردی۔ جانتے ہو اس غریب نے رو رو کر اپنا کیا حال کرلیا ہے۔ میں اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔''

آخر ایک روز شام کے وقت راستے میں اتفاق سے دونوں کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ پرکاش، تاراچند کو دیکھتے ہی مشتعل ہوگیا اور وہ تاراچند پر جیسے ایک خونی درندے کی طرح جھپٹ پڑا۔ تاراچند نے اس کے تیور بھانپ لئے تھے اس لئے وہ ہوشیار اور چوکنا ہوگیا تھا۔ اس نے طرح دے کر پرکاش کا وار خالی دے دیا اور پھر اس کی کلائی پکڑ کر بے بس کردیا۔

''میرا ہاتھ چھوڑ دے تاراچند! میں تیرا خون پی جاؤں گا...... دھوکے باز...... ذلیل...... کمینے انسان!'' پرکاش جیسے پھنکارنے لگا۔ اس کے چہرے پر درندگی چھا گئی اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ نفرت اور غصے سے اس کا برا حال ہونے لگا۔

تاراچند اس کی گالیاں سن کر مشتعل نہیں ہوا۔ اس نے خود کو قابو میں رکھا پھر اس نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''دیکھو پرکاش! تم زیادہ ہنگامہ نہ کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اگر مجھے غصہ آگیا تو کہیں مجھے خون نہ کرنا پڑے۔''

''تم یہ بات بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہاری بہن سے محبت کرتا ہوں۔ وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے پھر بھی تم نے ذلالت اور کمینگی کی۔ ہم دونوں کی محبت اور جذبات کا کوئی خیال نہیں کیا۔ تم کیسے دوست اور بھائی ہو؟ کیا ہمیں محبت کرنے کا حق نہیں ہے؟ وہ بپھر گیا۔

''محبت......؟ کیا صرف محبت سے ایک عورت خوش رہ سکتی ہے؟ میں تمہاری اس سے شادی کردیتا تم اسے خوش رکھ سکتے ہو؟''

''تم کیا جانو محبت کیا ہوتی ہے......؟ عورت کیا ہوتی ہے...... عورت کیا چاہتی ہے؟'' پرکاش نے اسے طعنہ دیا۔

"محبت سے تم عورت کو خوش تو کر سکتے ہو لیکن محبت بھرے بول سے اس کا پیٹ نہیں بھر سکتا...... میں کیا نہیں جانتا کہ تمہاری مالی حالت کیسی ہے؟ تم اسے دو وقت پیٹ بھر کر کھلا نہیں سکتے ہو۔ عورت کی خوشی اور محبت آسائش سے مشروط ہوتی ہے۔ محبت چار دن کی چاندنی ہوتی ہے۔ اس لئے میں نے اس کی منگنی ایک خوش حال گھرانے میں کر دی ہے۔ وہ وہاں بہت خوش رہے گی۔ میں اس کا بھائی ہوں۔ ہر بھائی کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بہن جہاں بھی جائے خوش رہے۔ اگر تم اس سے سچی محبت کرتے ہو اور اسے خوش دیکھنا چاہتے ہو تو تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ وہ ایسے گھر میں جا رہی ہے جہاں وہ بڑی بہو بن کر مہارانی کی طرح سکھ سے رہے گی اور راج کرے گی۔ تمہیں اس کی خوشی کی خاطر محبت کی قربانی دینا ہوگی۔"

تارا چند کی بات سن کر وہ رو پڑا۔ میں کیسے خوش ہو سکتا ہوں؟ جس کے دل میں آگ لگی ہو وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے؟"

تارا چند نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا تھا۔ میں سب کچھ سمجھتا ہوں کیا میں نہیں جانتا کہ محبت کیا ہوتی ہے؟ لیکن اب رونے دھونے سے کچھ حاصل نہیں...... کیوں کہ اب تو اس کی منگنی ہو چکی ہے۔ تیر کمان سے نکل چکا ہے وہ واپس نہیں آ سکتا؟ اب تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مالتی کو بھول جاؤ۔ اس کی محبت اور خیال دل و دماغ سے نکال دو۔"

پرکاش اس وقت خاموشی سے چلا گیا۔ جب رات بھیگ گئی تب تارا چند کے گھر میں وہ داخل ہوا۔ مالتی دوسرے کمرے میں سو رہی تھی۔ وہ اسے اغوا کر کے اپنے گھر لے آیا۔ تارا چند کی آنکھ کھل گئی۔ جب اس نے مالتی کو گھر میں نہیں پایا تو وہ سمجھ گیا کہ پرکاش اس کی بہن کو اٹھا کر لے گیا ہے، جب وہ چھرا لے کر پرکاش کے کمرے میں داخل ہوا تو اس کے قدم جیسے یکا یک شل ہو گئے تھے۔ پرکاش اس وقت بری طرح ہانپ رہا تھا۔ ایک طرف اس کی بہن مالتی نئی نویلی دلہن کی طرح پڑی تھی۔ وہ لڑکی سے عورت بن چکی تھی۔ پرکاش نے اس سے کہا۔ "میں نے تمہاری بہن سے بیاہ کر لیا ہے...... اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے تو مندر جا کر معلوم کر سکتے ہو...... اب یہ میری بیوی اور جیون ساتھی بن چکی

ہے۔ تم اسے مجھ سے جدا نہیں کر سکتے ہو؟"

شامو شہر کا سب سے خطرناک شخص تھا۔ وہ جرائم پیشہ تھا۔ ہر شریف آدمی کیا پولیس بھی اس سے خوف کھاتی تھی۔ کیوں کہ وہ پولیس کو بھتہ دیتا تھا۔ اس نے جو گروہ بنا رکھا تھا اس میں غنڈے، قاتل اور جرائم پیشہ بھرے ہوئے تھے۔ وہ نہ صرف اسمگلر بلکہ منشیات فروش بھی تھا۔ اس نے ایک روز رامو کی حسین اور نوجوان بہن کو اغوا کر لیا۔ لیکن اس کی بہن کسی نہ کسی طرح اپنی عزت اور جان بچا کر چلی آئی۔ شامو کے دل میں حسرت رہ گئی۔ رامو نے اپنی بہن کو دوسرے شہر بھیج دیا۔

رامو نے ایک روز ہم تینوں دوستوں کو گھر پر بلایا۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ میں شامو سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔"

"اس سے تم کس بات کا انتقام لینا چاہتے ہو؟" میں نے پوچھا۔ "جب کہ تمہاری بہن اپنی جان اور عزت بچا کر آ چکی ہے۔"

"اس بات کا کہ اس نے میری بہن کو اغوا کیوں کیا...... میری بہن کو کچھ ہو جاتا تو میرے لئے کس قدر اذیت ناک ہوتا......"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم سب مل کر شامو کو قتل کر دیں اور اس کی لاش کسی گڑھے میں دفن کر دی؟" پرکاش نے کہا۔

"نہیں...... میں اسے قتل کرنا نہیں چاہتا بلکہ اسے ایسا گھاؤ لگانا چاہتا ہوں کہ وہ ساری زندگی یاد کرے؟" اس نے جواب دیا۔

"کیا گھاؤ......؟ صاف صاف کہو" تارا چند نے الجھتے ہوئے کہا۔ "تم جو چاہو گے ویسا ہی ہوگا۔"

"میں اس کی بہن روپ متی کو اغوا کر کے اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ وہ شادی پر تیار نہیں ہوئی تو پھر جبر و زیادتی سے اس کی عزت پامال کر دوں گا۔ اس سے ایک ماہ تک جی بھر کے کھیلنے کے بعد اسے اس کے گھر چھوڑ آؤں گا۔" رامو نے کہا۔

"شامو کی کوئی بہن بھی ہے......؟ وہ کہاں رہتی ہے؟" تارا چند نے حیرت سے

پوچھا۔ ''وہ کیسی ہے؟ تم نے اسے کہاں دیکھا؟''

''ہاں اس کی ایک اکلوتی بہن ہے اور وہ اس کے ساتھ ہی رہتی ہے۔'' رامو نے جواب دیا۔ ''وہ بہت حسین ہے۔ اس کی عمر بیس برس کی ہے۔ اس کی شادی اب تک اس لئے نہیں ہو سکی کہ وہ ایک سرغنہ غنڈے کی بہن ہے۔''

اس میٹنگ کے تیسرے دن جب موسلا دھار بارش ہو رہی تھی ہم چاروں اکٹھے ہوئے۔ پھر اپنے مشن پر روانہ ہوئے۔ پھر شامو کے گھر کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ رامو نے بتایا کہ شامو ہر روز رات دس بجے اپنی داشتہ کے پاس جاتا اور صبح لوٹتا ہے۔ داشتہ کے گھر اس کے لئے لڑکیاں بھی اغوا کر کے لائی جاتی ہیں۔ رات یہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے گھر کے سامنے سے لوگ گزرتے ہوئے ڈرتے بھی ہیں۔ بارش کی وجہ سے حبس ہو گیا تھا۔ اتفاق سے اس رات شامو گھر پر موجود تھا۔ چونکہ اس کی طبیعت ناساز تھی۔ اس لئے وہ اپنی داشتہ کے ہاں نہیں گیا تھا۔ اس وقت منصوبہ یہ بنایا گیا تھا کہ میں شامو کے گھر میں گھس کر اس کی بہن کو اٹھا لاؤں پھر اسے لے کر اپنے گھر پہنچوں۔ وہ لوگ کچھ دیر تک باہر چھپ کر کھڑے رہیں گے تاکہ شامو باہر نکلے تو اسے ختم کر دیں۔

میں بیڑے کی دیوار کاٹ کر اس کے گھر میں گھس گیا پھر میں نے دروازہ کھول دیا تھا۔ میں نے نیند ہی کے عالم میں اس کے ہاتھ باندھ دیئے۔ پھر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اپنے کندھے پر ڈال دیا، پھر گھر سے نکل آیا۔ رات تاریک تھی۔ باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اس کی شدت میں ذرہ برابر بھی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں گہری نیند سو رہے تھے۔ اس لئے کسی کو بھی پتا نہیں چلا۔ میں شامو کی بہن روپ متی کو اپنے کندھے پر اٹھائے تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا کافی دور نکل گیا۔ میرے تینوں ساتھی شامو کی گھات میں اس کے مکان کے قریب ایک درخت کے نیچے موجود تھے۔

اور پھر ایسا ہوا کہ رات کی تاریکی، سنسان راستہ اور بارش میں بھیگے ہوئے ایک جوان عورت کے جسم کے نازک اور لطیف لمس نے میرے جذبات میں ہلچل مچا دی تھی اور میری نس نس میں جیسے چنگاریاں بھڑک اٹھی تھیں۔

میں نے گھر میں داخل ہو کر روپ متی کو اپنے بستر پر لٹا دیا تھا۔ شامو کی بہن کو جب میں اس کے کمرے میں گھس کر اٹھایا تھا تب اس کا چہرہ اور سراپا اندھیرے کی وجہ سے دیکھ نہیں سکا تھا۔ رامو نے کہا بھی تھا کہ وہ جوان اور بہت حسین ہے۔ جب میں چراغ کی لو بڑھا کر اس کے قریب گیا تو اس کا سراپا دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ روپ متی کا سارا جسم پانی میں شرابور تھا اور ہلکے گلابی رنگ کی ساڑی بھیگ کر اس کے جسم سے چپک گئی تھی۔ وہ بنا لباس کے لگ رہی تھی۔ رامو نے روپ متی کے بارے میں غلط نہیں کہا تھا۔

روپ متی واقعی بہت خوبصورت تھی۔ اس کا سڈول اور پرشباب جسم جس میں عجیب وغریب اور دل میں اتر جانے اور دل کو برمانے والا گداز بھرا ہوا تھا۔ ایسا کسا کسا بدن جو رات کے تاروں کی طرح محسوس ہوتا تھا اس میں سے مستی ابلی پڑ رہی تھی۔ سیاہ لمبے بال جو اس کے کولہوں سے بھی نیچے چلے گئے تھے۔ یاقوتی رس بھرے ہونٹ جو مٹھاس سے بھرے معلوم ہوتے تھے۔ اس کی بے داغ جوانی اور سفید رنگت کسی زہریلی ناگن کی طرح ڈس رہی تھی۔ مجھے اس سے شانتی یاد آئی۔ میں نے اسے اس روز ایک بے نیام تلوار کے روپ میں دیکھا تھا۔ وہ بھی بڑی بھرپور اور گداز جسم کی تھی۔ لیکن روپ متی اور اس میں عمروں کا فرق تھا۔ وہ چالیس برس کی عمر کی تھی اور روپ متی بیس برس کی تھی۔ شانتی عمر کی آخر منزل پر تھی اور روپ متی کے ابلتے شباب کا آغاز تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں بہت ساری لڑکیاں دیکھی تھیں۔ روپ متی ان سب سے اور شانتی سے مختلف تھی۔ اس کے گداز جسم میں ایسی مہک تھی جسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ دنیا کی کوئی خوشبو، کوئی عطر اتنا لطیف اور دائمی نہیں ہو سکتا جتنی وہ مہک تھی جو بھگوان نے اس کے وجود میں بسا دی تھی۔ ایک مخصوص سی نسوانیت جیسے پھلوں کا رس، مٹی کا سوندھا پن اور دودھ کا عطر ایک دوسرے میں گھل مل کر خوشبو بن گئے ہوں۔ ایک ایسی خوشبو جس میں آسودگی گھلی ہوئی ہوتی ہو۔ ایک پیار رچا ہوا ہوتا ہے۔ ایک کنوار پن رچا ہوا ہوتا ہے۔ میں اس مہک کا شدت سے قائل تھا۔ میں یہ جانتا تھا کہ ہر نسوانی جسم کی ایک مخصوص خوشبو ہوتی ہے جو عمر کے ساتھ ساتھ کم ہوتی جاتی ہے۔ ہر عورت میں منفرد اور ایک دوسرے سے مختلف...... مختلف جسموں کو محض مہک

سے اس طرح جانا جاسکتا ہے جس طرح چہرے کی بناوٹ یا آواز کے فرق سے کسی کو پہچ
جاتا ہے۔ روپ متی کے وجود کی مہک ہر مہک سے الگ تھی۔ جب کوئی لڑکی پاس سے
گزرتی ہے تو اپنی مہک چھوڑ جاتی ہے۔ شانتی میں بھی ایک خوشبو تھی لیکن اس میں روپ متی
والی بات نہ تھی۔ روپ متی ایک بند کلی تھی۔ چنبیلی جیسی کلی...... وہ اس وقت رات کی رانی کی
طرح مہک رہی تھی۔

وہ میری نگاہوں کی گرفت میں تھی۔ میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو کر اس
طرح سے سینے میں پھول رہی تھیں جیسے میں دور سے دوڑتا ہوا آیا ہوں۔ میں نے اس کے
منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکال دیا۔ روپ متی نے سراسیمگی سے مجھے دیکھا لیکن اس کے
سوچنے، سمجھنے اور کچھ کہنے سے پیشتر ہی میں نے اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا، جیسے
عورت نہ ہو۔ کمہار کے چاک پر رکھی ہوئی گیلی مٹی ہو۔ اس وقت میں یہ بھول گیا تھا کہ
راموکی امانت ہے۔ راموتو اس کے بھائی سے بدلہ لینے کے لئے اس کی بے حرمتی کرنا چاہ
ہے۔ روپ متی میرے بازوؤں کی گرفت میں بے حس وحرکت تھی۔ نہ تو وہ مچلی، تڑپی اور
ہی اس نے کوئی مزاحمت کی۔ اس کے چہرے سے اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے
عیاں تھا کہ اس کے دل و دماغ میں کیسی کشمکش جاری ہے۔ وہ شاید یہ سوچ رہی ہوگی کہ
کون مرد ہے؟ وہ اسے یہاں کیسے لے آیا؟ کیوں لایا ہے؟ اس نے ایک خطرناک
بدمعاش کی جوان بہن کو اغوا کرنے کی جرات کیسے کی؟ جب کہ کوئی اس کے گھر کے سامنے
سے گزرنے اور اس جانب دیکھنے کی جرات اور ہمت نہیں کرتا تھا۔

ہم دونوں اس طرح ایک دوسرے کو نہ جانے کب تک تکتے رہے۔ شاید تما
رات یا پھر تمام عمر...... اور یوں اس طرح تکتے رہے۔ پھر ہم دونوں کے درمیان کوئی فاصلہ
کوئی حجاب اور اجنبیت نہیں رہی۔ اس نے والہانہ پن، وارفتگی اور گرم جوشی سے اپنے آپ
کو میرے سپرد کردیا تھا۔ اس میں ایسی خودسپردگی تھی جیسے سہاگ کی پہلی رات ہو۔

وہ تینوں آگئے تھے۔ میں نے ان کی چاپیں سنیں تھیں۔ وہ کمرے میں داخل
ہوتے ہی ٹھٹک گئے تھے۔ ان کے قدم جیسے زمین میں گڑ کر اس کا حصہ بن گئے تھے...

لیکن انہوں نے آنے میں بہت دیر کردی تھی۔ کیوں کہ طوفان گزر چکا تھا۔ روپ متی کا
روپ بدل چکا تھا۔ وہ کلی سے پھول بن چکی تھی۔ اس کا کنوارپن لٹ چکا تھا۔ بستر ایک
عورت کی خوشبو سے مہک رہا تھا پھر وہ تینوں الٹے پاؤں واپس چلے گئے۔ پھر جانے دروازہ
بند کرلیا۔ اب رات اور اس کا حسن باقی تھا۔ باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ادھر روپ
متی کا حسن بھی نکھر رہا تھا ہم دونوں کی سہاگ کی پہلی رات تھی جیسے...... ہم اس رات کا
ایک ایک پل ایک دوسرے کی معیت میں گزارنا چاہتے تھے۔ ہر قسم کے خوف وانجام اور
نتیجے سے بے خبر ہو کر...... کوئی تین دن تک ہم دونوں اس کمرے میں بند ہو کر ہنی مون
مناتے رہے۔ رامو اس بات سے خوش ہوتا تھا کہ آخر شامو انتقام کا نشانہ تو بن گیا ہے۔
اسے اس بات کا ذرہ برابر بھی ملال نہیں رہا تھا کہ میں روپ متی کی محبت اور اس کی جوانی
اور نشاط انگیز لمحات سے سرفراز ہو رہا ہوں جبکہ وہ اس کا ادھیکار تھا۔ ادھر روپ متی نے بغیر
بیاہ کے ہی مجھے اپنا پتی سویکار کرلیا تھا۔ ہم دونوں کی محبت میں روز بروز شدت پیدا ہوتی
جارہی تھی۔ اب وہ کسی قیمت پر اپنے بھائی کے ہاں جانے کے لئے تیار نہ تھی۔

☆......☆......☆

چوتھے دن رامو گھبرایا ہوا اور پریشان سا آیا۔ وہ کوئی اچھی خبر نہیں لایا تھا۔ ا
شامو نے اس روز سے ہی پورے شہر میں ایک ہنگامہ کھڑا کردیا تھا جس روز سے اس
بہن اس کے گھر سے پر اسرار طور پر غائب ہوگئی تھی۔ وہ آگ بگولہ ہوگیا تھا اور بگولے
طرح شہر میں اپنی بہن کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تلاش کررہا تھا۔ اس نے پولیس کے
کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس نے اس بات کا اعلان بھی کیا تھا کہ جس نے اس کی بہن کو
کیا اسے ذبح کر کے سڑک پر پھینک دیا جائے۔

رامو نے آ کر یہ اطلاع دی تھی کہ شامو کے آدمی اس محلے میں روپ متی کو تلا
کررہے ہیں۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں بہت محتاط رہوں۔ ہو سکے تو کچھ دنوں
لئے یہ شہر چھوڑ کر کسی دوسرے شہر چلا جاؤں۔ روپ متی کو بھی ساتھ لے جاؤں۔ روپ
بھی مجھ سے جدا رہنا نہیں چاہتی تھی۔ رامو نے یہ بھی بتایا کہ اسے اپنے ایک دو آدمیو
شک ہوگیا تھا۔ اس نے انہیں قتل کرڈالا۔

اب یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن میرے لئے مالی مسئلہ تھا۔ میر
پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ میں یہاں سے فرار ہوکر کسی دوسرے شہر میں روپوش رہوا
اخراجات اٹھاؤں۔ میں روپ متی کو کچھ دنوں کے لئے کومیلا میں اپنی خالہ کے ہاں
چاہتا تھا۔ رامو نے مجھ سے کہا تھا کہ شامو کچھ دنوں کا مہمان ہے کیونکہ اس نے اپنے
دو آدمیوں کو بے گناہ قتل کیا ہے اس کے بھائی شامو کے خون کے پیاسے ہوگئے ہیں
اسے قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ روپ متی کو بھی اپنے بھائی سے محبت نہیں نف
تھی۔ کیونکہ اس کی وجہ سے اس کی جوانی، زندگی اور مستقبل کو گھن لگ رہا تھا اور پھر

نے دانستہ اس کی شادی نہیں کی تھی۔ اسے یہ بات پسند نہیں تھی کہ اس کی بہن کسی مرد کی
ملکیت بن جائے۔ اس میں وہ اپنی توہین اور تذلیل محسوس کرتا تھا۔

''میں جانتی ہوں کہ شامو گھر میں اپنی دولت کہاں چھپا کر رکھتا ہے۔'' روپ متی
نے بتایا۔ ''ہمت اور کوشش کی جائے تو شامو کی دولت حاصل کی جاسکتی ہے۔ مجھے لے جایا
جائے تو میں وہ دولت نکال کر لاسکتی ہوں۔''

''تمہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔'' رامو نے کہا۔ ''اس لئے کہ شامو نے
تمہیں دیکھ لیا تو تم بھی قتل کردی جاؤ گی...... تم اس جگہ کی نشاندہی کردو...... ہم شامو کی
ساری دولت نکال لائیں گے۔ لیکن اس کے کل پانچ حصے ہوں گے۔ تمہیں منظور ہے۔''

''مجھے دولت کی ضرورت ہے اور نہ کوئی ہوس ہے۔ میرے لئے اصل دولت تو
گوپال ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

پھر روپ متی نے ایک نقشے کی مدد سے اس جگہ کی نشاندہی کی۔ آدھی رات کے
وقت رامو، پرکاش اور تاراچند، شامو کی ساری دولت نکال کر لے آئے۔ شامو گھر پر نہیں
بلکہ روپ متی کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔ رامو کی ہمت اور جرات کی جتنی تعریف کی جائے کم
تھی۔ پرکاش اور تاراچند نے بھی اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔ یہ تینوں کا مشترکہ کارنامہ تھا۔

ہمیں شامو کی دولت دیکھ کر یقین نہیں آیا۔ دس لاکھ کی رقم کے علاوہ پانچ سات
لاکھ سونے کے زیورات بھی تھے۔ رامو نے رقم کے کل پانچ حصے کئے اور فی کس دو لاکھ کی
رقم دی۔ تمام زیورات اس نے روپ متی کو یہ کہہ کر دے دیئے کہ یہ اس کا حق ہے۔ روپ
متی نے اس میں سے ایک بارہ کنگن، ٹیکہ اور بندے مالتی کو دے دیئے۔ کچھ زیور اس نے
رامو اور تاراچند کو بھی دیئے۔ میں نے اپنے اور روپ متی کے حصے کی رقم رامو کے پاس
امانت رکھوا دی۔ اس میں سے صرف پچاس ہزار روپے لے کر راتوں رات چاندپور روانہ
ہوگیا۔ کیونکہ کومیلا میں روپ متی کا اور میرا روپوش رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا اور پھر
شامو پر کل بجلی گرنے والی تھی۔ کیونکہ رامو، تاراچند اور پرکاش نے اس کی دولت لوٹ لی
تھی۔ وہ ساری دنیا کے ہاں ڈاکہ مارتا تھا۔ آج اس کے ہاں ڈاکہ پڑ گیا تھا۔

میرے یہ تینوں دوست مجھے گھاٹ تک پہنچانے اور مسافر لانچ پر سوار کرانے آئے تھے۔ روپ متی کو برقع پہنا دیا گیا۔ میں نے نقلی داڑھی لگالی۔ میں نے ایک مولوی صاحب کا روپ دھار لیا تھا کہ شامو کے آدمی میرے ساتھ ایک برقع پوش عورت کو دیکھ کر شک نہ کریں۔ شامو اور اس کے کچھ آدمی مجھے اور میرے ساتھیوں کو پہچانتے تھے۔

میں نے روپ متی کو باری سال لے جا کر اپنی پھوپھی کے ہاں چھوڑا۔ پھوپھی کی تین لڑکیاں تھیں۔ پھوپھا ایک سرکاری محکمے میں افسر تھے۔ پھوپھی ایک کالج میں لیکچرار تھیں۔ ان کی دو بڑی لڑکیاں سکول میں ٹیچر تھیں۔ تیسری بیٹی زیر تعلیم تھی۔ میں نے روپ متی کو اپنی بیوی ظاہر کیا۔ میں نے روپ متی کو اچھی طرح سے سمجھا دیا کہ وہ کسی کو بھی اعتماد میں لے کر اصل بات نہ بتادے۔ اس راز کو وہ ظاہر کر دے گی تو اسے گھر والے اسی وقت نکال دیں گے۔ وہ میرا انتظار کرے۔

میں کوئی تین دن تک رہا۔ شاید کچھ اور دن رہتا اگر میں نے شامو کے آدمی بھورے میاں کو دیکھا نہ ہوتا۔ وہ ایک خطرناک اور بدترین غنڈہ تھا۔ کوئی دس قتل کر چکا تھا اور آزاد دندناتا پھر رہا تھا۔ وہ شاید میری بو سونگھ کر آ گیا تھا یا کسی بھی وجہ سے آیا ہو۔ یہ بات میرے لئے خطرے کی تھی۔ یہاں سے چلا جانا میرے اور روپ متی کے حق میں بہتر تھا۔

میں نے رات روپ متی کو بھورے میاں کے بارے میں بتایا۔ میں نے دوسرے دن پھوپھی کے ہاتھ پر ایک ہزار کی رقم رکھی اور ان سے کہا کہ میں کاروبار کے سلسلے میں اندرون ملک جا رہا ہوں۔ یہ روپ متی کے اخراجات کے لئے ہے۔ پھوپھی ایک کوڑی بھی لینا نہیں چاہتی تھیں، کیونکہ وہ آسودہ حال تھیں۔ میرے اصرار پر انہوں نے رقم لے لی۔ میں نے روپ متی کے پاس دس ہزار کی رقم رکھ دی۔

میں نے روپ متی کو بتا دیا تھا کہ میں رنگامائی جا رہا ہوں تا کہ وہاں روپوش رہوں۔ میں وہاں سے اپنے دوستوں سے رابطہ رکھوں گا۔ شامو کے متعلق مجھے اطلاع مل جائے گی۔ میں رنگامائی میں کچھ دن رہ کر بارہ سالی آؤں گا۔ اگر شامو کا خطرہ دور نہ ہوا ہم ہندوستان جا کر بس جائیں گے۔ ہندوستان بہت محفوظ ترین جگہ ہوگی۔

میں لانچ سے روانہ ہو کر چٹاگانگ پہنچا۔ پھر وہاں سے بس سے رنگامائی پہنچا۔ رنگامائی ایک پرفضا اور حسین مقام تھا۔ یہاں چکمہ اور لگ قبیلہ کے لوگ رہتے تھے۔ ان کی عورتیں بہت حسین، جاذب نظر اور پرکشش ہوتی تھیں۔ جب میں رنگامائی پہنچا میرا دل خوش ہو گیا۔ اس علاقے میں غربت و افلاس بہت تھا۔ عورتیں بھی بہت سستی تھیں۔ اتنی سستی عورت شاید کہیں نہیں ہوتی تھی۔ تیرہ برس کی لڑکی کے جسم کی قیمت صرف دس روپے تھی۔

میرا دوسرا دن تھا۔ رات میں سونے کے لئے بستر پر دراز ہوا تو میرے چشم تصور میں روپ متی کا حسین چہرہ پرشکوہ سراپا اور گداز جسم نظروں میں لہرانے لگا۔ اس وقت اس کی طلب ہو رہی تھی۔ مجھے اس کی محبت، گرم جوشی، خودسپردگی اور والہانہ باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اس وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ میں حیران ہوا کہ کون ہو سکتا ہے۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو مجھے یقین نہیں آیا۔ میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

دروازے پر بیس برس کی ایک خوبرو عورت کھڑی تھی۔ اس کے سرخ ہونٹوں پر ایک شناسا مسکراہٹ تھی اور اس کی پیاسی آنکھیں مجھے جیسے دعوت گناہ دے رہی تھیں۔ وہ نفیس براق چادر میں ملبوس تھی۔ اس کا قد درمیانہ تھا اور جسم بھی متناسب تھا۔ وہ اجلی رنگت کی تھی۔ یہ عورت چکمہ قبیلے کی تھی۔ اس میں بڑی جاذبیت تھی۔

قبل اس کے کہ میں اس سے کچھ دریافت کرتا وہ تیر کی طرح کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ میری طرف گھومی۔

"کون ہو تم......؟" میں نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا" اس وقت کس لئے اور کیوں آئی ہو؟"

"میں ایک عورت ہوں" اس نے رسیلی آواز میں جواب دیا۔ "میں آپ کی تنہائی دور کرنے اور خوش کرنے آئی ہوں"

"میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک عورت ہو اور چڑیل نہیں ہو" میں نے تلخی سے

جواب دیا۔ ''مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''تم اس قدر خوبصورت اور پرکشش عورت کو ٹھکرا رہے ہو......؟ تم کیسے مرد ہو؟'' اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ''مرد میرے لئے تڑپتے ہیں۔ میری راہ تکتے ہیں۔ بے چین رہتے ہیں۔ تم بڑے بدذوق ہو؟''
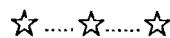
''تم کچھ بھی کہو...... میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو بازاری عورتوں سے اپنا بستر میلا کرتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''میں ایک ایسی فیاض عورت ہوں کہ آپ تصور نہیں کر سکتے ہیں۔ نہ کبھی آپ کو مجھ جیسی عورت سے واسطہ پڑا ہے اور نہ پڑے گا؟''

''مجھے نہ تو کسی فیاض عورت کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی بخیل عورت کی...... تم جس طرح آئی ہو اس طرح چلی جاؤ۔'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''میں واپس اس وقت تک نہیں جاؤں گی جب تک تمہیں زیر نہ کرلوں، تم پر فتح نہ پالوں......'' اس کا لہجہ پراعتماد تھا۔ وہ مجھے خود سپردگی کی نظروں سے دیکھنے لگی۔ یہ میری توہین اور تذلیل ہوگی کہ میں تمہیں حاصل نہ کرسکوں۔''

میں اس کی طرف تیزی سے بڑھا تا کہ اسے دھکا دے کر کمرے سے نکال دوں۔ اس کے ہاتھ سے چادر کے کونے چھوٹ گئے۔ وہ بے لباس تھی۔ میں ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ شیشہ بدن تھی۔ اس کے بدن نے مجھ پر اپنا جادو کردیا اور میں اس کا اسیر ہوگیا۔

وہ صبح ہونے تک کمرے میں رہی تھی۔ اس نے مجھے سونے نہیں دیا اور نہ خود سوئی۔ مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ محبت بھری باتیں بھی کی تھیں۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ غیر محسوس انداز سے میری نجی زندگی کے بارے میں کرید رہی ہے۔ میں نے اسے اپنے بارے میں صحیح نہیں بتایا۔ صبح جب وہ رخصت ہورہی تھی تب میں نے اس کی طرف سو کا نوٹ بڑھایا تو اس نے چمکتی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ میرے ہاتھ سے نوٹ نہیں لیا۔ میرے گال کا بوسہ لے کر محبت بھرے لہجے میں بولی۔ ''میں خوبصورت مردوں سے فیس نہیں لیتی ہوں۔''

میں نے چند لمحوں کے بعد کمرے کی کھڑکی سے جھانکا تو اس طرح اچھل پڑا جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔ میری رگوں میں لہو منجمد ہوگیا۔ میں نے اسے ہوٹل کے عقبی حصے میں بھورے میاں سے باتیں کرتے اور اس کے ہاتھ سے سو کا نوٹ لیتے ہوئے دیکھا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ بھورے میاں میرے تعاقب میں تھا۔ شامو کو شاید شک ہوگیا تھا اس لئے اس نے بھورے میاں کو میرے تعاقب میں لگا دیا تھا۔ وہ مجھے اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک روپ متی کا پتا نہ چل جائے اور وہ بازیاب نہ کرلے۔ اس نے اس عورت کو اس لئے رات کے وقت میرے کمرے میں بھیجا تا کہ روپ متی کے بارے میں معلوم کرسکوں۔ اس عورت نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ میری زندگی میں کتنی عورتیں آئی ہیں۔ میں نے اسے جواب دیا تھا کہ ایک بھی نہیں...... وہ میری زندگی میں آنے والی پہلی عورت ہے۔

میں نے سوچا کہ اب مجھے ہندوستان چلا جانا چاہئے پھر میں رات کے وقت کوچ سے چٹا گانگ پہنچا پھر وہاں سے راج شاہی کا رخ کیا تا کہ وہاں سے سرحد عبور کرکے ہندوستان جاسکوں۔ دو دن کے بعد میں ہندوستان پہنچ چکا تھا۔

☆......☆......☆

ہندوستان میں ریل کے سفر کے دوران میری ملاقات ایک پارٹی سے ہوئی جو سیر و سیاحت کی غرض سے امرناتھ جارہی تھی۔ میرے پاس رقم بھی موجود تھی اور وقت بھی تھا۔ میرے لئے سیر و سیاحت ہی ہر لحاظ سے بہتر تھی۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ اس پارٹی میں جو لوگ تھے وہ میری ہی طرح جوان، خوش مزاج اور شوخ طبیعت کے اور زندہ دلان تھے۔ میں ان سے بہت جلد گھل مل گیا۔ ان سے اس طرح فری ہوگیا جیسے سب میرے بچپن کے دوست ہوں۔ وہ بھی مجھ سے بہت فری ہوگئے تھے۔

ہم سب گپیں ہانکتے، خوشیاں اور رنگ رلیاں مناتے ہوئے پانچ بجے کے قریب چندواڑی پہنچے یہاں پر صرف ایک دکان تھی جو ایک سکھ نے مسافروں کے لئے بہت بڑے خیمے میں کھول رکھی تھی۔ اس میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

اس علاقے میں پہنچ کر میں جیسے مسحور سا ہوگیا۔ میں نے اپنی زندگی میں کیا سپنوں میں بھی ایسا حسین اور پرفضا مقام نہیں دیکھا۔ اس کا حسن تھا کہ میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر کر ایک فرحت بخش رہا تھا۔ میری آتما خوش ہوگئی تھی۔ میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ حالات کی گردش مجھے کسی دن یہاں سیر کرانے آئے گی۔

سہ پہر کا سماں اس قدر سہانا اور پیارا تھا کہ دل اور نگاہیں سیر نہیں ہو پا رہی تھیں۔ پہاڑ بھی ایسے تھے کہ ان کی سیر نہ کرنا بدذوقی تھی۔ فضا نہ صرف دل کش بلکہ جاذب نظر عورت کی طرح تھی۔ پاک وصاف ہوائیں جس سے نس نس اور سارے جسم میں راحت اور توانائی پیدا ہو رہی تھی۔ ندی کے شور وغل میں مدھر مدھر موسیقی کی گونج رچی بسی ہوئی تھی۔ برفانی پل پر آفتاب کی ناچتی ہوئی کرنیں جھلملا رہی تھیں جس سے ایسا لگ رہا تھا کہ ساری دنیا کا حسن سمٹ کر اس لاثانی مقام پر جمع ہوگیا ہے۔ بھگوان نے دنیا میں ہی سورگ بنا ڈالی ہے۔

لیکن دوسرے نہ جانے کیوں مجھے یہ علاقہ کچھ پراسرار سا لگا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا یہ کوئی جادو نگری ہے۔ یہاں پریاں بھی ہوتی ہوں گی، جنات، بھوت، چڑیلیں اور بدروحیں بھی ہوں گی۔ سانپ، ناگنیں اور اژدھے بھی ہوسکتے ہیں۔ یہ میرا خیال تھا...... ہم لوگوں نے فیصلہ کیا کہ آج رات یہاں قیام کیا جائے۔ اس لئے بھی کہ باربرداری کے ٹٹو اور قلی ابھی بہت پیچھے تھے۔ راستہ نہ صرف ناہموار بلکہ دشوار گزار بھی تھا۔ بڑے نشیب و فراز بھی تھے۔ ان کے پہنچنے میں خاصی دیر تھی۔

ہم نے اس دکان دار کو چائے کا آرڈر دیا۔ دکان دار نے کہا کہ چائے میں کچھ دیر لگے گی۔ آپ لوگ جب تک ستالیں۔ ہم نے ستانے اور خود کو انتظار کی زحمت سے بچنے کے لئے برف کے پل کی طرف نکل گئے۔ اس پارٹی میں نوجوان تھے۔ اس عمر کے حصے میں طبیعت جولانیوں پر ہوتی ہے۔ تازہ امنگیں، نئے جذبے، زندہ ولولے، بھرپور صحت وتندرستی، سچی خوشیاں اور حقیقی مسرتیں...... جو اس بے فکری کی عمر کے لوازم شمار ہوتے ہیں جن کے زیر اثر دنیا کی ہر چیز بہت حسین اور رنگین دکھائی دیتی ہے۔ گویا ہر شے سے

خوشیوں اور جوانیوں کا رس ٹپک رہا ہو۔ اس پر یہ قدرتی اور دل فریب ماحول ایک انوکھا، لطیف اور طلسمی رنگ چڑھا رہا تھا۔

اس لمحے مجھے روپ متی کی یاد ستانے لگی۔ میں نے دل میں سوچا کہ...... کتنا اچھا ہوتا میں روپ متی کو بھی ساتھ لے آتا۔ اگر بھورے میاں تعاقب میں نہ ہوتا تو نہ میں یہاں آتا اور نہ روپ متی سے جدائی کی نوبت آتی۔ ایسے حسین اور پرفضا مقام پر عورت کی طلب اور ضرورت بڑی محسوس ہوتی ہے۔ وہ ہوتی تو یہاں کے حسین لمحات اور رنگین اور نشاط انگیز ہوجاتے۔

عورت کی طلب بڑی شدت سے محسوس ہونے لگی۔ میں نے سوچا کہ کیا یہاں کوئی عورت وقت گزاری اور رات کی گھڑیاں حسین اور فرحت بخش بنانے کے لئے مل سکتی ہے؟ جبکہ ہمیں عورت تو کیا ایک بچی بھی دکھائی نہیں دی تھی۔

جب ہم اس برفانی پل کی طرف جارہے تھے تب میری نگاہ شمال کی جانب اٹھی۔ کوئی نصف فرلانگ کے فاصلے پر ایک خیمہ دکھائی دیا۔ اس کے باہر دو جوان جوڑے دکھائی دیئے۔ یہ غیر ملکی سیاح تھے۔ اتنی دور سے کچھ اندازہ نہ ہوسکا کہ یہ کون ہیں؟ امریکی، برطانوی یا یورپ کے ہیں۔ مجھے ان غیر ملکی سیاح مردوں پر رشک آیا جن کے ساتھ لڑکیاں تھیں۔ وہ زندگی اور سیروسیاحت کا بھرپور لطف اٹھانے آئے ہوئے تھے۔ عورت کے بغیر تفریح پھیکی ہوجاتی ہے۔ میرے احساس محرومی میں اضافہ ہوگیا۔ میں نے سرد آہ بھرتے ہوئے سوچا۔ کاش! روپ متی میری زندگی میں نہ آتی اور میں عورت سے دور رہتا۔ عورت نے میری زندگی میں طلب اور خلاء پیدا کردیا تھا۔ اس خلاء کو عورت ہی پر کرسکتی تھی۔ میرے وجود میں عورت کی مہک جو بسی ہوئی تھی وہ تڑپا رہی تھی۔

ہم لوگ قدرت کی ان آرائشوں اور دل آویزیوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے برفانی پل پر چلنے لگے۔ تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ ہم نے ان دونوں جوڑوں کو اس برفانی پل کی طرف آتے دیکھا۔ پھر انہوں نے یکایک رخ بدل کر دکان کے خیمے کی طرف کرلیا۔ وہ بھی شاید چائے پینے کے لئے آئے تھے۔ وہ بہت زندہ دل اور جوان تھے۔

ان کے چہروں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ہم بھی چائے پینے کی غرض سے اس دکان کی طرف بڑھے۔ وہ چاروں یورپی تھے۔ ہم آپس میں متعارف ہوئے۔ لڑکیاں فرانسیسی تھیں جبکہ مردوں کا تعلق اسپین سے تھا۔ ان کی ملاقات اور دوستی سفر کے دوران ہوئی تھی۔ اب وہ غیر قانونی میاں بیوی بن کر نہ صرف سیروسیاحت کر رہے تھے بلکہ ہنی مون بھی منا رہے تھے۔ ان لڑکیوں کے نزدیک غیر مردوں سے تعلقات استوار کرنا معیوب بات نہ تھی۔ یورپ اور امریکہ کی لڑکیاں غیر مردوں سے دوستی کرتی تھیں تو سارے فاصلے مٹا دیتی تھیں اور حجاب ختم کر دیتی تھیں بلکہ ان میں حجاب یکسر مفقود ہوتا تھا۔ ان کے معاشرے میں یہ کوئی غلط بات نہ تھی۔

فرانسیسی لڑکیاں آپس میں گہری سہیلیاں تھیں۔ جس کا نام جینی تھا اس کی عمر انیس برس کی تھی وہ انتہائی حسین وجمیل اور پرکشش تھی۔ دراز قد تھی۔ دوسری کا نام ایلن تھا وہ بھی کوئی بیس برس کی ہوگی۔ وہ بہت حسین اور طرح دار تھی۔ اس میں بھرپور دلکشی اور جاذبیت بھری ہوئی تھی۔ ان دونوں لڑکیوں نے نامناسب سا لباس پہن رکھا تھا جس سے ان کے جسمانی نشیب وفراز کی نمائش ہو رہی تھی۔ نگاہ تھی کہ ضدی بچے کی طرح مچل مچل کر بار بار ان کی طرف اٹھ جاتی تھی۔ انہیں اس بات کی کوئی فکر اور پروا نہیں تھی کہ ہم انہیں ندیدوں کی طرح گھور رہے ہیں۔ مردوں نے بھی کوئی اثر نہیں لیا تھا لیکن جسم کی یہ نمائش بھی بدمعاش کو بہکا سکتی تھی۔ اس کے جذبات کو بے قابو کرنے کے لئے کافی تھی۔ ان دونوں لڑکیوں کی عزت کے لئے خطرے کا باعث بن سکتی تھی لیکن یہاں دور دور تک کسی غنڈے بدمعاش کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا۔ لیکن میرے لئے ایک سخت امتحان تھا۔ میرے ساتھیوں کے لئے بھی..... آخر وہ مرد تھے۔ برف کے تودے نہ تھے۔

مردوں کے نام اسمتھ اور رچرڈ تھے۔ مردوں کے علاوہ جینی اور ایلن بڑے خلوص اور گرم جوشی سے ملی تھیں۔ ان سے دوستانہ ماحول میں باتیں ہوتی رہیں۔ ان لڑکیوں کی موجودگی نے ماحول کو، فضا کو بہت حسین اور رنگین بنا دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ عورت نے عورت کو جنم نہیں دیا ہوتا تو کیا اس دنیا میں اتنا حسن اور رنگینی ہوتی؟

ان چاروں نے چائے پینے کے بعد چلتے وقت ہم سے کہا کہ ہم ان کے خیمے میں چل کر شراب سے لطف اندوز ہوں۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم کسی وقت آ جائیں گے۔ کیونکہ ہمارے قلی ابھی سامان لے کر نہیں پہنچے ہیں۔ ہم ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد میرے ساتھیوں نے کہا کہ..... ہم مغرب کی سمت قلیوں کی تلاش میں جا رہے ہیں۔ شاید وہ راستہ بھول گئے ہیں یا کوئی حادثہ پیش نہ آ گیا ہو۔ مجھ سے کہا کہ میں شمال کی جانب دیکھ آؤں۔ قلیوں کے راستہ بھولنے کا امکان نہ تھا کیونکہ وہ اس علاقے میں پیدا ہوئے تھے اور بچپن سے محنت مزدوری کرتے چلے آ رہے تھے۔

میں شمال کی سمت چل پڑا۔ ان غیر ملکی سیاحوں کا خیمہ وہیں تھا، جب میں خیمے کے پاس سے گزرا تو مجھے وہاں سناٹے کا احساس ہوا۔ خیمے میں جھانکا تو وہ مجھے دکھائی نہیں دیئے۔ وہ شاید سیر کو نکل گئے تھے پھر میں بھی چل پڑا پھر ان کی آوازیں، ہنسی اور سرگوشیاں سنائی دیں تو ٹھٹھک کر رک گیا۔ چند لمحوں کے بعد آواز کی سمت تیزی سے بڑھ گیا۔

پہاڑیوں کے دامن میں ایک خوبصورت سی جھیل تھی۔ اس جھیل کے کنارے ایلن، اسمتھ کے ساتھ..... جینی رچرڈ کے ہم راہ تھی۔ ان دونوں کے درمیان صرف سو گز کا فاصلہ تھا مجھے یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی تھی کہ وہ انجانے گاؤں کے دھول بھرے راستے سے گزر رہے تھے۔ آزادی کا لبادہ اوڑھے انتہائی بے شرمی، بے حیائی کی حالت میں تھے۔ وہ انسان نہیں حیوان بنے ہوئے تھے۔ ان میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس جنگل میں بہت دور چلے گئے تھے۔ انہیں نہ تو واپسی کا خیال تھا اور نہ ہی کسی بات کا احساس، ایسا لگ رہا تھا کہ ان کے اندر کا احساس مر چکا ہے۔ ختم ہو چکا ہے۔ انہوں نے حجاب کی دیوار تک کھڑی نہیں کی تھی۔ وہ دنیا ومافیہا سے بے نیاز تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ سامنے والی پہاڑی کے عقب میں کوئی کھڑا ہوا ہے اور انہیں چھپ کر دیکھ رہا ہے اور ان کی حیوانیت سے محظوظ ہو رہا ہے، کون ہو سکتا ہے؟ میں نے سوچا۔ شاید کوئی مقامی شخص تھا۔ میں نے وہاں ایک سایہ سا دیکھا تھا۔ میں بھی ایک پہاڑی کے پیچھے چھپ کر ان چاروں کو غلاظت کے دلدل میں دیکھ رہا تھا۔

جب وہ چاروں جوانی کے جنگل اور غلاظت کے دلدل سے نکلے تو وہ جھیل کی طرف بڑھے۔ وہ کچھ دیر تک جھیل میں اسی حالت میں نہاتے رہے کچھ دیر بعد وہ تیر اور نہا کر نکلے۔ پھر ان لڑکیوں نے مرد بدل لئے۔ کچھ دیر بعد میں وہاں سے چلا آیا۔ کیونکہ شراب پینے کے بعد پھر ان چاروں نے غلاظت کے دلدل میں چھلانگ لگا دی۔

اس سامنے والی پہاڑی کے عقب میں مجھے جو سایہ نظر آیا وہ شاید میرا واہمہ تھا۔ میں گھوم کر اس طرف گیا تھا۔ مجھے وہاں کوئی نظر آیا۔ پھر میں دکان کی طرف واپس ہوا۔ میرے سارے جسم میں چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ یہ غیر ملکی اتنے بے شرم، بے غیرت اور حیوان صفت کے ہوتے ہیں۔ میرے سارے بدن میں سنسنی بھری ہوئی تھی۔ میری عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ میں ہانپ رہا تھا۔ میں نے اپنے پراگندہ احساسات اپنی تمام طاقت جمع کر کے قابو میں کرنے کی کوشش کی۔ میری نس نس میں جو چنگاریاں بھر گئی تھیں میں انہیں سرد کرنے کے لئے تیز تیز چلنے لگا۔

جانے کیوں ایک آوارہ سا خیال میرے ذہن میں آیا کہ اگر میں ان لڑکیوں سے گہری دوستی کروں تو شاید وہ مجھ پر مہربان ہوسکتی ہیں۔ انہیں ان کے ہم سفر روک سکتے ہیں اور نہ منع کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ ان کی جیون ساتھی نہیں ہیں بلکہ صرف ان کی دوست ہیں۔ میں نے سنا تھا، سنتا رہتا تھا بلکہ بہت سارے رسائل میں امریکہ اور یورپ کے معاشرے کے متعلق پڑھا تھا کہ وہاں کی کنواریاں لڑکیاں اور شادی شدہ عورتیں بھی دوستی میں بہت آگے بڑھ جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے جسم کو اپنی ملکیت سمجھتی ہیں۔ انہیں اس بات کا حق اور آزادی حاصل ہوتی ہے کہ اپنی خوشی اور مرضی سے جسے چاہیں اپنے جسم کا دان دے دیں۔ گوکہ شادی شدہ عورتیں اپنے شوہروں کا لحاظ کرتی ہیں اور پھر غیر مردوں سے تعلقات کو ظاہر نہیں کرتی ہیں۔ اس کے برعکس وہاں کی کنواری لڑکیاں اپنی سہیلیوں کو فخر سے بتاتی ہیں کہ اس کی زندگی میں کتنے نوجوان لڑکے اور مرد آئے۔

میں نے محسوس کیا کہ میرے دل کے کسی کونے میں ایک انجانی خواہش چھپی ہوئی ہے کہ میں ایلن اور جینی سے دوستی کر کے ان کی مہربانی حاصل کروں۔ وہ دونوں ہی

فیاض قسم کی لڑکیاں تھیں۔ ان کی فیاضی کا اندازہ مجھے ہوچکا تھا اور پھر وہ بہت حسین اور جوان بھی تھیں۔ وہ میری جانب اس لئے بھی ملتفت ہوسکتی تھیں کہ میں بھی ایک وجیہہ، خوبصورت اور دراز قد مرد تھا اور پھر وہ اپنے ہم سفروں کے ساتھ ڈیڑھ ماہ سے سیر و سیاحت کر رہی ہیں وہ ان سے یکسانیت سے اکتا چکی ہوں گی۔ وہ ذائقہ بدلنا چاہتی ہوں گی اور پھر امریکہ اور یورپ میں عزت و آبرو کا تصور بہت پرانا، بوسیدہ اور فرسودہ ہو چکا تھا۔

جب میں دکان پر پہنچا تو دیکھا کہ میرے ساتھی موجود ہیں۔ بار برداری کے ٹٹو اور قلی وغیرہ پہنچ گئے تھے۔ پھر چائے کا ایک اور دور چلا۔ قلیوں کو بھی چائے پلائی تاکہ ان کی تھکن دور ہو جائے اور وہ تازہ دم ہو جائیں پھر ہم خیمے نصب کرانے میں مشغول ہوگئے۔ الاؤ لگوا کر، بستر وغیرہ تیار کروا کر فارغ ہوئے تو شام ہوچکی تھی۔ اب پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے۔ بعض علاقوں کی آب و ہوا مانی ہوئی ہے۔ جب کسی کھلی جگہ، پرفضا مقام پر جائیں جہاں کارخانے نہ ہوں، آلودگی نہ ہوتی اس سرزمین میں آ کر قوت ہاضمہ اس قدر تیز ہو جاتی ہے کہ بغیر کھائے پئے کسی بھی وقت گزارا نہیں ہوتا۔ قدرتی چشموں اور بہتی ہوئی ندیوں کے پانی جو کیمیائی نباتات اور جڑی بوٹیوں کی آمیزش سے اکسیر کا درجہ اور جواب رکھتے ہیں۔ ثقیل سے ثقیل غذا ہضم نہیں بلکہ ایک طرح سے بسم ہو جاتی ہے۔ پھر بے اختیار زبان پر الجوع الجوع آ جاتا ہے۔

ہم نے اس دکان دار کو پہلے ہی کھانے کا آرڈر دے دیا تھا۔ اس نے صرف دکان ہی نہیں بلکہ ہوٹل بھی کھول رکھا تھا۔ اس کے پاس مرد بیوی ملازم تھے۔ ملازم کی بیوی جس کی عمر تیس برس کی ہوگی ہر قسم کے کھانے عمدہ پکاتی تھی اور اسے بڑی مہارت حاصل تھی۔ وہ دونوں مقامی تھے۔ مرد کی عمر ستر برس کی ہوگی۔ عورت تیس برس کی تھی اور اس کی بیٹی معلوم ہوتی تھی۔ مرد کا نام نارائن تھا وہ اس عمر میں بھی چاق و چوبند اور صحت مند دکھائی دیتا تھا۔ اس کی بیوی جس کا نام کورا تھا وہ بہت حسین تھی۔ اس کا بدن گٹھا ہوا تھا۔ وہ درمیانہ قد اور چھریرے جسم کی تھی۔ لیکن بڑی مستعد عورت تھی۔ ہر کام بڑی تیزی اور صفائی سے کرتی تھی۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس عورت نے ایسا عمدہ کھانا پکایا تھا کہ ہم نے

انگلیاں چاٹ لیں۔

رات کھانے سے فراغت پانے کے بعد میرے ساتھی تاش کھیلنے بیٹھ گئے۔ چاندنی رات تھی۔ میں تاش کے کھیل میں شریک نہیں ہوا۔ حالانکہ تاش کا کھیل میری بہت بڑی کمزوری تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا حصول ناممکن سا ہے۔ میں نے سوچا کہ ان کا خواب دیکھنے سے بہتر ہے کہ تاش کھیلوں یا پھر سو جاؤں یا پھر خیمہ سے باہر بیٹھ کر چاندنی رات کا نظارہ کروں۔

میں خیمہ سے باہر الاؤ کے پاس قلیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میں کافی کا آرڈر سب کے لئے دے کر آیا ہوا تھا تھوڑی دیر بعد کورا تھرماس میں ہم سب کے لئے کافی بنا کر لے آئی تھی۔ جب اس نے ایک نے ایک مگ میں کافی انڈیل کر میری طرف جگ بڑھایا تو ہماری نظریں چار ہوئیں اور ایک دوسرے میں پیوست ہو گئیں۔ اس لمحے وہ مجھے بہت حسین اور شعلہ جسم لگی۔ رات اور چاندنی نے اس کا من اور شباب اور غضبناک کر دیا تھا۔ میں نے اس کے حسین چہرے پر اداسی اور حسرت چھائی ہوئی دیکھی۔ اس کی نیلی نیلی آنکھوں میں ایک عورت کی پیاس جھلک رہی تھی۔ وہ پیاسی عورت کی طرح لگ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ سے مگ لیتے وقت جب میرا ہاتھ اس کی مخروطی انگلیوں سے مس ہوا تو میرے سارے جسم میں جیسے بجلی کی لہریں پھیل گئیں۔

کورا میرے اس قدر قریب کھڑی تھی کہ اس کے بدن کی خوشبو میرے دل و دماغ پر چھا رہی تھی۔ اس میں ایک سوندھی سوندھی سی خوشبو تھی۔ عورت کی خوشبو...... وہ مجھے ایک رس بھرے پھل کی طرح دکھائی دی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی مرد کی جھولی میں گرنے کے لئے بے تاب ہے۔ میں اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔ اس کی چال میں بڑی مستانہ خرامی تھی۔

میں نے کافی سپ کرتے ہوئے ایک قلی سے پوچھا یہ کیا تم کورا اور اس کے پتی کے متعلق کچھ جانتے ہو؟''

''کیوں نہیں صاحب!'' اس قلی نے سر ہلایا ''یہ دونوں میاں بیوی میرے گاؤں

کے ہیں۔ میرے پڑوسی بھی ہیں۔''

''کیا یہ سچ مچ کے میاں بیوی ہیں؟ میں نے اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کر دیں۔ ''مجھے جانے کیوں یقین نہیں آیا ہے۔''

''جی ہاں صاحب!...... یہ دونوں میاں بیوی ہیں۔'' اس نے پھر اپنا سر ہلایا۔

''آپ کو کس لئے یقین نہیں آ رہا؟''

''اس لئے کہ کورا کی عمر تیس برس لگتی ہے جبکہ اس کے پتی کی عمر ستر برس سے زیادہ۔ میاں بیوی کی عمروں میں اتنا فرق؟''

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے صاحب! اس نے کہا: جہاں غربت و افلاس ہو وہاں ایسی بے جوڑ شادیاں ہوتی ہیں۔ آپ جانتے ہوں گے کہ کشمیر میں کتنی غربت و افلاس ہے۔ ماں باپ اپنی جوان اور حسین لڑکیوں کو پانچ سو روپے میں بیچ دیتے ہیں۔ آپ مجھے بنگالی معلوم ہوتے ہیں...... کیا بنگال میں ایسا نہیں ہوتا۔ کوئی تین برس پہلے ایک بنگالی جوڑا ہنی مون منانے کے لئے یہاں آیا تھا۔ لڑکی کی عمر صرف گیارہ برس کی تھی۔ اس کے پتی کی عمر پینسٹھ برس کی تھی۔ وہ لڑکی اس کی پوتی کی عمر کی تھی۔''

میں نے اس کی بات سن کر سر جھکا لیا۔ اس کی معلومات بہت وسیع تھیں۔ اس کی عمر ساٹھ برس سے کم نہیں تھی۔ لیکن وہ ابھی بھی صحت مند تھا۔ میں نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد تھرماس سے اپنے مگ میں کافی انڈیلتے ہوئے پوچھا کہ ان کی شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟''

''پورے دس برس۔'' اس نے جواب دیا۔ جب ان کی شادی ہوئی تھی تب کورا کی عمر بیس برس کی تھی۔ شادی کیا ہوئی بلکہ سودا ہوا تھا۔ کیونکہ کورا کی تین بہنیں اور تھیں اس کا باپ بہت غریب اور مزدور آدمی تھا۔ کورا کے پتی نے اسے سات سو روپے میں خرید کر بیاہ کر لیا۔''

''غریبی کتنی خراب چیز ہوتی ہے۔'' دوسرے قلی نے کہا ''بے چارے غریب لوگ اپنی لڑکیوں سے جسم فروشی تک کراتے ہیں۔''

میں نے کافی کا دوسرا کپ پینے کے بعد خالی کپ زمین پر رکھ دیا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر میں نے ان سے کہا۔ میں اس خیمے کی طرف ہو کر آ رہا ہوں۔" پھر میں اس خیمے کی طرف بڑھا۔ چاروں طرف دودھیا چاندنی کا منجمد دریا تھا۔ اس کی آغوش میں قدرتی نظارے اور حسین اور دل فریب ہو گئے۔ رات کا حسن نکھرتا جا رہا تھا۔ میں ایلن اور جینی کے حسین تصور میں ڈوبا چلا جا رہا تھا۔ ان کا سپنا دیکھ رہا تھا۔

پھر میں نے دیکھا۔ خیمے میں ایک ہیولا باہر آیا اور میری طرف تیزی سے بڑھا۔ میرے پاس پہنچ کر رک گیا۔ وہ ایلن تھی۔

"تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟" ایلن نے حیرت سے رس بھری آواز میں پوچھا۔ "کیا چاندنی رات کو سیر کے لئے نکلے ہو......؟"

"میں تم لوگوں کی طرف آ رہا تھا۔" میں نے جواب دیا یہ نیند نہیں آ رہی تھی سوچا کہ تم لوگوں سے کچھ دیر گپ شپ کر لوں۔"

"میرے تینوں ساتھی سو چکے ہیں۔" ایلن نے کہا۔ "میں دکان سے سوڈے کی بوتل لینے نکلی تھی۔ مجھے بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔"

"چلو...... میں تمہارے ساتھ دکان تک چلتا ہوں۔" میں نے کہا یہ دکان دار اور اس کے ملازم کام سمیٹ کر شاید سونے کی تیاری کر رہے ہوں گے۔"

پھر میں ایلن کو ساتھ لے کر دکان پر پہنچا۔ جس وقت ایلن سوڈے کی بوتل خرید رہی تھی میں نے متلاشی نظروں سے کورا کی طرف دیکھا ایک کونے میں ایک چارپائی پر کورا کا شوہر کمبل اوڑھے لیٹا ہوا تھا۔ کورا بھی جیسے سونے کی تیاری کر رہی تھی۔ دکان کا مالک بوڑھا بھی سونے کے لئے جا رہا تھا۔ اس خیمے کے عقب میں ایک چھوٹا خیمہ تھا جس میں وہ سوتا اور حساب کتاب کرتا تھا۔ اس نے ایک رجسٹر اور دو تین کاپیاں اور قلم اٹھائے ہوئے تھے۔ اس نے سوڈے کی بڑی بوتل دو ڈالر کے عوض ایلن کو دے دی۔

جب میں دکان سے نکل رہا تھا تب میں نے کورا کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پایا۔ پھر میں ایلن کے ساتھ اس کے خیمے کی طرف چل پڑا۔ ہم دونوں کے

درمیان رسمی باتیں ہوتی رہیں۔ وہ مجھ سے لگ کر چل رہی تھی۔ جی میں کئی بار آیا کہ اسے دبوچ لوں لیکن کسی خیال سے چپ رہا۔ میری جرات اور پیش قدمی کو وہ شاید پسند نہیں کرتی۔

اس نے خیمے کے پاس پہنچ کر کہا۔ "تم باہر ٹھہرو۔ میں شراب اور گلاس لے کر آتی ہوں۔ ہم جھیل پر چل کر شراب پیتے ہیں۔"

ایلن ایک باسکٹ میں گلاس، مونگ پھلی اور کاجو کے دو مہر بند ڈبے اور سوڈے اور شراب کی بوتلیں رکھ کر لے آئی پھر ہم دونوں جھیل پر پہنچے۔ وہاں ایک صاف ستھری جگہ پر بیٹھ گئے۔ اس نے باسکٹ ایک طرف رکھ دی۔ یہاں کا ماحول بڑا خواب ناک تھا۔ ہوا میں رومان بھرا ہوا تھا۔ چاروں طرف چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ یہاں ایک گہرا سناٹا اور ابدی سکون چھایا ہوا تھا۔

ایلن نے ایک پیگ بنا کر میری طرف بڑھایا۔ میرے لئے شراب نئی نہیں تھی۔ میں شراب پیتا تھا۔ کئی بار پی چکا تھا لیکن بہت کم...... تاراچند کی بھی ایک شراب کی دکان میں نقب لگا کر ولایتی شراب کی دو ایک بوتلیں چوری کر کے لے آتا تھا۔ میں شراب نوشی کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن کبھی کبھی چکھ لینے میں مضائقہ نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن میرے تینوں ساتھی اس کے بہت عادی تھے۔

شراب پیتے ہی میرے دل و دماغ پر نشہ سا چھانے لگا۔ ایلن کی موجودگی بھی میرے لئے شراب کے نشے سے کم نہیں تھی۔ ہوا میں خنکی تھی لیکن ایک پیگ اور ایلن کے قرب نے خنکی کو دور کر دیا تھا۔ میرے جسم میں جیسے آگ دوڑ رہی تھی۔ میں نے ارادہ کیا ہی تھا کہ ایلن کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کر لوں اور دبوچ لوں۔ مجھے آہٹیں سنائی دیں۔ ہم دونوں نے پلٹ کر دیکھا جینی، اسمتھ اور رچرڈ ہماری طرف آ رہے تھے۔ اسمتھ نے جینی کی کمر میں ہاتھ ڈالا ہوا تھا۔

ان تینوں کو دیکھ کر نفرت اور غصے سے میرا برا حال ہو گیا۔ ان کے آنے کی توقع نہیں تھی۔ ان تینوں نے میرا خواب چکنا چور کر دیا تھا اور کرچیاں میرے سینے میں چبھ گئیں

تھیں۔ رچرڈ نے بیٹھتے ہی ایلن کو اپنے بازوؤں میں بھرلیا۔ میرے سامنے وہ اس کے ہونٹوں میں اپنے ہونٹ پیوست کرنے لگا تو میں نیند کا بہانہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا پھر وہاں سے چل دیا۔

ایلن نے تو مجھے بتایا تھا کہ وہ تینوں گہری نیند سو رہے ہیں۔ ایلن جس وقت خیمے میں سے گلاس اور شراب کی بوتل لانے گئی تھی تب میں نے خیمے میں جھانک کر دیکھا تھا۔ جینی بستر پر اسمتھ کے ساتھ سو رہی تھی۔ رچرڈ اکیلا سو رہا تھا۔ چاندنی جو خیمے میں پڑ رہی تھی اس کی روشنی میں میں نے ان تینوں کو محو خواب دیکھا تھا۔ ان کا بیدار ہو جانا میرے لئے تعجب خیز تھا۔ ایلن کو بھی ان کی آمد ناگوار لگی تھی۔ وہ یہ حسین رات میرے ساتھ گزارنے کے لئے بے چین سی تھی۔ وہ کباب میں ہڈی بن گئے تھے۔

میں پیچ و تاب کھاتا ہوا اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا۔ ایک حسین لڑکی میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ میری حسرت اور خواہش دل میں رہ گئی تھی۔ میں چلتے چلتے ٹھٹک کے رک گیا۔ مجھے ایسا لگا جیسے کوئی ناگن درخت کے نیچے کھڑی ہے۔ میرے حلق میں دل اچھل کر دھڑکنے لگا۔ پل بھر کے لئے میری آنکھیں دھندلا سی گئیں۔ جب دھند چھٹی تو میں نے دیکھا کہ کوئی عورت میری نظروں کے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ ایسی حسین عورت تھی کہ میں اسے دیکھتا رہ گیا پھر وہ عورت یک لخت میری نظروں کے سامنے سے غائب ہوگئی۔ میں نے اسے اپنا واہمہ اور نشے کا اثر سمجھا۔ درخت کے نیچے پہلے ناگن کا دکھائی دینا، پھر اس کا یک لخت حسین عورت کا روپ دھار لینا پھر چند لمحوں کے بعد نظروں کے سامنے سے غائب ہو جانا واہمہ ہی تھا۔

جب میں خیمے پر پہنچا تو میرے ساتھی سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی سونے کے لئے بستر پر دراز ہوگیا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ سہ پہر میں نے جو کچھ دیکھا تھا وہ مناظر میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ پھر میری آنکھ لگ گئی۔ دوسرے دن صبح ناشتا کرتے ہوئے میرے ساتھیوں نے بتایا کہ وہ تین دن کے لئے ایک گاؤں میں جا رہے ہیں۔ وہاں نرنجن کے ایک رشتہ دار رہتے ہیں۔ نرنجن نے

پوچھا کیا تم ہمارے ساتھ چلنا پسند کرو گے؟“

”نہیں۔“ میں نے سر ہلایا۔ ”مجھے یہ جگہ بہت پسند آئی ہے۔ میں ابھی لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔ میرا دل بھرا نہیں ہے۔“

”کیا تم یہاں اکیلے بور نہیں ہو جاؤ گے؟“ نرنجن نے کہا۔ ”ہمارے ساتھ چلو تو اور تفریح ہو جائے گی۔ بہت مزا آئے گا۔“

”نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔ ”ایک تو غیر ملکی سیاح یہاں موجود ہیں وہ یہاں دو تین دن ٹھہریں گے ان کی کمپنی مل جائے گی۔“

انہوں نے میرے لئے ایک چھوٹا خیمہ نصب کر دیا۔ پھر یہ قافلہ ٹٹو اور قلیوں کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ میں نے انہیں الوداع کیا وہ لوگ ایک دوربین بھول گئے تھے۔ ان کے پاس دو ایک دوربینیں اور بھی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد میں بہت دیر تک سوتا رہا۔ جب میں بیدار ہوا تو دوپہر ڈھل رہی تھی۔ پھر میں کپڑے بدل کر ایلن کے خیمے کی طرف روانہ ہوگیا۔

میں نے تھوڑی سی مسافت طے کی تھی کہ میرے پیر سے کوئی سخت چیز ٹکرائی۔ میں نے جھک کر دیکھا وہ ایک ریوالور تھا۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا اور اٹھالیا۔ یہ کہاں سے آیا؟ خیال آیا کہ کہیں ایلن یا اس کے کسی ساتھی کا تو نہیں ہے؟ آمدورفت کے دوران گر گیا ہو۔ ان لوگوں نے اسے اپنی حفاظت کی غرض سے رکھا ہوگا۔ میں نے اس کا چیمبر دیکھا اس میں گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ کل چھ عدد گولیاں تھیں۔

میں نے اسے جیب میں رکھ لیا تاکہ ایلن اور اس کے ساتھیوں سے معلوم کر کے ان کا ہوا تو انہیں دے دوں۔ جب میں نے خیمے میں جا کر جھانکا تو دیکھا کہ اس میں کوئی موجود نہیں ہے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ چاروں جھیل پر پھر نہانے مستی کرنے گئے ہوئے ہیں۔ میں تیزی سے اس جانب لپک گیا۔ پھر اس پہاڑی کے عقب میں کھڑا ہوگیا جہاں سے میں ان کی سرمستیوں کو دیکھ سکتا تھا لیکن وہ مجھے دیکھ نہیں سکتے تھے۔

میں نے جو منظر دیکھا اس نے مجھے بھونچکا کر دیا۔ مجھ پر جیسے کوئی بجلی آ گری اور

مجھ پر سکتہ سا چھا گیا۔ ان چاروں کے کپڑے چاروں طرف بے ترتیبی سے بکھرے پڑے ہوئے تھے۔ رچرڈ اور اسمتھ کی مشکیں کسی ہوئی تھیں اور انہیں ایک طرف ڈال دیا گیا تھا۔ ایلن اور جینی چار بدمعاشوں کے حصار میں تھیں اور ان پر غشی طاری تھی۔ ان کی ظاہری حالت بتا رہی تھی کہ ان پر بے جا تشدد کر کے ان کے ساتھ درندگی کی گئی ہے وہ دونوں لباس کے بنا تھیں درد اور تکلیف سے کراہ رہی تھیں۔ وہ بدمعاش شراب پی رہے تھے اور ان دونوں کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ان چاروں بدمعاشوں میں سے ایک کو دیکھ کر میں حیرت اور خوف سے اچھل پڑا۔ مجھے یقین نہیں آیا۔ وہ بھورے میاں تھا۔ بھورے میاں یہاں تک کیسے پہنچ گیا؟ میں نے سوچا کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ پھر خیال آیا کہ وہ روپ متی کی تلاش میں نہیں بلکہ شامو کی دولت کی تلاش میں ہے۔ اس کا خیال ہوگا کہ میں صرف روپ متی کو ہی نہیں بلکہ شامو کی لاکھوں کی دولت بھی لے اڑا ہوں۔ لیکن بھورے میاں کا ایک شکاری کتے کی طرح میری بو سونگھتے ہوئے آ جانا بڑے خوف اور اچنبھے کی بات تھی۔

ایلن اور جینی کے ساتھ اجتماعی درندگی کی گئی تھی۔ ابھی ان کا جی نہیں بھرا تھا، پیاس نہیں بجھی تھی۔ وہ درندوں کی طرح کھڑے بھوکی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ بھورے میاں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔ ''مدعو یار! صبر نہیں ہو رہا ہے۔ میں ان کے ہوش میں آنے کا انتظار نہیں کر سکتا...... بھگوان قسم...... کیا ہی لیس مال ہے...... سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا مال ہاتھ لگ جائے گا۔''

''کل بھی میں نے ان دونوں جوڑوں کو یہاں جانوروں کی سی حالت میں دیکھا تھا۔ میں چونکہ کل اکیلا تھا اس لئے واپس چلا گیا۔'' لالو بولا۔

''ان چاروں نے ہماری مشکل حل کر دی...... لیکن یہ لڑکیاں ہمارے ساتھ اس طرح پیش نہیں آئیں جس طرح ان کے ساتھ آ رہی تھیں؟''

''بھورے میاں! بات یہ ہے کہ یہ ان لڑکیوں کے پتی ہیں اور ہم غیر ہیں اس لئے وہ خوفزدہ ہو کر جھجک گئیں۔'' لالو نے کہا۔

''انہیں میرے ہاں لے چلو......'' یہ راہ راست پر آ جائیں گی اور پتر یموں اور پتنیوں کی طرح پیش آئیں گی؟'' تیسرے نے کہا۔

''لیکن ان دونوں پتیوں کا کیا کریں......؟'' چوتھے نے کہا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ پولیس میں جا کر رپورٹ کر دیں۔''

''مرض کو ختم کرنا ہو تو اس کا علاج کرنا ہوگا؟'' بھورے میاں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''مرض کا جڑ سے خاتمہ کیے بغیر چارہ نہیں۔''

بھورے میاں نے رچرڈ اور اسمتھ کی طرف دیکھا۔ وہ بے بس سے ان بدمعاشوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ ان کی آنکھوں سے خوف و دہشت جھانک رہی تھی۔ لالو نے پوچھا۔ ''مرض کا جڑ سے کس طرح خاتمہ کیا جائے گا......؟''

''پہاڑ پر لے جا کر ان کی مشکیں کھول دو پھر انہیں ہزاروں فٹ گہری کھائی میں دھکا دے دو۔'' بھورے میاں نے غضبناک لہجے میں کہا۔ ''پھر ہم ان سے اس وقت جی بہلاتے رہیں گے جب تک دل نہیں بھر جاتا۔ پھر انہیں بھی اس کھائی میں پھینک دیں گے تاکہ بچھڑے ہوئے مل جائیں۔''

''پھر شبھ کام میں دیر کس لئے......؟'' لالو نے استہزائی لہجے میں کہا۔ ''انہیں گھسیٹتے ہوئے لے چلو۔''

میں نے بھورے میاں اور لالو کو ایلن اور جینی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ چونکہ ہوش میں آ رہی تھیں اس لئے وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے رچرڈ اور اسمتھ کو اٹھانے کے لئے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ میں نے فوراً ہی ریوالور نکال لیا۔ مجھے اسلحہ کا استعمال آتا تھا اور میرا نشانہ خطا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے بھورے میاں کی کھوپڑی کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ گولی سنسناتی ہوئی گئی اور اس کی کھوپڑی میں سوراخ کرتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ لالو بھونچکا سا ہو گیا اور اس کے آدمی بھی...... بھورے میاں کے منہ سے چیخ بھی نہ نکل سکی۔ وہ خاک چاٹتے ہوئے بے جان ہو گیا پھر دوسری گولی لالو کے نذر

کردی لیکن یہ گولی اس کے سینے میں اتر گئی۔ لالو کے زمین بوس ہوتے ہی دونوں بدمعا
دہشت زدہ ہوکر مختلف سمتوں میں بھاگ نکلے۔ چونکہ وہ پہاڑی کے عقب میں چلے گ
تھے اس لئے میں انہیں نشانے کی زد میں لے نہیں سکا۔ لالو کا ساتھی تھا وہ اس کے سا
ادھر آیا تھا۔ میں نے بھورے میاں اور لالو میاں کو اس لئے قتل کردیا تھا کہ وہ میرے خو
کے پیاسے تھے۔ انہیں قتل کرنے کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔

میں کچھ دیر بعد پہاڑی کے عقب سے نکل کر ان کی لاشوں کے پاس آ
دونوں کی لاشیں خون میں لت پت ہورہی تھیں۔ ایلن اور جینی کو ہوش تو آ گیا تھا لیکن
میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت کرسکیں، اٹھ کر بیٹھ سکیں۔ میں
ریوالور جیب میں رکھ لیا پھر ان کے کپڑے اٹھا کر ان کے جسم ڈھانک دیئے پھر میں
رچرڈ اور اسمتھ کے پاس جاکر ان کی مشکیں کھول دیں۔

جس وقت وہ دونوں کپڑے پہن رہے تھے میں نے باسکٹ میں سے شراب
بوتل نکالی پہلے ایلن کے پاس جاکر اسے سہارا دے کر اٹھایا پھر اس کے منہ سے شراب
بوتل لگادی۔ جب اس نے دو تین گھونٹ لئے تب اسے لٹا دیا۔ پھر میں جینی کے پاس گ
اسے بھی سہارا دے کر اٹھایا۔ اسے بھی شراب پلانے کے بعد آہستگی سے زمین پر لٹا دیا
ان کے پاس کھڑا ہوگیا۔

وہ دونوں کپڑے پہن کر میرے پاس آئے۔ اسمتھ نے مجھ سے کہا دوس
تمہارا بہت بہت شکریہ...... تم نے ہم لوگوں کی جان بچا کر بہت بڑا احسان کیا ہے۔
آتے تو یہ ہمیں جان سے مار دیتے اور ان دونوں کو اٹھا کر لے جاتے اور نجانے کیا
کرتے......"

"سنو...... یہ وقت ان باتوں کا نہیں بلکہ ان بدمعاشوں کی لاشیں ٹھکانے لگ
کا ہے۔" میں نے کہا یہ کام ابھی اور اسی وقت ہونا چاہئے۔"

"ان لاشوں کو کیسے اور کس طرح اور کہاں ٹھکانے لگائیں؟" اسمتھ نے
ادھر دیکھتے ہوئے حیرانی سے کہا۔

"قریب میں ہزاروں فٹ گہری کھائی ہے۔" میں نے اسے اشارے سے
بتایا۔ اور ہاں اس واقعے کا کسی سے بھی ذکر نہ کیا جائے۔"

پھر ہم تینوں نے مل کر ان دونوں کی لاشیں قریب میں جو کھائی تھی اس میں
پھینک دیں، پھر وہ مٹی بھی جو خون سے رنگ گئی تھی اتنی دیر میں ایلن اور جینی کی حالت بھی
قدرے سنبھل گئی تھی پھر ہم نے ان دونوں کو سہارا دے کر خیمے میں لائے اور بستر پر لٹا دیا۔

پھر ایلن نے رو رو کر ان کی بربریت اور درندگی کی رام کہانی سنائی جو بڑی ہی
لرزہ خیز تھی۔ ان بدمعاشوں نے ان دونوں لڑکیوں کے ساتھ حیوانیت کا جو سلوک کیا تھا وہ
قابل معافی نہیں تھا۔ وہ موت کی سزا کے مستحق تھے مجھے اس بات کا بہت افسوس ہو رہا تھا
کہ وہ دونوں بدمعاش زندہ کیوں بچ گئے؟ میں ان کی شکلیں کبھی بھول نہیں سکتا تھا۔ انہیں
موت کے منہ میں پہنچانا بہت ضروری تھا۔

رات انہوں نے مجھے روک لیا۔ ایلن اور جینی بہت ہی زیادہ دہشت زدہ تھیں۔
رات تک ان کی حالت بہت سنبھل چکی تھی۔ انہوں نے صبح روانگی کا فیصلہ کرلیا۔ صبح ناشتے
کے بعد وہ واپس چلے گئے۔ رخصتی سے قبل ایلن اور جینی نے بڑی گرم جوشی سے میرا بوسہ
لیا۔ ان کے جانے کا مجھے بہت افسوس ہوا۔ بہت دکھ ہوا۔ اگر یہ دردناک واقعہ رونما نہ ہوتا
تو وہ چاروں تین چار دن اور رکتے۔ اس واقعے کے رونما ہونے میں ان کا اپنا قصور تھا۔
انہوں نے جھیل پر رنگ رلیاں منا کر بدمعاشوں کو موقع فراہم کیا تھا۔

میں نے صبح ہی دکان کے مالک یشونت سنگھ سے کہہ دیا تھا کہ وہ دوپہر کا کھانا
میرے خیمے میں بھیج دے۔ میرا خیال تھا کہ کورا کا پتی کھانے لے کر آئے گا۔ لیکن کورا
کھانے لے کر آئی۔ اس وقت میں بستر پر دراز تھا اور میری آنکھ لگ گئی تھی۔ کورا نے مجھے
جگایا۔

یہاں کورا ایک عورت تھی لیکن وہ شادی شدہ تھی۔ میں کسی شادی شدہ عورت کو
آلودہ کرنے کا قائل نہیں تھا۔ جب اس نے کھانے کی ٹرے چٹائی پر رکھ دی تو میں نے اس
سے کہا "کورا! میں تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تمہارے پاس کچھ وقت

ہے؟''
''میرے پاس وقت ہی وقت ہے۔'' اس نے مجھے مخمور نگاہوں سے دیکھا۔
میں رات بارہ بجے کے بعد آسکتی ہوں اور صبح تک رک سکتی ہوں۔''
''نہیں کورا..... میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔'' میں نے اس
بات کی تہہ میں پہنچ کر کہا۔ تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو.....''
''آپ کو ایک عورت کی ضرورت ہے جو رات گزار سکے۔'' کورا کہنے لگی۔ کل
رات آپ اور ایلن جھیل کے کنارے گئے تھے تاکہ رات اس کے ساتھ گزار سکیں لیکن آپ
کی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔ اس کے ساتھی بیدار ہوکر جھیل پر آ گئے۔''
میں اس کی بات سن کر ششدر ہوگیا۔ میں نے تحیر زدہ لہجے میں دریافت کیا
بات تمہیں کس نے بتائی.....؟''
''کسی نے نہیں .....'' اس کے رس بھرے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی
دراصل میں نے ان تینوں کو جگایا تھا.....؟''
''کیا کہا..... تم نے ان تینوں کو جگایا تھا.....؟'' میں نے اسے یقین نہ آ
والی نظروں سے گھورا۔'' وہ کیوں.....؟ وہ کس لئے.....؟''
''اس لئے کہ آپ اس عورت کے ساتھ رات گزارنا چاہتے تھے یہ بات میر
لئے ناقابل برداشت اور توہین آمیز تھی۔''
''وہ کس لئے.....؟'' میری حیرت شدید ہوگئی۔'' اس میں تمہاری توہین
تذلیل کا کون سا پہلو تھا.....''
''اس لئے کہ آپ نے اس عورت کو مجھ پر ترجیح دی..... میری نگاہوں کی زبا
نے آپ سے بہت کچھ کہا تھا لیکن آپ نے مجھے نظر انداز کردیا۔ میں آپ کی محبت
قرب کی بھوکی تھی۔ لیکن آپ اس گوری چمڑی کی عورت پر مرمٹے۔ کیا میں گوری عور
نہیں ہوں۔''
''کورا..... اصل بات یہ ہے کہ تم ایک شادی شدہ عورت ہو۔ میں شادی ش

عورتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا ہوں۔''
''عورت، عورت ہوتی ہے..... وہ چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ.....'' وہ
تلخی سے کہنے لگی۔'' شادی کے دو برس کے بعد سے میرا شوہر میرے لئے سراب بن گیا
ہے۔ آپ کیا جانیں میں کس آگ میں جل رہی ہوں۔ وہ مجھے یہاں اس لئے لے آیا کہ
میں کسی مرد کی طرف ملتفت نہ ہوسکوں۔ اس کی جھولی میں پکے پھل کی طرح گر نہ جاؤں۔
کیا تمہیں میرے جذبات اور احساسات کا احساس نہیں ہو رہا ہے۔''
''کورا.....'' میں سنجیدگی سے کہنے لگا۔'' تم اتنا تو کرسکتی ہو کہ اپنے شوہر سے
علیحدگی حاصل کرلو۔ پھر کسی مرد سے شادی کرلو۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ تم یہاں
سے چلی جاؤ۔ تم بہت حسین اور پرکشش ہو۔ تمہیں کوئی نہ کوئی جیون ساتھی بنا لے گا۔''
''وہ کبھی بھولے سے بھی مجھے نہیں چھوڑے گا۔ میں اس کے لئے آج بھی ایک
کھلونا ہوں۔ وہ بڑا ظالم اور بے رحم شخص ہے وہ میرے جذبات سے کھیلتا رہتا ہے۔ میرے
تڑپنے اور جلنے سے بہت محظوظ ہوتا ہے۔ اب میرے نزدیک اس سے نجات پانے کی دو
صورتیں ہیں۔''
اس کا لہجہ بے حد سرد ناک تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے
پوچھا۔'' وہ دو صورتیں کیا ہیں؟''
''پہلی صورت تو یہ ہے کہ میں کسی مرد کے ساتھ بھاگ جاؤں..... میں اکیلی
بھاگ کر نہیں جاسکتی اس لئے کہ میں جوان اور خوبصورت عورت ہوں۔ بھیڑیے مجھ جیسی
عورت کی تلاش میں تاک میں رہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ میں خود سے بیوہ ہو
جاؤں۔''
''دوسری صورت زیادہ مناسب ہے لیکن اس کے لئے خون سے ہاتھ رنگنا ٹھیک
نہیں ہے۔ اسے طبعی موت مرنے دو۔'' میں نے کہا۔
''اچھا آپ یہ بتائیں کہ مجھ سے کیا معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔'' اس
نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تم اس وقت جاؤ۔ کیوں کہ کھانا ٹھنڈا ہورہا ہے۔ جب برتن لینے آؤ گی تب تم سے معلوم کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

جب وہ ایک گھنٹے کے بعد برتن لینے واپس آئی تو میں نے اس سے کہا۔ "کل رات جب میں جھیل سے اپنے خیمے کی طرف جارہا تھا میں برگد کے بوڑھے درخت کے سامنے رک گیا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ چاندنی رات تھی۔ میں نے اس کی روشنی میں ایک خوبصورت سی ناگن دیکھی۔ چند لمحوں کے بعد یک لخت اس نے ایک بہت ہی حسین عورت کا روپ دھارلیا۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی حسین عورت نہیں دیکھی۔ وہ بھی یک لخت غائب ہوگئی۔ میں نے تو پہلے یہ سوچا کہ میرا واہمہ یا شراب کا نشہ تھا......؟"

"میں نے اور کئی ایک سیاحوں نے اس حسین ناگن کو دیکھا ہے جو حسین عورت کے روپ میں دکھائی دیتی ہے۔" کورا نے کہا۔ "میرا اور یہاں کے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کسی عورت کی روح ہے جو کبھی کبھی بھٹک کر ادھر آ جاتی ہے۔ اس کے متعلق بہت سارے واقعات زبان زد عام ہیں۔ لیکن اس میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ بہت ساری کہانیاں گھڑی گئی ہیں۔"

"کیا اس روح نے ناگن کے روپ میں آ کر کسی کو نقصان پہنچایا......؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں......" اس نے سر ہلایا۔ "یوں بھی یہ ناگن چاندنی راتوں میں جھیل کے اطراف دیکھی گئی ہے۔ اتنا بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے۔" اس نے برتن لے جاتے وقت مجھ سے کہا۔ میں رات بارہ کے بعد آؤں گی...... تم میرا انتظار کرنا......"

اتنا کہہ کر وہ برق رفتاری سے نکل کر چلی گئی۔ میں اسے آواز دیتا رہ گیا۔ میری بات سننے کے لئے رکی نہیں...... میں نے اپنا سر پکڑ لیا۔ میں ایک عجیب کشمکش اور الجھن میں گرفتار ہوگیا کہ اس سے اپنی جان چھڑاؤں کیسے۔ اس سے کیسے بچا جاسکتا ہے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ غیر شادی شدہ ہوتی تو کوئی حرج نہیں تھا۔ میں سوچتے

سوچتے تنگ آ گیا۔ پھر میں نے سوچا کہ وہ رات آئی تو میں اسے سمجھا بجھا کر واپس بھیج دوں گا۔ پھر تھوڑی دیر بعد خیمہ سے نکل آیا اور سیر کے لئے چل پڑا۔

میں ایک پہاڑ پر چڑھنے لگا تاکہ وہاں سے چاروں سمتوں کی جانب دیکھوں اور قدرت کے حسین نظاروں سے محظوظ ہوسکوں۔ اس کی چوٹی زیادہ بلند نہیں تھی۔ میں اس پر چڑھنے لگا تھا کہ ایک گولی سنسناتی ہوئی میرے سر پر سے گزر گئی۔ میں حیرت اور خوف سے اچھل پڑا۔ میں نے اس سمت دیکھا جدھر سے گولی آئی تھی سامنے والی پہاڑی کے عقب میں میں نے دو چہرے دیکھے۔ ان چہروں پر سفاکانہ چمک تھی اور ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ میں نے انہیں پہچان لیا۔ یہ چہرے وہی تھے جنہوں نے ایلن اور جینی کے ساتھ درندگی کی تھی۔ لالو اور بھورے میاں کے ساتھی...... وہ مجھ سے اپنے ساتھیوں کی موت کا انتقام لینا چاہتے تھے۔

میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ یہ بدمعاش مجھ سے انتقام لیں گے۔ میرا خیال یہ تھا کہ ایلن اور جینی کی بے حرمتی کرنے کے بعد اس خوف سے بھاگ گئے ہوں گے کہ انہیں پولیس گرفتار نہ کرلے۔ کیونکہ انہوں نے غیر ملکی عورتوں کی عزت لوٹی تھی۔ انہوں نے شاید ایلن اور جینی کو اپنے ساتھی مردوں کے ساتھ جاتے دیکھ لیا تھا اور پھر انہیں اس بات کا بھی علم ہوگیا تھا کہ میں یہاں اکیلا ہوں۔ وہ میرے تعاقب میں سائے کی طرح لگ گئے اور پھر انہوں نے مجھے یہاں آ لیا تھا۔

میں ریوالور ساتھ نہیں لایا تھا اور نہ ہی میں نے سوچا تھا کہ اس کی ضرورت پڑے گی۔ اگر مجھے اس بات کا ذرا برابر بھی شک وشبہ ہوتا کہ دشمن میری گھات میں ہے تو میں ریوالور لے کر نکلتا۔ اب افسوس کرنے اور پچھتاوے کے بجائے اپنی جان بچانے کی فکر کرنا تھی۔ میں ابھی سنبھلا اور اپنے حواس پر قابو نہیں پایا تھا کہ دوسری گولی میرے کان کے پاس سے گزر گئی۔ میں فوراً ہی زمین پر لیٹ گیا۔ لیٹنے کے باعث میں ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا تھا پھر میں لڑھکتا ہوا نشیب میں آیا اور اٹھ کر بھاگا پھر تیسرا فائر ہوا۔ میں نے اپنے بائیں بازو میں ایسا محسوس کیا جیسے کوئی انگارہ دہک اٹھا ہو۔ گولی میرے بازو میں

دھنس گئی تھی اور میرا بازو خون میں لت پت ہونے لگا۔ میں نے اس کی پروا نہیں کی۔ بگٹٹ بھاگا۔ جھاڑیوں اور ٹیکروں کی وجہ سے میں ان کی نظروں سے اوجھل ہی رہا اس لئے ان کی طرف سے کوئی فائر نہیں ہوا۔ میں بھاگتا ہوا ایک پہاڑی کی اوٹ میں چلا گیا۔ مجھے جھاڑیوں کی درز میں سے غار نظر آیا تو میں نے پل بھر کی بھی دیر نہیں کی۔ اس غار میں داخل ہوگیا۔ یہ غار اتنا بڑا تھا کہ اس میں تین چار آسانی سے لیٹ اور بیٹھ سکتے تھے۔ میں جیسے ہی غار میں داخل ہوا مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔ میں بے ہوش ہوگیا۔ معلوم نہیں میں کتنی دیر تک بے ہوش رہا۔ جب مجھے ہوش آیا تو پتا چلا کہ رات ہو چکی ہے۔ غار میں ملگجی روشنی جو تھی وہ چاندنی کی تھی۔ غار کے باہر چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ میرے زخم میں درد کی لہر اٹھی تو میرے منہ سے کراہ نکل گئی۔ اس میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں جو نا قابل برداشت تھیں۔ گولی میرے بازو میں پیوست تھی۔ آستین خون سے تر ہوگئی تھی۔ اب خون بہہ نہیں رہا تھا لیکن درد اور تکلیف سے میں تڑپ رہا تھا۔

کچھ اندازہ نہیں تھا کہ رات کے کتنے بجے ہیں۔ میں نے دستی گھڑی میں وقت دیکھنے کی کوشش کی لیکن وقت دیکھ نہیں سکا۔ اندھیرے کی وجہ سے سوئیاں کہاں ہیں معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں؟ کیا میں اپنے خیمے پر چلا جاؤں؟ لیکن رات کا وقت تھا مجھے راستے کا کچھ پتا نہیں تھا۔ اس سمت کا اندازہ بھی نہیں ہو سکتا تھا اور پھر زخم میں جو ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اس کی وجہ سے میں چلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ مجھے صبح کا انتظار کرنا تھا۔ ایسا لگا جیسے صبح صدیوں کے کرب ناک اذیت ناک انتظار کے بعد آئے گی۔

پھر میرے نتھنوں نے ایک سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک محسوس کی۔ یہ مہک غار کے ماحول میں پھیلتی چلی گئی۔ یہ سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک کسی پھول، عطر یا کسی اور چیز کی نہیں تھی۔ ایک عورت کی تھی۔ اس کے گداز جسم کی خوشبو...... مجھے یک لخت خیال آیا۔ کہیں کورا تو میری تلاش میں نہیں آئی ہے......؟ لیکن خوشبو کورا کے پر شباب گداز جسم کی ہرگز نہیں تھی۔ جس وقت وہ کھانا دینے اور برتن لے جانے دوپہر کے وقت خیمے میں آئی

تھی میں نے اس کے جسم سے پھوٹتی خوشبو سونگھی تھی۔ وہ میرے بہت قریب کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن عورت کے جسم کی ایسی انوکھی، لطیف اور اچھوتی خوشبو کبھی کسی عورت میں محسوس نہیں کی۔ اس خوشبو کی مہک میرے دل و دماغ پر چھا گئی تھی۔ کسی پرانی شراب کے نشے کی طرح...... میں مدہوش سا ہونے لگا۔ اس خوشبو کی مہک نے میرے درد کے احساس کو جیسے مٹا دیا۔

میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ مجھے کوئی دکھائی نہیں دیا۔ میں دل میں حیران تھا کہ یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے؟ اگر یہ عورت کے گداز جسم کی نہیں ہے تو پھر کس کی ہے...... لیکن یہ عورت کی ہی خوشبو تھی۔ عورت کے سوا کسی اور چیز کی خوشبو نہیں تھی نہ ہو سکتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ میرے قریب آتش فشاں دہک رہا ہے اور میں اس کے دہانے پر بیٹھا ہوا ہوں۔ اس کی تپش مجھے جھلسائے دے رہی تھی۔ میں چکرا سا گیا کہ یہ کیا اسرار ہے......؟ اس تپش نے میرے جسم میں ایک میٹھی سی حرارت دوڑا دی تھی۔

میں نے ایسا محسوس کیا کہ نادیدہ ہستی میرے قریب ہے۔ کوئی روح ہے؟ ایک عورت کی روح ہے یہ خیال آتے ہی میری رگوں میں لہو منجمد ہوگیا۔ ایک سرد لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں اتر کر سارے جسم میں پھیل گئی۔ ایک انجانے خوف نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''کون ہے......؟ کون ہو تم......؟'' میں نے اپنے حواس مجتمع کر کے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ لیکن میری آواز مردہ سی تھی۔

''میں تمہاری مدد کے لئے آئی ہوں۔'' نسوانی آواز غار میں کسی مدھر گیت کی طرح پھیل گئی۔ ''میں ایک روح ہوں۔ ایک عورت کی روح......''

''تم میری مدد کرنے آئی ہو......؟'' میں نے اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''تم سچ کہہ رہی ہو؟ لیکن تم میری مدد کس لئے کرنا چاہتی ہو؟''

"اس لئے کہ تم نے دو عورتوں کو درندوں کے ہاتھوں سے بچایا۔" وہ رسیلی آواز میں کہنے لگی۔ "یہ درندے ان دونوں عورتوں کو جبر و زیادتی سے ہوس کا نشانہ بنا چکے تھے۔ تمہیں پہنچنے میں دیر ہوگئی تھی۔ تم پہنچتے نہیں تو وہ بربریت اور درندگی سے عورتوں کو موت کی نیند سلا دیتے۔"

"میں نے ان چار درندوں میں سے دو کو موت کی نیند سلا دیا...... لیکن ان کے ساتھی میری زندگی کے دشمن بن گئے...... انہوں نے مجھے موت کی نیند سلانے کی کوشش کی۔ انہوں نے مجھے شدید زخمی کر دیا۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں موت کے قریب ہوتا جا رہا ہوں۔"

"تم کسی بات کی چنتا نہ کرو۔" اس نے مجھے دلاسا دیا۔ "میں تمہارے بازو میں سے گولی نکال کر پھینک دوں گی۔ تمہارا زخم مندمل ہو جائے گا۔"

"لیکن تم تو روح ہو یہ کیسے کر سکتی ہو......؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "یہ کام تو سرجن کا ہے۔ تم تو نظر بھی نہیں آ رہی ہو؟"

"روح کیا کچھ نہیں کر سکتی؟" اس کے لہجے میں ہلکی سی شوخی تھی۔ "میں جو کام کر سکتی ہوں وہ سرجن بھی نہیں کر سکتا......؟ کیا نظر آنا ضروری ہے؟"

"اگر تم کچھ کر سکتی ہو جلدی سے میرے درد کی دوا کر دو۔" میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ "میرے زخم میں ٹیسیں اٹھ رہی ہیں۔"

"چند منٹ صبر کرو۔" وہ بولی۔ "تم کوشش کر کے اٹھ بیٹھو...... میں ابھی تمہارے درد کی دوا کئے دیتی ہوں۔"

میں نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی تو زخم میں درد کی ایسی لہر اٹھی کہ اس نے میرے وجود کو جیسے ہلا کر رکھ دیا۔ میں کسی نہ کسی طرح اٹھ بیٹھا دوسرے لمحے میری نظروں کے سامنے دودھ سے بھرا ایک گلاس معلق تھا۔ بس نادیدہ آواز نے کہا لو اسے پی لو......"

میں نے گلاس لیتے وقت غیر محسوس انداز سے اس نادیدہ ہاتھ کو چھونے کی کوشش

کی لیکن میرے ہاتھ نے کوئی لمس اور وجود محسوس نہیں کیا۔ صرف گلاس تھا۔ اسے کسی نے تھاما نہیں رکھا تھا۔ میرے لئے یہ حیرت کی بات تھی۔ تاہم میں نے گلاس منہ سے لگا لیا۔ جانے یہ دودھ کس کا تھا اس کا ذائقہ گائے، بھینس اور بکری کے دودھ کی طرح نہ تھا لیکن تھا بہت مزے دار اور ذائقہ دار...... ایسا لگ رہا تھا جیسے اس میں بہت سارے میوہ جات کی آمیزش ہو۔ جیسے اس میں امرت پانی میں ملا ہوا ہو۔ اس میں ایک عجیب سی سوندھی مہک بھی تھی۔ میں نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ کیونکہ میرا حلق سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔ سخت پیاس لگ رہی تھی۔ اس دودھ کے پیتے ہی میرے سارے جسم میں نہ صرف توانائی اور جان سی لوٹ آئی بلکہ میں اپنے اندر بے پناہ قوت محسوس کرنے لگا۔

جب میں نے خالی گلاس زمین پر رکھ دیا تو اس نادیدہ رسیلی آواز نے پوچھا "دودھ کیسا تھا؟" اچھا لگا؟ تم نے افاقہ محسوس کیا؟"

"بہت اچھا اور مزے دار تھا۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے کبھی ایسا شاندار دودھ نہیں پیا؟ اس نے میرے سارے بدن میں جان ڈال دی۔ اب میں اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ یہ دودھ کس کا تھا؟ کیا تم نے اس دودھ میں کچھ ملایا؟"

"یہ تو میں بعد میں بتاؤں گی......" اس کی آواز غار کی خاموش فضا میں کھنک گئی۔ "کیا تم اور دودھ پینا پسند کرو گے......؟"

"چلو...... بعد ہی میں بتا دینا......" میں نے کہا یہ اگر اور دودھ مل سکتا ہے تو ضرور پیوں گا......؟ میری پیاس ابھی بجھی نہیں۔"

پھر میں نے دیکھا کہ خالی گلاس آپ ہی آپ دودھ سے بھر کر چھلک گیا۔ پھر میں نے فوراً ہی گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ دوسرا گلاس دودھ پیتے ہی ایسا لگا کہ میرے جسم میں نیا خون پیدا ہو گیا ہے۔ خون بہہ جانے سے جو میرے جسم میں خون کی کمی محسوس ہو رہی تھی وہ اب نہیں رہی تھی۔ اس دودھ کی تاثیر نے مجھے جیسے ایک نیا جنم دیا تھا۔

میں نے دودھ پی کر جیسے ہی خالی گلاس زمین پر رکھا وہ ایک دم سے غائب ہوگیا۔

میں نے اپنی زندگی میں بدروحوں کے بارے میں پڑھا اور سنا تھا لیکن کبھی کسی بدروح سے واسطہ پڑا اور نہ ہی اسے دیکھا اور بات کی۔ بنگال میں نہ تو جادوگروں کی کمی تھی اور نہ ہی بدروحوں کی۔ کبھی میں نے سوچا نہیں تھا کہ ایک بدروح سے واسطہ پڑسکتا ہے۔ میں یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ نادیدہ ہستی کوئی بدروح ہے یا جادوگرنی...... بنگال میں جادوگرنیاں بہت تھیں۔ وہ ایسے مردوں کو مکھی یا جانور بنالیتی تھیں جن پر وہ عاشق ہو جاتی تھیں۔ جب ان کا دل پریم کی باتیں کرنے اور مہربان ہونے کو چاہتا وہ اسے انسان کے روپ میں لے آتی تھیں۔ جو کچھ بھی تھا اس نے مجھ پر احسان کیا تھا اور ایک نیا جنم دیا تھا۔ صرف اور صرف اس لئے کہ میں نے ایلن اور جینی کو مزید درندگی سے بچایا تھا۔

''اب تو بتادو کہ تم نے مجھے کس جانور کا دودھ پلایا......؟'' میں نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

''یہ دودھ ایک ایسی عورت کا تھا جس کا بچہ دنیا میں جنم لینے کے تین دن بعد موت کی نیند سوگیا۔'' اس نادیدہ ہستی نے جواب دیا۔ ''اس کی چھاتیاں دودھ سے خالی نہ ہوئیں تو زخم بن سکتا ہے۔ اس لئے اس عورت کا دودھ میں نے تمہیں پلا دیا۔ دنیا میں ماں کے دودھ سے بہتر اور قوت بخش دودھ کوئی نہیں ہوتا ہے۔ میں نے اس دودھ میں ایسی جڑی بوٹیوں کی آمیزش کردی جس سے نیا خون اور بھرپور نئی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تمہیں ایک نئی اور بھرپور جوانی بھی ملی ہے۔''

''تم نے مجھ پر جو دیا کی ہے میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا......؟ کاش میں اپنی محسن کو دیکھ سکتا؟'' میں نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

میں نے کوئی دیا نہیں کی...... مجھے اسی بات کا بہت دکھ رہے گا کہ میں ایلن اور جینی کو ان درندوں کے ہاتھوں سے بچا نہ سکی۔ کیوں کہ میں اس وقت یہاں سے بہت دور

تھی اور ایک بارہ برس کی لڑکی کو جو اس عمر میں ہی بلا کی حسین اور جوان تھی دس درندوں کے ہاتھوں سے بچانے گئی تھی۔ میں جب اسے بچا کر لوٹی تو یہاں اور ہی کہانی ہوچکی تھی۔ ان درندوں کی پیاس نہیں بجھی تھی وہ پھر سے اسے لے جا کر درندگی کرنا چاہتے تھے۔ تم وہاں پہنچ گئے...... تم نے بھورے میاں اور لالو کو موت کے گھاٹ اتار دیا...... بھورے میاں، لالو کو اپنے ساتھ لے کر تمہارے تعاقب اور تلاش میں آیا تھا۔ اسے روپ متی کی نہیں شامو کی دولت کی ضرورت تھی۔ اس کا اور شامو کا خیال یہ تھا کہ تم نے روپ متی سے پریم کیا۔ روپ متی کی مدد سے تم اس کی ساری دولت لے اڑے ہو۔ بھورے میاں نے جب یہ سنا کہ تم نے ساری دولت پر ہاتھ صاف کردیا ہے تو اس کے منہ میں پانی آ گیا تھا۔ اس لئے وہ شکاری کتے کی طرح تمہاری بو سونگھتے ہوئے پہنچا۔

اس نے تمہیں ایک پارٹی کے ساتھ دیکھا تو اس کی ہمت نہیں ہوئی۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ تم سے تنہائی میں مل کر حساب بے باق کرے۔ اس روز تم جینی اور ایلن سے ملنے خیمے پر گئے۔ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو نہ پا کر جھیل کی طرف گئے۔ وہاں تم نے ان جوڑوں کو حیوانوں کی سی حالت میں دیکھا۔ انہوں نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ ادھر بھورے میاں جو تمہارے تعاقب میں تھا اس نے بھی ایک پہاڑی کے اوٹ سے دیکھا کہ دونوں جوڑے غلاظت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ پھر اس نے اور لالو دو مقامی بدمعاشوں کو ان لڑکیوں اور ان کی دولت کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ جب وہ چاروں پھر جشن منا رہے تھے تب بھورے میاں اور اس کے ساتھیوں نے اسلحے کے زور پر ان سے فائدہ اٹھایا۔ مردوں کی مشکیں کس دیں۔''

''میں نے جو کچھ کیا وہ انسانیت کے ناتے......'' میں نے کہا۔ ''آپ مجھے اپنے درشن نہیں کرائیں گی......؟''

''تم اس رات مجھے، درخت کے نیچے دو روپ میں دیکھ چکے ہو...... ایک ناگن کے اور دوسرا حسین عورت کے۔''

یک لخت مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔ میں بے ہوش ہوگیا تھا یا گہری نیند میں ڈوب چکا تھا۔ جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ دن نکل آیا ہے۔ کورا مجھ پر جھکی ہوئی میرا شانہ ہلا رہی ہے۔ میں اسے دیکھ کر بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ''تم......؟ یہاں......؟''

''ہاں میں......'' کورا نے سر ہلایا۔ ''آپ یہ بتائیں کیسے ہیں......؟'' اس کے چہرے پر فکرمندی چھائی ہوئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''مجھے کیا ہوا جو تم میری خیریت پوچھ رہی ہو......تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں۔''

''اس علاقے کے دو خطرناک بدمعاش جو قاتل ہیں اور غیر ملکی سیاح عورتیں جو غیر مردوں کے ساتھ آئی ہیں انہیں اغوا کر کے ان کی بے حرمتی کر کے ان کا مال لے کر بھاگ جاتے ہیں ان کے ساتھی مردوں کو مزاحمت کرنے پر قتل کرنے سے نہیں چوکتے ہیں وہ صبح دکان پر آ کر اس کے مالک یشونت سنگھ سے آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ جب وہ ناشتا کرنے میز پر بیٹھے تو انہوں نے مجھے دس روپے کا نوٹ دے کر آپ کے بارے میں بتایا انہیں آپ کی تلاش ہے۔ انہوں نے پہاڑیوں کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ کل سہ پہر انہوں نے آپ کو گولی مار کر زخمی کر دیا تھا۔ میں شاید کسی جگہ جا کر مر گیا ہوں۔ اگر میں بالفرض زندہ سلامت واپس آؤں تو انہیں خبر کر دوں۔ وہ مجھے پچاس روپے انعام بھی دیں گے۔ میں نے آپ کو زندہ سلامت اور زخمی نہیں دیکھا تو میری جان میں جان آ گئی۔''

''کیا کہا......؟ میں زخمی نہیں ہوا ہوں۔ کیا تمہیں میری آستین اور بازو خون میں......'' میں نے بائیں بازو کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ میرا بازو اور آستین خون میں لت پت تھی اور نہ میرے بازو میں کوئی زخم محسوس ہو رہا تھا۔

پھر یک لخت میرے ذہن میں رات کا واقعہ تازہ ہوگیا۔ ایک عورت کی روح مسیحا بن کر آئی تھی۔ کہیں وہ سپنا تو نہیں تھا؟ وہ سپنا نہیں تھا۔ ایک حقیقت تھا۔ اس روح

نے مجھے بالکل ٹھیک کر دیا تھا۔ نہ تو میرے بازو اور کپڑوں پر خون تھا نہ ہی میرے بازو میں کوئی زخم تھا۔ میں نے اس جگہ کو دبا کر اور آستین کو الٹ کر دیکھا جہاں گولی پیوست ہوئی تھی۔ اس کی کھال بالکل صحیح سلامت تھی۔

''اس بدمعاش نے کہا تھا کہ گولی آپ کے بازو میں پیوست ہوگئی تھی اور آپ گر پڑے اور لہولہان ہوگئے تھے؟'' وہ بولی۔

''یہ ان کا واہمہ تھا اور میں نے انہیں فریب دیا تھا جس سے وہ یہ سمجھے کہ میں زخمی ہوگیا ہوں۔'' میں نے کہا میں نے دانستہ اس مسیحا روح کا ذکر نہیں کیا۔ وہ شاید میری بات کا یقین نہیں کرتی۔ خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔

''میں رات کوئی دو تین مرتبہ آپ کے خیمے پر آئی تھی۔ کورا نے کہا۔'' آپ کو نہ پا کر مجھے بہت دکھ اور افسوس ہوا۔ میں یہ سمجھی تھی کہ آپ کہیں چھپ گئے ہیں اور آپ مجھے پسند نہیں کرتے ہیں۔ کیا میں اتنی بدصورت ہوں؟''

''میں کل دوپہر ڈھلنے کے بعد پہاڑوں کی سیر کرنے نکلا تو ان بدمعاشوں سے میری مڈبھیڑ ہوگئی تھی۔ وہ میری رقم، گھڑی چھین کر مجھے ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ میں انہیں دھکا دے کر بھاگ نکلا۔ ایک بدمعاش نے مجھ پر فائرنگ کر دی۔ میں اس غار میں چھپ گیا۔''

اس نے میرے پاس آ کر میرے گلے میں اپنی مرمریں بانہیں حمائل کر دیں پھر وہ میری آنکھوں میں خودسپردگی سے جھانکتی ہوئی بولی۔

''میرا سپنا...... مجھے مل گیا ہے...... پردیسی! میرا دل نہ توڑو......دل توڑنا بہت بڑا پاپ ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو کورا......؟'' ایک بھونڈی سی آواز سنائی دی ہم دونوں تمہارا دل نہیں توڑیں گے......''

میں نے اور کورا نے بیک وقت اس آواز کی سمت دیکھا۔ وہ دونوں بدمعاش غار

کے دہانے پر کھڑے ہوئے استہزائی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر فاتحا چمک تھی۔ ایک بدمعاش کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ کورا تڑپ کر میرے بازوؤں سے نکل گئی۔

''اب تم اپنی جان کیسے بچاسکتے ہو.....؟'' ریوالور والے بدمعاش نے سفاک لہجے میں کہا۔

''تمہاری لاش کے لئے اس سے بہترین جگہ کوئی اور نہیں ہوسکتی.....؟ دوسرے بدمعاش کے لہجے میں تمسخر تھا۔

☆.....☆.....☆

''نہیں.....نہیں.....انہیں نہ مارو.....'' کورا میرے سامنے ڈھال بن کر کھڑی ہوگئی۔ وہ ہذیانی لہجے میں بولی تھی۔

''ایں..... وہ کس لئے.....؟'' ریوالور والے بدمعاش نے تمسخر اور مصنوعی حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''اس لئے کہ یہ ایک سیاح ہے۔ اس کی جان لینا بہت بری بات ہوگی۔'' کورا نے تیز لہجے میں جواب دیا۔

''یہ کیوں نہیں کہتی ہو کہ یہ تمہارا عاشق ہے اور تم یہاں اس غار میں اس کے ساتھ رنگ رلیاں منانا چاہتی ہو۔'' دوسرے بدمعاش نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا یہ ہم نے یہاں آ کر تمہارے ارمانوں کا خون کردیا۔ تمہارا دل توڑ دیا..... لیکن میری جان! ہم تمہارا دل ٹوٹنے نہیں دیں گے تمہارے ارمانوں کی پیاس بجھائیں گے..... وہ ایک ہے اور ہم دو ہیں۔ تم کیا یاد کروگی کہ زندگی میں کن سے پالا پڑا تھا۔''

''یہ عاشق نہیں ہے۔'' کورا نے تکرار کی یہ تم لوگوں کے کہنے پر میں اس کی تلاش میں آئی تھی۔ تم لوگوں نے اسے تلاش کرنے کے لئے نہیں کہا تھا؟''

''یہ عاشق نہیں تھا لیکن تم اس کی معشوقہ بن گئیں.....'' ریوالور والے بدمعاش نے کہا۔ ''تم پچاس روپے لو اور پھر ہماری خواہش بھی پوری کردو۔''

''کیا تم نے مجھے ویشیا سمجھ رکھا ہے؟'' کورا بھڑک اٹھی۔ وہ ترش روی سے بولی۔ ''تم لوگوں نے مجھے ہاتھ لگایا تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''میں ویشیا نہیں بلکہ ایک ستر برس کے بوڑھے کی بیوی ہوں۔

"نوجوان پٹنی ہو...... اب اس بوڑھے میں کیا رکھا ہے؟ وہ تو برف کا تودہ بن چکا
ہے۔ اب تو تمہیں ہم جیسے مردوں کی ضرورت ہے۔ ہمارے پیار میں جو محبت اور والہانہ
پن پاؤ گی وہ اس بڈھے میں کہاں...... یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ یہ سیاح ہے اور اس
کے گلے میں تم بانہیں ڈال سکتی ہو۔ اس کی جھولی میں پکے آم کی طرح گرنے کے لئے بے
تاب ہو۔ ہمیں دھمکیاں دے رہی ہو کہ ہاتھ لگایا تو اچھا نہ ہوگا۔ کیا اچھا نہیں ہوگا......؟ کیا
تم ہماری جان لے لو گی؟" دوسرا بدمعاش بڑے زور سے ہنسا۔

"میری مرضی میں کسی کے ساتھ کسی بھی طرح پیش آؤں...... تم لوگ کون ہوتے
ہو میرے ذاتی معاملے میں دخل دینے والے۔" کورا تنک کر بولی۔

"میں تین مہینے پہلے کی بات نہیں بھولا ہوں۔" ریوالور والا بدمعاش کہنے لگا۔
"میں نے تمہیں اس جھیل پر دبوچ لیا تو تم میرے بازوؤں کی گرفت سے نکل گئیں اور تم
نے پتھر اٹھا کر میرے سر پر دے مارا تھا۔ مجھے زخمی اور بے ہوش کر دیا تھا ورنہ تم اس روز بچ
کر جا نہیں سکتی تھیں۔"

"تم نے میرے ساتھ بدمعاشی کی تھی۔ میں جھیل میں نہا رہی تھی۔ تم میری
عزت کے دشمن بن گئے تھے اس لئے میں نے اپنی عزت بچائی تھی......"

"عزت......" ریوالور والا قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔ "تمہارے پاس کون
سی عزت ہے؟ تم تو ایک بے عزت عورت ہو۔"

"میں کہتی ہوں تم دونوں یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" کورا غضب ناک ہو کر بولی۔
"تم مجھے طعنہ نہ دو۔ ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو۔ تم دونوں اپنی جوان بہنوں کی
عزت کا سودا سیاحوں کے ہاتھوں کرتے ہو۔ ان کی جسم فروشی تمہاری آمدنی کا ذریعہ ہے۔
پہلے اپنی بہنوں کی عزت......"

"بکواس بند کر حرام زادی......" دوسرا بدمعاش تڑختے ہوئے لہجے میں بولا۔ پھر
اس نے ریوالور والے بدمعاش سے کہا "کیوں نہ ہم اس بدمعاش کو موت کی نیند سلا دیں۔
پھر اس کی عزت سے کھیلیں...... دیکھیں یہ اپنی عزت کس طرح بچاتی ہے؟ یہ غار تو بہت

اچھی جگہ ہے۔"

"اسے قتل نہیں کریں گے بلکہ ساتھ لے جائیں گے۔" ریوالر والا بدمعاش بولا۔
"لیکن اس کے سامنے اس کی محبوبہ سے اظہار محبت تو کر لیں۔"

"اسے کیوں اور کس لئے ساتھ لے جائیں گے......" دوسرے بدمعاش نے
اپنے ساتھی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اس لئے کہ اس کے پاس سے وہ مال نکالنا ہے جو اپنے ساتھ ڈاکہ مار کر لایا
ہوا ہے؟ تم بھول رہے ہو بھورے میاں اور لالو نے کیا کہا تھا؟ اس کے پاس لاکھوں کی رقم
ہے۔ اس نے یہاں لا کر کہیں چھپا دی ہے۔ دولت کی بازیابی اشد ضروری ہے۔" ریوالور
والا بولا۔

"یہ بات تو میری کھوپڑی سے نکل گئی تھی۔" دوسرے بدمعاش نے کہا۔ "یہ
دونوں اس لئے تو اتنی دور سے اس کا تعاقب کرتے ہوئے آئے تھے۔"

"سنو...... میرے پاس کوئی دولت نہیں ہے۔ شامو کی دولت میں نے نہیں
اڑائی۔ بھورے میاں نے تم سے جھوٹ بولا تھا۔" میں نے کہا۔

"کیا تم ہمیں بے وقوف سمجھتے ہو......؟" ریوالور والا غرایا۔ "تم شامو کی بہن اور
اس کی دولت لے کر بھاگے ہو......"

"تم حقیقت جاننا چاہتے ہو تو سنو......" میں نے کہا۔ "شامو کی بہن روپ متی
میری محبت میں گرفتار ہوگئی۔ اس کی مدد اور تعاون سے اس کے بھائی کی دولت پر میں نے
ڈاکہ مارا لیکن اس دولت کے پانچ حصے ہوئے۔ تین حصے میرے دوستوں کے...... دو حصے
میں ایک حصہ روپ متی کا...... دوسرا حصہ میرا...... میرا حصہ روپ متی کے پاس ہے۔ میں دو
تین ہزار کی رقم لے کر شامو سے جان بچانے ادھر آ گیا ہوں۔"

"اس موضوع پر تم سے بعد میں بات ہوگی......" دوسرے بدمعاش نے جیب
سے چاقو نکالتے ہوئے کہا۔ "پہلے ہم کورا سے نمٹ لیں۔"

"تم شرافت سے میرے پاس آ جاؤ......" ریوالور والے نے کرخت لہجے میں

کہا۔''ہم بہت شریف آدمی ہیں۔ لہٰذا تم بھی ایک شریف عورت بن جاؤ۔ ایک شریف عورت کی طرح پیش آؤ تاکہ ہمیں جبر وزیادتی نہ کرنا پڑے...... یہ بات اچھی طرح سوچ لو کہ تم ہم دونوں کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتی ہو۔ آج تک کوئی عورت ہمارے ہاتھوں سے بچ نہیں سکی۔ ایلن اور جینی بھی...... اس حرام زادے نے دوسرا راؤنڈ ہونے نہیں دیا اور نہ لے جانے دیا تھا...... اس نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا تھا۔ لیکن آج یہ کچھ نہیں کرسکتا ہے؟''

کورا اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس نے ہذیانی لہجے میں چیختے ہوئے کہا۔''میں آخری بار کہتی ہوں کہ میرے پاس نہ آؤ۔ مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ ہمیں جانے دو...... اگر تم دونوں نے میری بے حرمتی کی تو یشونت سنگھ تم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''یشونت سنگھ کا باپ بھی ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔'' ریوالور والے نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔''بڑی آرزو تھی کہ تمہارے ساتھ وقت گزارا جائے۔ تمہیں لباس کے بنا دیکھا جائے۔ تمہارے رس بھرے ہونٹوں کی مٹھاس اپنے ہونٹوں میں جذب کروں......''

دوسری طرف سے چاقو والا بدمعاش چاقو انگلیوں پر نچاتا ہوا ہمارے پاس آ کر رک گیا۔ اگر اس بدمعاش کے پاس ریوالور نہ ہوتا، صرف چاقو ہوتا تو میں نہتہ ہوتے ہوئے بھی اس میں سے کسی ایک بدمعاش پر جھپٹ کر اس سے چاقو چھین کر اسے نہتا کر کے قابو میں کر لیتا۔ میں چاقو والے پر جھپٹتا تو ریوالور والا میری کھوپڑی میں سوراخ کر دیتا۔ ریوالور والے سے اس کا ریوالور چھینتا تو چاقو والا میری پشت پر چاقو سے حملہ کر دیتا۔ میں بے بس سا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس وقت کوئی تدبیر میرے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔

چاقو والے بدمعاش نے کورا کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اسے وسط میں لے آیا۔ ریوالور والے نے ریوالور کی نالی میری گدی پر رکھ دی پھر وہ غرایا۔''میں جانتا ہوں تمہارا نشانہ بہت اچھا ہے...... تم نے بھورے میاں کی کھوپڑی میں سوراخ کیا اور لالو کے دل میں گولی اتار دی۔ بھورے میاں نے مجھے بتایا تھا کہ تم چار دوست اپنے شہر میں بڑے غنڈے

مانے جاتے تھے...... میں تم سے ان دونوں کا انتقام اس طرح لوں گا کہ پہلے تمہاری کھوپڑی میں سوراخ کروں گا...... پھر تمہارے دل میں...... کیا خیال ہے۔ لیکن تم رقم دے کر اپنی جان بچا سکتے ہو؟''

''اس وقت میری جیب میں جو رقم موجود ہے وہی میری پونجی ہے۔ تم یہ رقم لے لو اور ہم دونوں کو جانے دو......'' میں نے کہا۔

''پہلے ہم دونوں باری باری تمہارے سامنے سارے ارمان پورے کرلیں پھر تم سے بات کریں گے۔'' اس نے شقاوت سے کہا۔

چاقو والے بدمعاش نے کورا سے تحکمانہ لہجے میں بے لباس ہونے کے لئے کہا تو کورا نے نہ صرف اس کے منہ پر تھپڑ مارا بلکہ اس کے منہ پر تھوک بھی دیا جس سے وہ مشتعل ہو گیا۔ پھر اس نے کورا کو دبوچ کر اس کا لباس تار تار کر کے اتار پھینکا۔ کورا اس دوران نہ صرف مزاحمت کرتی رہی بلکہ اس کا منہ بھی نوچتی رہی۔ لیکن یہ سب کچھ بے سود رہا۔ کورا کے بدن پر ایک دھجی تک نہ رہی۔

چاقو والا بدمعاش کورا کو بے بس کر کے قابو میں کرنے کے لئے بڑھا۔ کورا نے اچانک اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اتنے زور سے پیچھے کی طرف دھکا دیا کہ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ زمین پر گر پڑا۔ کورا نے اس بات کی کوئی پروا نہیں کی کہ وہ کس حالت میں ہے وہ غار کے منہ کی طرف بھاگی۔ ریوالور والے بدمعاش نے اس کی راہ میں حائل ہو کر اس کے پیروں کے پاس ایک فائر جھونک دیا۔ کورا دہشت زدہ سی ہو کر ٹھٹک گئی۔

چاقو والا بدمعاش فوراً ہی سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ ریوالور والے نے ہنستے ہوئے کہا۔''میری جان! یہ چندن سا بدن دکھا کر ایسی بے رخی سے کیوں جا رہی ہو...... آج معلوم ہوا کہ گدڑی میں لال ہے...... کیا کشش کے خزانے نہیں لٹاؤ گی......؟''

کورا نے جواب نہیں دیا۔ اس کا چہرہ فق تھا۔ وہ سفید پڑتا چلا جا رہا تھا۔ وہ اپنے لباس کی دھجیاں اٹھانے کے لئے جھکی تاکہ اپنا بدن ڈھانپ لے۔ ریوالور والے نے پھر ایک فائر ان دھجیوں کے قریب کر دیا۔ وہ سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی۔ میں اس کی طرف بڑھتا

کہ اسے اپنے پیچھے چھپالوں۔ ریوالور والے بدمعاش نے میرے ارادے کو بھانپ لیا۔ وہ دہاڑا ''تم اپنی جگہ کھڑے رہو...... حسین نظارے کرنے دو...... تم بھی دیکھو...... بھگوان نے کیا عورت بنائی ہے...... کیسی مستی ابل رہی ہے۔ بجلیاں کوندرہی ہیں۔ کبھی تم نے کشمیری عورت کو اس حالت میں دیکھا......؟''

جانے کس کس نے تمہاری بہنوں کو دیکھا ہوگا......؟'' کورا نفرت اور غصے کی کیفیت سے بولی۔ ''تم نے بھی دیکھا ہوگا۔ سچ سچ بتاؤ درگا داس! تمہاری بہنوں کے بدن کیا مجھ سے بھی بہت حسین ہیں......؟'' کیا تم انہیں اس حالت میں دیکھ کر خوش ہوتے رہتے ہو......؟''

بڑی عجیب سی لیکن حیرت کی بات تھی کہ وہ درگا داس اور اس کے ساتھی کو مشتعل کیئے جا رہی تھی۔ درگا داس نے پستول اپنے ساتھی کی طرف بڑھایا اور لپک کر اس نے کورا کو دبوچ لیا۔ پھر اسے بے بس کر کے اس طرح قابو میں کرلیا کہ وہ اس کی گرفت سے نکل نہیں سکتی تھی۔ وہ من مانی کرنے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ حد سے تجاوز کرتا دو ناگنیں غار میں رینگتی ہوئی داخل ہوئیں اور پھن اٹھا کر کھڑی ہوگئیں۔ پھر وہ پھنکارنے لگیں۔

درگا داس کی نظریں ان پر نہیں پڑسکتی تھیں کیونکہ وہ کورا کو زیر کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس کے ساتھی نے دیکھ لیا۔ وہ چیخا۔ ''سانپ...... سانپ......'' پھر اس نے ان پر فائر کردیا۔ لیکن اس کا نشانہ خطا ہوگیا۔ گولی غار کی دیوار سے جا ٹکرائی۔

درگا داس نے سانپ اور گولی چلنے کی آوازیں جو سنیں تو اس نے کورا کو فوراً ہی چھوڑ دیا اور پلٹ کر دیکھا۔ ناگنوں کو دیکھتے ہی وہ بڑے زور سے اچھلا۔ اسی اثناء میں کورا دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ ان ناگنوں کو دیکھ کر خوفزدہ ہوگئی تھی اور دہشت سے اس کا جسم لرزنے لگا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان ناگنوں کو دیکھنے لگی۔ درگا داس ان ناگنوں کا نشانہ لے کر ان پر بے تحاشا فائر کرنے لگا۔ دونوں ناگنیں بڑے سکون سے اپنی جگہ کھڑی رہیں لیکن وہ اپنی غضب ناک آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ درگا داس اور ان کے درمیان چھ سات فٹ کا فاصلہ ہوگا۔ اس قدر نزدیک سے پے در پے فائر کرنے کے باوجود

ایک گولی بھی ان کے نہیں لگی۔ اس نے کل پے در پے چار فائر کیئے تھے۔ اس کے ریوالور میں صرف چار گولیاں ہی رہ گئی تھیں۔ کیونکہ دو گولیاں وہ غار میں ضائع کر چکا تھا۔ کورا پر قابو پانے اور اسے خوفزدہ کرنے کے لئے۔ درگا داس نے جب دیکھا کہ اس کی ایک گولی بھی کسی ایک ناگن پر نہیں لگی تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ اس نے اپنے ساتھی کا بازو پکڑ لیا۔ جب وہ دونوں ناگنیں پھنکارتی ہوئی ان کی طرف بڑھیں تو درگا داس نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ''بھاگو...... بھاگو...... ورنہ یہ ہمیں ڈس لیں گی...... یہ ناگنیں ہیں۔ زہریلی ناگنیں۔''

پھر وہ دونوں بدحواسی کے عالم میں بھاگتے ہوئے غار سے نکل گئے۔ ناگنیں بھی ان کے تعاقب میں غار سے نکلیں۔ میں سمجھ گیا کہ ان دونوں ناگنوں میں سے ایک میری محسن اور مسیحا ناگن ہے۔ وہ مجھے بچانے آئی تھی۔ اپنے ساتھ ایک اور روح کو ناگن کے روپ میں لے آئی۔ ان کے آنے سے نہ صرف میری بلکہ کورا کی عزت اور جان بھی بچ گئی تھی۔ وہ بدمعاش کورا کی عزت لوٹ کر اسے قتل کردیتے تا کہ وہ انہیں پکڑا نہ دے اور پھر مجھ سے رقم چھین کر مجھے بھی قتل کردیتے۔

چند لمحوں کے بعد میں نے کورا کو بازوؤں کے حصار سے نکالتے ہوئے کہا۔ ''اب ڈر اور خوف کی کوئی بات نہیں رہی...... وہ غنڈے بدمعاش بھاگ گئے...... ناگنیں ان کے تعاقب میں چلی گئیں۔ وہ اب ان کے انتقام سے بچ نہیں سکیں گے کیوں کہ بدمعاشوں نے ان پر فائر کرکے دشمنی مول لے لی...... سانپ، ناگ اور ناگنیں اپنے دشمن کو معاف نہیں کرتی ہیں۔''

''یہ ناگنیں نہ آتیں تو میری عزت اور ہماری جانوں کی خیر نہ ہوتی......'' کورا نے ایک گہری سانس لی۔ اس کے سینے میں سانسوں کا تلاطم ہچکولے کھا رہا تھا۔ اس نے سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا ''بھگوان نے ان دونوں کے ہاتھوں سے بچا لیا۔''

میں نے زمین پر سے اس کے لباس کی دھجیاں اٹھا کر اس کے جسم پر پھیلا کر ڈھانپ دیا پھر اس سے کہا۔ ''تم اس حالت میں کیسے جا سکو گی...... راستے میں کسی نے دیکھ

لیا اور پھر تمہارا پتی کیا خیال کرے گا؟ کیا سوچے گا؟ تمہارے لئے لباس کہاں سے لاؤں؟"

"میں نے رات اپنا ایک جوڑا دھو کر یشونت سنگھ کے خیمے کے پیچھے جو جھاڑیاں ہیں ان پر سوکھنے کے لئے ڈالا ہوا ہے۔" کورا بولی۔ میں تمہارے ساتھ اس ٹیکری تک چلتی ہوں جو خیمے کے عقب میں قدرے فاصلے پر ہے۔ راستہ سنسان اور ویران ہے۔ یہاں جو سیاح آئے ہیں ان کے خیمے جنوب میں ہیں۔ وہ سو رہے ہوں گے۔ تم مجھے وہاں سے میرا لباس لا کر دے دینا۔"

"چلو۔" میں نے کہا یہ معلوم نہیں تم کتنی دیر سے نکلی ہوئی ہو۔ تمہارا پتی پریشان ہو رہا ہوگا۔ شاید تمہیں ڈھونڈنے نکلا ہوگا۔"

"میں اس سے کہہ آئی ہوں کہ میں بستی میں ایک عورت سے مل کر آ رہی ہوں جو میری سہیلی ہے۔ میں کبھی کبھار دن میں اس سے ملنے چلی جایا کرتی ہوں۔ اس لئے اسے کوئی چنتا نہ ہوگی اور نہ وہ کام چھوڑ کر دکان سے نکل سکتا ہے۔ لہٰذا ایسی کوئی جلدی نہیں ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم دونوں پریم کی باتیں کریں۔ ہم دونوں محبت کی وادی میں چلے جائیں......"

"کورا......!" میں نے اس کی خود سپردگی لی ہوئی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کے رخسار کو پیار بھرے انداز سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم ایک پوتر عورت ہو۔ بہت ہی اچھی اور پیاری عورت ہو۔ تم اپنے آپ کو آلودہ نہ کرو۔ اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ نہ لگا لو۔"

"تم بڑے عجیب مرد ہو۔" اس کے حسین چہرے پر استعجاب سا چھا گیا۔ "مجھے کبھی تم جیسے مرد سے واسطہ نہیں پڑا۔"

"تم نے مجھ میں عجیب سی کیا بات محسوس کی......؟" میں اس کی بات سن کر مسکرا دیا۔ "میں ایک سیدھا سادا سا آدمی ہوں۔"

"عجیب بات یہ ہے کہ ایک حسین اور جوان عورت تمہاری جھولی میں پکے پھل

کی طرح گرنا چاہتی ہے لیکن تم پیچھے ہٹ رہے ہو۔ فطرت سے بغاوت کر رہے ہو۔ جبکہ دوسرے مرد عورت کے ایک اشارے کے منتظر ہوتے ہیں پھر اسے تنہا پا کر رستے کا مال سمجھ لیتے ہیں۔ اسے لوٹ لیتے ہیں۔ کئی مردوں نے مجھ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے انہیں کامیاب ہونے نہیں دیا۔ ایک عورت جبر و زیادتی کبھی پسند نہیں کرتی ہے۔ ان درندوں نے بھی مجھے جبر و زیادتی کا نشانہ بنانا چاہا تھا لیکن تم ہو کہ مجھے ٹھکرا رہے ہو۔"

"کورا......!" میں نے اس کے چہرے سے بکھرے ہوئے بالوں کو ہٹاتے ہوئے کہا۔ "میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تم ایک شادی شدہ عورت ہو۔"

"شادی شدہ نہیں بلکہ صرف عورت کہو...... ایک ایسی عورت جس کی جھولی خالی ہے۔ اس میں ہزاروں چھید ہیں۔ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ میں محبت کی بھوکی ہوں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم میری جھولی محبت سے بھر دو۔" وہ سسک پڑی۔

پھر بات محبت سے آگے بڑھ گئی۔ ہم دونوں اتنی دور چلے گئے کہ واپسی کا خیال ہی نہ رہا۔ وہ ایک جوان اور حسین عورت ہی نہیں تھی۔ ایک زہریلی ناگن کی طرح تھی۔ تنہائی میں ناگن ہی تھی۔ ان دونوں نے مل کر مجھے ڈس لیا۔ بالآخر جیت ایک عورت کی ہوگئی تھی۔ جب ہم غار سے نکلے تو دوپہر ہو رہی تھی۔ کچھ دور جانے کے بعد ہم ٹھٹک کے رک گئے۔ درگا داس اور اس کے ساتھی کی لاشیں جھاڑیوں کے پاس پڑی ہوئی تھیں۔ وہ نیلی پڑ چکی تھیں ان کی پھٹی پھٹی آنکھیں کھلی پڑی تھیں اور چہرے پر خوف و دہشت چپکی ہوئی تھی۔ کورا کے کہنے پر میں نے ان کی لاشیں گھسیٹ کر کھائی میں پھینک دیں۔ ریوالور اور چاقو بھی ان کے پاس پڑے تھے۔

میں نے چلتے ہوئے کورا سے کہا۔ "عورت بھی کس قدر عجیب و غریب چیز ہے بلکہ ایک معمہ ہے۔"

"یہ تم کس بنا پر کہہ رہے ہو؟" اس نے مجھے متعجب نظروں سے دیکھا۔ "عورت ایسی چیز نہیں ہے جو اسے کوئی سمجھ نہ سکے۔"

"تم نے مجھے ڈس لیا جبکہ ان دونوں مردوں کے حوالے اپنے آپ کو نہیں کیا۔ ایسا کیوں؟ وہ بھی مرد تھے اور میں بھی ایک مرد ہوں۔"

عورت کو پیار و محبت سے جیتا جاتا ہے نا کہ جبر و زیادتی سے...... تمہارے پیار نے محبت نے مجھے جیت لیا۔"

اس ٹیکری کے پاس پہنچ کر کورا اس کے عقب میں چھپ کر کھڑی ہوگئی۔ میں یشونت سنگھ کے خیمے کے عقب میں گیا۔ جھاڑیوں پر اس کا لباس پھیلا ہوا تھا۔ وہ سوکھ چکا تھا۔ میں نے چوروں کی طرح جا کر اسے اٹھایا اور کورا کے پاس لے کر پہنچا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے رخصت ہونے سے قبل میرے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کر دیں پھر ایک طویل اور پرجوش بوسے کے بعد بولی۔

"میں تمہیں کبھی بھول نہیں سکتی۔ میں تمہیں وچن دیتی ہوں کہ اب کبھی اپنے آپ کو آلودہ نہیں کروں گی۔ کیوں کہ میں نے بہت کچھ پالیا ہے۔"

جب میں اپنے خیمے کی طرف واپس جا رہا تھا مجھ پر ایک سرشاری کی سی کیفیت طاری تھی۔ میرے ذہن پر پرانی شراب کا خمار چھایا ہوا تھا۔ دوسری طرف اس بات کا بھی دکھ تھا کہ کورا نے مجھے بھی آلودہ کر دیا تھا۔ ایک زہریلی ناگن کی طرح ڈس لیا تھا۔ جب کہ اس میں میرا کوئی دوش نہ تھا۔ میں روپ متی کی محبت میں کوئی ملاوٹ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ نہ کھوٹ چاہتا تھا۔

جب میں خیمے پر پہنچا تو دیکھا کہ پارٹی واپس آ گئی ہے لیکن باربرداری کے ٹٹو اور قلی پہنچے نہیں تھے۔ یشونت سنگھ کو کافی کا آرڈر دیا گیا۔ کورا کا پتی دودھ لانے کے لئے بستی کی طرف گیا ہوا تھا اس کے آنے میں تھوڑی دیر باقی تھی۔ ہم انتظار کی زحمت سے بچنے کے لئے برفانی پل کی طرف نکل گئے۔ نرنجن بتا رہا تھا کہ اس گاؤں میں بہت لطف آیا۔ اگر میں ساتھ چلتا تو بہت محظوظ ہوتا۔ میں اسے کیا بتاتا کہ یہاں کیا کچھ ہوا ہے۔ میرے ساتھ بہت ہی خوفناک، حیرت انگیز اور ناقابل یقین واقعات پیش آ چکے ہیں۔ تاہم میں نے ان سنسنی خیز واقعات کے بارے میں بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ اس سے کچھ حاصل

بھی نہ تھا۔

ہم لوگ قدرت کی ان آرائشوں اور دل آویزیوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے برفانی پل پر چلنے لگے۔ پل پار کر کے اترتے ہی ٹھٹک کر رک گئے۔ میں نے نرنجن سے پوچھا۔ "کیا ہوا...... رک کیوں گئے؟ خیریت تو ہے؟"

نرنجن نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور مخالف سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہیں وہ چیز نظر نہیں آ رہی ہے؟"

میں نے اس سمت دیکھا۔ پل کے پار جو ایک کاہی آلود چٹان تھی اس پر ایک عجیب و غریب آدمی بیٹھا ہوا تھا۔

"یہ انسان ہے یا کوئی بدروح ہے۔" جوگندر نے نرنجن کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آواز کی پشت پر ہلکا سا خوف تھا۔

"مجھے تو یہ کوئی بھوت معلوم ہوتا ہے۔" آتی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں واپس چلنا چاہئے۔"

"دن میں بھوت کہاں نظر آتے ہیں۔" پرکاش مہرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم لوگ خواہ مخواہ اس سے ڈر رہے ہو؟"

"یہ دن کا بھوت ہے۔" نرنجن نے کہا۔ "دن کے بھوت سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ کیونکہ یہ بہت شریف قسم کی چیز ہوتے ہیں۔"

"اس نے ہمیں ڈرا ہی دیا ہے۔" جوگندر نے کہا پرکاش! کیمرہ ہوتا تو میں اس کی تصویر اتار لیتا۔ میرا کیمرہ سامان میں رہ گیا ہے۔"

میں نے اس شخص کی طرف تنقیدی نظروں سے دیکھا اور اس کا جائزہ لیا۔ اس کی عمر چالیس بیالیس برس کی ہوگی۔ اس کی شکل صورت ایسی بھی نہ تھی کہ اسے بدصورت کہا جاسکے۔ مگر اس نے جو اپنی وضع قطع بنا رکھی تھی وہ بے حد عجیب و غریب اور انوکھی تھی۔ ایک طرح سے وہ کسی سرکس کے جوکر کی سی تھی۔ اس نے سیاہ رنگ کا ایک لمبا کشمیری طرز کا گرم خرقہ پہن رکھا تھا۔ پاؤں میں سیاہ فوجی بوٹ تھے۔ ہاتھوں میں سیاہ چرمی دستانے تھے اور

سر پر سیاہ چرمی کنٹوپ اور اس پر طرہ یہ کہ کنٹوپ پر سولہ ہیٹ لگا رکھا تھا۔ آنکھوں پر دہ
عینکیں چڑھی ہوئی تھیں جس سے وہ مضحکہ خیز ہو گیا تھا اور پھر وہ نہایت بے فکری اور مز
مزے سگریٹ کے کش پر کش لے رہا تھا۔

''یہ بھوت نہیں انسان ہی ہے۔'' پرکاش مہرہ نے جیسے سرکاری اعلامیہ جا
کیا۔ ''کیوں کہ بھوت سگریٹ نہیں پیتے ہیں۔''

''اگر تم اس کے انسان ہونے کی تصدیق کرتے ہو تو یہ بھی بتاؤ کہ یہ کس دنیا
مخلوق ہے؟'' آتما نے دریافت کیا۔

''یہ مخلوق اس دنیا کی ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ کسی پاگل خانے سے بھاگا
ہے۔ اس لئے وہ اس عجیب و غریب حلیے میں ہے۔''

پرکاش مہرہ کی بات سن کر جوگندر نے کہا۔ ''ایسا آدمی تو بھوت سے کہ
خطرناک ہوتا ہے۔ واپس چلو......''

ہم اس شخص کی ہیبت کزائی پر بے تحاشا ہنسنے لگے۔ دراصل ہم سب کی ہنسی
اختیار پھوٹ گئی تھی۔

تھوڑی دیر میں ہمارے قہقہوں کی یورش سے پہاڑ گونج اٹھے اور ندی کا شور
میں دب کر رہ گیا تھا۔ میرے ساتھیوں کو جیسے شوخیوں اور شرارتوں کا ایک اچھا موقع ہاتھ
تھا۔ ایسے موقعے کی تلاش میں جوان لڑکے ہر وقت رہتے ہیں۔ وہ اسے ہاتھ سے جا
دینا نہیں چاہتے تھے اور پھر یہاں ایسی کوئی تفریح نہیں تھی جس سے دل خوش ہو جا
چھیڑ چھاڑ اور نوک جھونک کی جائے۔

میرے ساتھی اس پر دل کھول کر ہوٹنگ کرنے لگے جیسے شاعروں اور رقص
موسیقی کی محفلوں میں بور ہونے پر کی جاتی ہے۔ ہم نے انگریزی زبان میں بھی اس
آوازے کسے۔ ایسے ایسے جملوں سے نوازا کہ شیکسپیئر کی روح بھی شرما گئی ہو گی اور
پھبتیاں بھی اڑائیں۔ دل کھول کر مذاق بھی کیا۔ اس شخص کی جگہ کوئی اور ہوتا اس کے پا
چاقو یا پستول ہوتا تو وہ مشتعل ہو کر شوٹ کر دیتا اور چاقو سے حملہ کر کے اسے زخمی کرد

موت کی نیند سلا دیتا۔

ہم نے بڑے بوڑھوں سے سنا تھا کہ جوانی کی سرمستیوں کے سامنے بھوت بھی
بھاگتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب و غریب چیز تھی۔ میں نے اپنے دوستوں کا ساتھ نہیں دیا بلکہ
ایک طرف کھڑا خاموشی سے اسے دیکھتا اور دوستوں کی باتیں سنتا رہا۔ حیرت کی بات تو یہ
تھی کہ اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بہرہ اور گونگا ہے۔'' جوگندر نے اپنے ساتھیوں کی
طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کس نے بتا دیا کہ یہ شخص گونگا بہرہ ہے؟'' آتما نے اس سے تکرار کی یہ
کیا گونگے بہرے ایسے معلوم ہوتے ہیں؟''

''ہم لوگ گلہ پھاڑ کر اس کی تضحیک کر رہے ہیں، مذاق اڑا رہے ہیں، لیکن یہ
کوئی نوٹس ہی نہیں لے رہا۔'' جوگندر نے جواب دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ
شخص گونگا اور بہرا ہے۔ بہرا نہ ہوتا تو ہماری خبر لیتا یا چڑ جاتا۔''

''تم نے بڑے پتے کی بات کی ہے۔'' نرنجن نے کہا۔ ''ہم لوگ بڑے بے
وقوف اور احمق ہیں جو بھینس کے آگے بین بجا رہے ہیں۔''

''اور اس نے ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور کس اطمینان سے
سگریٹ کا دھواں بکھیر رہا ہے۔'' رجیت جو اتنی دیر سے خاموش تھا وہ بول پڑا۔ ''اس سے
واقعی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرکس کا یہ مسخرہ بہرا ہے۔''

''یہ دیکھو...... یہ دیکھو......'' پرکاش یک لخت بڑے زور سے چیخا۔ شری نا معلوم
ہماری طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہیں؟''

''پاگل اس طرح مسکراتے ہیں جب ان پر ہنسی کا دورہ پڑتا ہے۔'' آتما نے کہا۔
''میں نے اکثر پاگلوں کو اس طرح مسکراتے دیکھا ہے۔''

''لیکن ہم سب کی طرف دیکھ کر اس طرح سے مسکرا رہا اور ہنس رہا ہے جیسے ہم
سب پاگل ہیں۔'' آتما نے کہا۔

"ایک بات شرطیہ کہوں کہ یہ شخص نہ پاگل ہے اور نہ ہی بہرا ہے۔" نرنجن
بڑے اعتماد سے کہا یہ وہ ہمارے انتہائی مذاق سے قدرے متاثر اور محظوظ ہو رہا ہے۔ وہ جا
ہے کہ نوجوانوں سے الجھنا فضول ہے۔"

نرنجن سے کسی نے بحث نہیں کی نہ شرط لگائی۔ البتہ میرے ساتھیوں کی ہنسی
مزید اضافہ ہوتا کہ یہ جانگلوس کیوں ہنستا ہے؟ اسے کیا سمجھ آتی ہے؟ اور پھر اس کی ا
حرکت پر ہم اتنے ہنسے کہ ہمارے پیٹ میں بل پڑ گئے...... ہنستے ہنستے گلہ خشک ہو جاتا
کھانسی ہونے لگتی اور ہم اس کا ہنسی مذاق اڑانے سے باز نہیں آ رہے تھے۔

اس ہنسی مذاق میں خاصا وقت گزر گیا۔ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہو
تھا۔

یک لخت اجیت نے چیخ کر کہا۔ "کافی بن گئی ہوگی...... جلدی چلو۔ ورنہ ٹھنڈ
ہو جائے گی۔"

پھر ہم لوگ کافی پینے کے لئے تیزی سے واپس ہوئے۔ پھر ایک میز کے گرد
گئے۔ کورا نے کافی لا کر رکھی۔ میں نے ایک بات محسوس کی کہ اس کے چہرے پر ایک
کش نکھار آ گیا ہے۔ دمک سی آ گئی ہے۔ اس کی بڑی بڑی ڈبے رات آنکھوں میں
روشن ہو گئے ہیں۔ اس نے مجھے محبت بھری نظروں سے دیکھا پھر وہ کافی سرو کر کے مت
خرامی سے واپس چلی گئی۔

ہم کافی پی کر فارغ ہوئے تھے کہ باربرداری کے ٹٹو اور قلی وغیرہ پہنچ گئے
جب وہ چائے پی کر تازہ دم ہوئے تو ہم خیمے نصب کروانے میں مشغول ہو گئے۔ الا
کر، بستر وغیرہ تیار کروا کر فارغ ہوئے تو شام ہو چکی۔ اب پیٹ میں چوہے دوڑ
لگے۔ کشمیر کی بھوک تو مانی ہوئی ہے۔ ہم کھانے کی غرض سے دکان پر پہنچے۔ یکایک ا
کونے میں نظر پڑی تو ہم سب چونک گئے۔ کیونکہ کونے میں رکھے ایک اسٹول پر وہی خ
پوش صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور ایک انگریزی اخبار ان کے ہاتھ میں تھا جسے وہ بڑ
انہماک سے پڑھ رہے تھے۔ یہ اخبار اجیت کے پاس تھا جو کافی پیتے وقت یہاں بھول

تھا۔

انہیں دیکھ کر پھر ہمیں مذاق سوجھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو باز رکھنے کی کوشش
کی لیکن وہ مذاق کرنے پر تل سے گئے تھے۔

اجیت ان سب میں سب سے زیادہ شریر تھا۔ اس نے ان کے قریب جا کر کہا یہ
آپ شاید انگریزی آکسفورڈ سے سیکھ کر آئے ہیں؟ کیا آپ ہم سب کو انگریزی زبان
سکھانا پسند فرمائیں گے؟"

انہوں نے اخبار پر سے نگاہیں اٹھا کر اجیت کی طرف دیکھا اور سنجیدگی سے
بولے۔ "میں آپ کو کیا سکھاؤں گا؟ میں اتنی انگریزی جانتا ہوں کہ اس سے اپنا کام چلا
سکوں...... آپ کو میری قابلیت سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"آپ جتنی بھی انگریزی جانتے ہیں اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ تعلیم
یافتہ ہیں؟" اجیت نے کہا۔

"اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ انگریزی زبان سے واقف شخص تعلیم یافتہ ہوتا ہے تو
میں کیا کہہ سکتا ہوں؟" اس نے جواب دیا۔

پرکاش مہرہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا "آپ کی تعلیم کہاں تک ہے؟ کیا
آپ نے میٹرک پاس کر لیا؟"

"جی ہاں......" اس نے سر ہلایا اور بڑی بے نیازی سے جواب دیا۔ "میں نے
انگریزی میں ڈبل ایم اے کیا ہوا ہے؟"

"کیا......؟" پرکاش مہرہ کا منہ کھلا رہ گیا۔ اس کی آواز حلق میں پھنس گئی یہ
آپ...... آپ نے انگلش میں ڈبل ایم اے کیا ہوا ہے؟"

"اس میں حیرت یا اچنبھے کی کیا بات ہے۔ ڈبل ایم اے کرنا زیادہ مشکل تو نہیں
ہے۔" انہوں نے بڑی سادگی سے کہا۔

میں نے محسوس کیا کہ میرے ساتھیوں پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ ایک دوسرے کو
حیرت سے دیکھنے لگے۔ وہ ان سب کے چہروں پر ندامت کی سرخی دیکھ کر بولے۔ "پشیمان

ہونے کی چنداں ضرورت نہیں...... ہنسو کھیلو...... یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ
میں آپ لوگوں کی چھیڑ چھاڑ سے بہت خوش ہوا ہوں۔ کیونکہ اس میں شائستگی تھی۔''

''ہم سب بہت شرمندہ ہیں۔ نرنجن نے خجل ہو کر کہا۔'' میں سب کی طرف سے
آپ سے معافی مانگتا ہوں۔''

''آپ لوگ نہ تو شرمندہ ہوں اور نہ ہی معذرت خواہ...... انہوں نے کہا'' ایک
عرصہ دراز کے بعد مجھے یہ دلچسپ موقع میسر آیا ہے۔ اس اتفاقیہ ملاقات سے میرا
چلوؤں خون بڑھ گیا ہے۔ میں کس قدر محظوظ ہوا ہوں بتا نہیں سکتا؟''

''دراصل آپ کی ہیئت کذائی کی وجہ سے ہم نے آپ کو مذاق کا نشانہ بنایا
آپ کچھ خیال نہ کریں۔ اجیت نے صاف گوئی سے کہا۔

''اس میں بھی آپ لوگوں کا کوئی دوش نہیں ہے۔ کیونکہ میری ہیئت کذائی
ایسی ہے کہ جو دیکھتا ہے اسے خواہ مخواہ ہنسی آ جاتی ہے۔''

''سر! آپ نے یہ ہیئت کذائی کیوں اور کس لئے اختیار کی ہوئی ہے؟ کہیں اس
لئے تو نہیں کہ لوگ ہنسیں؟'' پرکاش مہرہ نے کہا۔

''نہیں...... یہ بات نہیں ہے۔'' انہوں نے اخبار تہہ کرتے ہوئے جواب دیا
اصل بات یہ ہے کہ میں مجبور ہوں۔''

''اس میں مجبوری کی کیا بات ہے؟'' آتما نے کہا یہ کیسی مجبوری ہے؟ آپ کی
مجبوری ہے؟ سمجھ سے بالاتر ہے۔''

''بات یہ ہے کہ میں عرصہ دراز سے اس پہاڑی علاقے میں رہتا ہوں اور یہ
سورج کی چمکیلی کرنیں جو برف کی سطح پر جگ مگا کر دلکش منظر پیش کرتی ہیں آنکھوں
لئے سخت مضر ہیں۔ اس لئے میں نے دوہری عینکیں چڑھا رکھی ہیں اور یہ ہولہ پیٹ بھی
سلسلے میں بہت مفید ہے کیونکہ یہ چہرے کو برفانی عکس سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس طرح
کے دوسرے حصے بھی ڈھانپنے پڑتے ہیں۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو اس برفانی ہوا
میرے مسام پھٹ جائیں اور مجھے خارش کی بیماری لگ جائے جو ان علاقوں میں

ہے۔''

ان کی طرز گفتگو اتنی سادہ، دل نشین اور موثر تھی کہ سب ان سے دوبارہ معافی
مانگنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ ایک نیک دل انسان تھے۔ وہ بہت جلد ہم لوگوں سے مانوس
ہو گئے اور انہوں نے ہمارا دل جیت لیا۔ کھانے کے دوران ان سے جو گفتگو ہوئی وہ بے حد
دلچسپ تھی۔ ہم سب اس کے اسیر بن گئے۔ وہ ایک پیرو کار شخصیت کے مالک تھے۔
ہمارے منع کرنے کے باوجود انہوں نے ہمارے کھانے کا بل بھی ادا کیا۔ ان کے اخلاص
نے ہمیں اور گرویدہ کر لیا تھا۔

کھانے سے فراغت پانے کے بعد نرنجن نے کہا'' کیوں نہ آپ ہمارے خیمے
میں چلیں اور ہمیں اپنی سیاحت کا کوئی دلچسپ واقعہ سنائیں۔''

''میری زندگی ایک بے حد دلچسپ اور سچی کہانی ہے۔ ایک ایسی کہانی جو آپ
لوگوں نے کبھی سنی اور پڑھی نہیں ہو گی۔'' وہ بولے۔'' میں اسے من وعن سناؤں گا۔ یہ میرا
وعدہ ہے۔''

''ہمیں آپ کی کہانی سن کر بہت خوشی ہو گی۔'' میں نے کہا۔'' ابھی سے تجسس
اور اشتیاق بڑھ گیا ہے۔''

''میں چونکہ رات کو تلخہ پینے کا عادی ہوں۔ ا
س لئے وہ پی کر آؤں گا۔'' انہوں نے کہا یہ تلخہ یہاں کا ایک انتہائی ترش قسم کا
قہوہ ہے۔ آپ لوگ اپنے خیمے میں چل کر میرا انتظار کریں۔ میں انتظار کی زحمت کے لئے
معذرت خواہ ہوں۔''

☆......☆......☆

ہم لوگ خیمے میں واپس آئے۔ اس خرقہ پوش کا ذکر کرتے ہوئے اس کے
انتظار میں بستروں میں دبک گئے۔ چونکہ ہم نے مرغن کھانا خوب سیر ہو کر کھا لیا تھا اس لئے
نیند کی دیوی نے ہمیں نیند کی آغوش میں لے لیا۔ ان کا انتظار کرنے کے بجائے گہری نیند
سو گئے۔

سویرے بیدار ہوئے تو خرقہ پوش یاد آئے۔ ناشتے سے فراغت پانے کے بعد نرنجن نے ایک ملازم کو بھیجا کہ وہ دکان پر جا کر ان صاحب کو اپنے ساتھ لے کر آئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اکیلا ہی واپس آ گیا۔

نرنجن نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ صاحب کہاں ہیں؟ تم انہیں ساتھ کیوں نہیں لے کر آئے؟"

"مالک! وہ صاحب تو کہیں چلے گئے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ اس کے ہاتھ میں کاغذوں کا پلندہ تھا۔ وہ اس نے نرنجن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ کاغذات وہ دکاندار کے پاس چھوڑ گئے ہیں کہ آپ لوگوں کو دیئے جائیں۔"

میں نے فوراً ہی وہ پلندہ ملازم کے ہاتھ سے لے لیا۔ اس پلندے کے ساتھ ایک نیلے رنگ کا لفافہ بھی تھا۔ اس میں سے میں نے تہہ کیا ہوا خط نکالا۔ پھر اسے پڑھ کر سنانے لگا۔ انہوں نے لکھا تھا:

میرے نوعمر اور نووارد دوستو!

رات میں نے آپ لوگوں سے وعدہ کیا تھا کہ آپ لوگوں کو بہت دل چسپ، حیرت انگیز اور سنسنی خیز اور بالکل سچا واقعہ سناؤں گا جو آپ لوگوں نے شاید ابھی تک سنا اور پڑھا نہیں ہوگا۔ میں وعدہ پورا کرنے آیا۔ جب میں نے آپ کے خیمے میں جھانکا تو آپ سبھی جوانی کی راحت آمیز نیند کا مزا لے رہے تھے۔ میں نے آپ لوگوں کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن یہ داستان جس کے سنانے کا میں تہیہ کر کے آیا تھا آپ لوگوں کو سوتا ہوا دیکھ کر بارگراں کی طرح محسوس ہونے لگی۔ میرے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ صبح تک ٹھہر سکتا۔ کیونکہ میں ان گھوڑے والوں کے ساتھ جو منہ اندھیرے ہی ادھر سے گزرتے ہیں جانے کا وعدہ کر چکا تھا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو یہ دشوار گزار راستہ پیدل طے کرنا پڑتا۔ میں نے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے یہ کہانی لکھ کر رکھی ہوئی تھی جو میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ یہ میری آپ بیتی ہے۔

میں ایک سیاح ہوں۔ صرف سیاح کہہ دینا کافی نہیں ہے۔ میرا یہ دعویٰ ہے اد

نہ ہی اس میں کوئی مبالغہ ہے کہ دنیا میں اس موجودہ دور میں شاید ہی کسی نے میرے مقابلے میں کوئی سیر وسیاحت کی ہو۔ سیاحت کا جو خبط مجھے بچپن سے تھا کسی وقت چین لینے نہیں دیتا تھا۔ میرے پتا جی بہت سخت گیر تھے اس وجہ سے میں اپنے دل پر جبر کر کے تعلیم میں مصروف رہا۔ ان کی خواہش تھی کہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بہت بڑا آدمی بن جاؤں اور آکاش کی بلندیوں کو چھولوں۔ ان کا نام روشن کروں۔

میری تعلیم مکمل ہوتے ہی میرے ماتا پتا جی سورگ باش ہوگئے۔ میں دنیا میں اکیلا رہ گیا۔ گو میرے رشتہ دار تو تھے لیکن بھائی بہن اور چچا اور ماموں نہ تھے۔ میرے مردہ جذبات اور احساسات جو تھے انہیں وقت کے تقاضوں نے بیدار کر دیا۔ ایک جنون نے جنم لیا۔ سیلانی طبیعت نیا رنگ لائی۔ اب میں آزاد، مختار اور اپنی مرضی کا مالک تھا اور میری راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

آج سے بارہ برس پہلے کی بات ہے کہ میں گرمیوں کا سیزن گزارنے کے لئے پہلگام آیا۔ میرے ساتھ دو ہم جماعت جگدیش اور مکر جی بھی تھے۔ وہ بھی میری طرح سیر وسیاحت کے بڑے دلدادہ تھے۔ ان کی سب سے بڑی کمزوری سیاحت ہی تھی۔ جن کی صحبت گویا میرے شوق پر تازیانہ تھی۔ ہم دن رات پہاڑوں اور جنگلوں میں گھومنے لگے۔

آخر ایک روز ہم نے اپنی پہاڑی ملازم سے پوچھا یہ کیا تم بتا سکتے ہو کہ سیر وسیاحت کے لئے بہترین جگہ کون سی ہے؟"

"کس لحاظ سے سرکار!" ملازم نے معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ تھا۔

"کس لحاظ سے کیا مطلب ....؟" میں نے چڑ کر کہا۔ "میں نے تمہیں سیر وسیاحت کی جگہ کے بارے میں دریافت کیا ہے؟ اقامت کے لئے نہیں۔"

"سرکار!" وہ کہنے لگا یہ سیاح دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک سیاح وہ ہوتے ہیں جن کی کمزوری عورت ہوتی ہے۔ وہ پرفضا مقامات پر صرف مقامی عورتوں اور کنواری لڑکیوں کو بستر کی زینت بنانے کے لئے جاتے ہیں۔ انہیں سیر وسیاحت سے زیادہ عورتوں

سے دلچسپی ہوتی ہے۔ ایسے علاقوں میں غربت و افلاس اور احساس محرومی بہت ہوتا ہے۔ کچھ گھرانے ایسے ہوتے ہیں غلط راستوں پر چل پڑتے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ایسی جگہوں پر جا کر عورت کی طلب بڑھ جاتی ہے۔ اگر آپ کو صرف سیر و سیاحت کرنا ہے تو پھر امرناتھ چلیں۔ میں نے تیس برس ایک ملازم کی حیثیت سے بڑے لوگوں کے ساتھ پر فضا مقامات پر سیاحت کے لئے گیا ہوں۔ جانے کیوں مجھے امرناتھ کا علاقہ بہت پسند ہے۔ آپ وہاں جائیں گے تو اس طرح دل دے بیٹھیں گے جس طرح ایک حسین عورت کو مرد دے دیتا ہے۔"

"تم اس قدر تعریف کر رہے ہو تو امرناتھ چلتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "مجھے عورتوں سے زیادہ سیر و سیاحت سے دلچسپی ہے۔"

ملازم نے امرناتھ کی تعریف کر کے دل میں ایک آگ سی لگا دی تھی۔ پھر کیا تھا۔ دوسرے دن ہی کیل کانٹے سے لیس ہو کر چل پڑے۔ اتوار کا دن تھا چمک دار دھوپ سیلاب نور کی طرح نشیب و فراز پر بہہ رہی تھی۔ تمام لدھر ویلی پر نور کا عالم تھا۔ اس لئے ہم پہلگام سے چلے اور ایک بجے تک چند واڑی جا پہنچے۔ ہمارے ساتھ کچھ قلی اور تین بار برداری کے ٹٹو تھے۔

ہم نے چندن واڑی میں کچھ دیر کے لئے دم لیا۔ کیونکہ ہم تھک بھی گئے تھے اور بھوک نے ستانا بھی شروع کر دیا تھا۔ ہم جو کھانا پکا کر ساتھ لائے تھے اسے خوب سیر ہو کر کھایا۔ سفر نے بھوک تیز کر دی تھی۔ کھانا کھانے کے کچھ دیر بعد ہم نے رخت سفر باندھا اور منزل کی طرف کوچ کیا۔ ہمارا خیال تھا کہ غروب آفتاب تک ہم شیش ناگ پہنچ جائیں گے۔ ابھی بمشکل چند میلوں کی مسافت طے کی تھی کہ ہواؤں کے جھکڑ چلنے شروع ہو گئے جو آندھی اور طوفان کا پیش خیمہ تھے پھر ہم نے دیکھا کہ سیاہ بادل چاروں طرف سے کسی غنیم کی طرح چلے آ رہے ہیں۔" رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ ان کا انداز بڑا جارحانہ اور بے رحمانہ سا تھا۔

ایک قلی نے کہا۔ "سرکار! جتنا جلد ہو سکے ہم لوگوں کو اس کی حد سے نکل جا:

چاہئے؟"

"بارش سے اس قدر ڈرنے کی کیا بات ہے؟" مکر جی نے کہا۔ "زیادہ سے زیادہ شدید بارش ہو گی۔ یہی نا......؟"

"سرکار! آپ نہیں جانتے ہیں کہ اس مقام پر ایک تو بارش نہ صرف بہت شدید ہوتی بلکہ بے حد خطرناک بن جاتی ہے۔" قلی نے جواب دیا۔

"بارش کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔" جگدیش نے کہا۔ "یہ اچانک موسم کیسے بدل گیا جب کہ برسات کا موسم نہیں ہے۔"

"اس علاقے میں اکثر و بیشتر ایسا ہوتا رہتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں باتوں میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہئے۔"

قلی کے کہنے پر ہم نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ لیکن اس سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ کیونکہ نصف گھنٹے کے اندر اندر ہر طرف اس قدر گہری کالی دھند چھا گئی تھی کہ ہاتھ پسارے دکھائی نہ دیتا تھا۔ ایک دوسرے کی شکلیں کہاں دکھائی دیتیں پھر ایسا ہوا کہ طوفان باد و باراں نے آلیا۔

ہوا کا زور تھا کہ لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا جس کی ہولناک گونج سے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے سے محسوس ہو رہے تھے۔ کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے سے بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔ ندی کا مدوجزر ہوا کے غضب ناک تھپڑوں کے ساتھ ہر لحظہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ گویا اس کی خوفناک لہریں اچھل اچھل کر ہمیں کسی اژدھے کی طرح نگل لینا چاہتی ہوں۔ یہ صورت حال بڑی خطرناک تھی۔

ہمارے ملازم نے مشورہ دیا۔ "سرکار! ادھر کنارے سے چلیں...... یہ زیادہ بہتر ہو گا۔ ندی کی لہر موت کا فرشتہ بنی ہوئی ہے۔"

اس نے جو مشورہ دیا تھا وہ بڑا معقول تھا۔ ہم چٹانوں اور جھاڑیوں کا سہارا لے کر چلنے لگے۔ گو کہ یہ دشوار اور قدرے تکلیف دہ تھا۔ لیکن اس میں جان جانے کا خطرہ نہ تھا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا اور ہم نے اسی حالت میں اس حد کو عبور کر لیا۔

ہم نے سکون و اطمینان کا سانس لیا۔ خوشی بھی ہوئی کیونکہ یہ راستہ کافی کھلا ہوا
تھا اور پھر وہ ندی جو کسی سانپ کی طرح ہماری جان کی دشمن بن گئی تھی وہ دور ہوتی جا رہی
تھی۔ ہمارا سکون و اطمینان اور خوشی کا امر عاضی ثابت ہوا۔ کیونکہ بدقسمتی سے ژالہ باری
ہونے لگی۔ یہ ایک بلائے ناگہانی تھی جس کا وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اولوں کی بوچھار
سے اپنے پرائے کی کوئی تمیز نہیں رہی۔ خودغرضی اور نفانفسی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ ہم نے
اندھا دھند دوڑنا شروع کر دیا جیسے موت کا عفریت ہمارے تعاقب میں چلا آ رہا ہو۔ گو اس
خطرناک ژالہ باری سے ہماری برساتیاں اور ٹوپیاں سپنہ غربالی بن گئی تھیں۔ پھر بھی ہم
نے ہمت نہیں ہاری اور بڑے حوصلے سے کام لیا۔ آندھی کی طرح سینہ سپر ہوکر بڑھتے چلے
گئے۔ مرتے کیا نہ کرتے۔ یہی ایک صورت رہ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک مصیبت ختم ہوئی
یعنی ژالہ باری بند ہوگئی لیکن دوسری مصیبت تھی۔ بارش کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ لیکن یہ
قابل برداشت تھا۔

آخر ایک لمبے اور دشوار سفر کے بعد مکرجی نے جیسے امریکہ دریافت کر لیا یہ وہ
دیکھو ..... جھونپڑی۔"

ہم نے دور سے اس جھونپڑی کو دیکھا تو جیسے ایک نئی زندگی ملی۔ ہم لوگ کسی نہ
کسی طرح گرتے پڑتے وہاں تک پہنچے۔

یہ گھاس پھوس کی جھونپڑی بالکل غیر آباد تھی لیکن یہ ہمارے لئے اس وقت کسی
شاہی محل سے کم نہ تھا۔ ہم نے اس میں پناہ لی تھی شاید اس میں کسی سیاح نے کبھی قیام کیا
ہوگا۔ جس کے کونے میں ایک شکستہ چولہا تھا اور قریب ہی سوکھے پتوں کا ایک ڈھیر لگا تھ
اور ایک طرف چٹائی بچھی تھی۔ سب سے پہلے ہم نے آگ جلا کر کپڑے خشک کئے جو
بارش میں بری طرح بھیگ گئے تھے۔ پھر قلیوں کا بے صبری سے انتظار کرنے لگے۔ حتیٰ کہ
شام ہوگئی۔ پھر بھی وہ نہیں پہنچے۔ ہم چوں کہ قلیوں سے بہت آگے چل رہے تھے اس لئے
وہ شاید دیکھ نہیں پائے تھے کہ ہم کس سمت گئے انہیں شاید یہ جھونپڑی دکھائی نہیں دی ہوگی۔
وہ راستہ بھٹک گئے تھے یا پھر کسی اور سمت نکل گئے تھے۔

اب اس ویران جھونپڑی میں رات گزارنے کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔ اس
کے علاوہ بھوک پیاس سے برا حال ہو رہا تھا۔ کھانا تو قلیوں کے پاس تھا۔

چنانچہ ہم تینوں بھوکے پیاسے دوستوں نے خشک پتے اور پیالی وغیرہ جلا کر
رات کاٹنے کا بندوبست کیا۔

"یہ ہماری غلطی تھی جو ہم نے قلیوں کا خیال نہیں کیا اور بھاگتے رہے۔" جگدیش
نے کہا یہ ہمیں خودغرضی کی سزا مل رہی ہے۔"

"قلیوں اور ہمارے ملازم کو بھی تو دیکھنا چاہئے تھا کہ ہم تینوں کس سمت جا رہے
ہیں؟" مکرجی نے کہا۔

"اب جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔" میں نے کہا "اب رونے دھونے سے کیا حاصل؟
صبح کا انتظار کرو اور بھوک سے لڑتے رہو۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ اس طرف آ نکلیں۔" جگدیش نے کہا یہ آگ روشن دیکھ کر
شاید سمجھ جائیں گے ہم یہاں ہیں۔"

"ناممکن ہے......" میں نے کہا۔ "رات کا وقت ہے۔ انہوں نے کہیں پڑاؤ ڈال
دیا ہوگا؟ کہیں درندوں کی آواز سنائی نہیں دے رہی ہیں۔"

"بارش بند ہو چکی ہے۔" مکرجی بولا۔ "بارش ہوتی رہتی تو ان بے چاروں کا
جانے کیا حشر ہوتا؟"

تمام رات ہمیں ریچھوں کی غراہٹ اور چاپیں بھی سنائی دیتی رہی تھیں۔ اس کے
علاوہ اور بھی جنگلی جانوروں کی آوازیں آتی رہیں۔ آگ روشن ہونے کی وجہ سے ہم ان کی
دستبرد سے محفوظ رہے۔ نہ صرف ان کے خوف بلکہ بھوک کے باعث ہم سو ہی نہ سکے تھے۔

صبح کا بڑی بے چینی اور کرب سے انتظار ہوتا رہا۔ ایسا لگتا رہا کہ صبح ہونے میں
صدیوں کی دیر ہے۔ آخر کار صبح ہوئی۔ یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ مطلع بالکل صاف ہو چکا
ہے اور قوس آفتاب سنگ پارس کی طرح بے رنگ دنیا کو جلا دے رہی ہے۔ ہم اس تاریک
جھونپڑی سے نکلے ہی تھے کہ ہمارے قلی بھی ہمیں تلاش کرتے ہوئے آ پہنچے۔ انہیں دیکھ کر

بڑی خوشی ہوئی۔

مکر جی نے ان پر بگڑتے ہوئے کہا ''یہ تم لوگ کہاں رہ گئے تھے......؟ ہم ساری رات جاگتے تمہارا انتظار کرتے رہے۔''

''سرکار! اس میں ہماری نہیں بلکہ آپ کی غلطی ہے۔ آپ لوگ راستہ بھٹک کر غلط جگہ آ گئے......'' قلیوں کے سردار نے کہا ''ہمیں کتنی پریشانی اٹھانی پڑی آپ کو کیا بتائیں۔ ہم نے ساری رات آپ لوگوں کی تلاش میں کاٹ دی۔ اتفاقیہ ادھر آ نکلے تو آپ سے ملاقات ہوگئی۔''

''یہ جگہ کون سی ہے اور ہم اس وقت کہاں پر ہیں؟'' میں نے گھبرا کر اس سے دریافت کیا۔

''یہ جگہ چندن واڑی اور شیش ناگ سے بہت دور ہے اور دوسری طرف واقع ہے۔'' اس نے بتایا۔

اس خبر سے ہم بہت افسردہ ہوئے اور دونوں ساتھیوں کے منہ لٹک گئے۔ میں اندر تپ کر رہ گیا۔ اس میں سراسر ہماری غلطی کا دخل تھا۔ اس وقت چونکہ ہمیں سخت بھوک لگ رہی تھی بلکہ جان نکلی جا رہی تھی۔ میں نے قلیوں سے پوچھا۔

''کیا اس جنگل کے قرب و جوار میں کوئی گاؤں ہے؟ ہمیں بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔''

''ہاں ہے تو سہی۔'' قلیوں کے سردار نے جواب دیا۔ ''یہاں قریب ہی ایک بہت ہی خوبصورت وادی ہے جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین گاؤں آباد ہیں جن میں کرور اور ہاری تو دونوں گاؤں ہیں لیکن وہ بہت چھوٹے چھوٹے ہیں۔ مگر نگپوہ جو ہے وہ بہت بڑا گاؤں ہے۔''

''تو پھر نگ پوہ میں چلو......'' جگدیش نے کہا۔ ''چھوٹے گاؤں میں جانے سے کچھ نہیں ملے گا۔''

صبح کا وقت اور بہت ہی سندر اور دل میں اتر جانے والا سماں تھا اور پھر خوشنما

راستہ پہاڑی کے دامن میں بل کھاتی ہوئی دندانہ دار سڑک، کھڈ میں بہتی ہوئی منہ زور برفانی ندی...... دیوزاد چٹانیں...... نیوسواد وادیوں کی فردوسی شان اور قدرت کے حقیقی جلوے تر و تازگی بخش رہے تھے۔ تقریباً کوئی ایک میل کے فاصلے پر جا کر بلند پہاڑ کے نیچے ایک خوبصورت اور شاداب وادی دکھائی دی۔ اس وادی کو دیکھ کر ہماری آتما خوش ہوگئی۔ اس وادی کا بہت ہی پیارا اور حسین منظر تھا۔

ہم ایک برساتی نالے کے ڈھلوان راستے کے ذریعے اس حسین وادی میں اتر گئے۔ یہ وادی سچ مچ سراپا حسن تھی۔ جس نے ہمیں مسحور کر دیا۔ جس کی خاموش سرزمین سے حسن کی کرنیں پھوٹی پڑتی تھیں۔ اردگرد کے پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں سورج کی شفاف اور بھڑکیلی کرنوں کی بدولت نہایت آب و تاب سے جلوہ ریز، سبزے کا نکھرا ہوا روپ آنکھوں میں کھب رہا تھا۔ دھان کے مختلف رنگوں کے کھیت سندر آ گیں بہار کی رت دکھا رہے تھے۔ نگاہیں تھیں ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

زرشک کی بیلیں جھولتی ہوئی بہت خوب صورت اور دل فریب دکھائی دے رہی تھیں اور ان کی کھٹی میٹھی خوشبو سے تمام وادی جوان عورت کے بدن کی طرح مہک رہی تھی۔ ان قدرتی رنگینیوں سے ہماری آتما نے ایک عجیب اور انوکھی سی شانتی محسوس کی۔ ایسا لگ رہا تھا ہماری شانتی بھی مسکرا اٹھی ہے جس سے دل و دماغ پر ایک فرحت سی چھانے لگی۔

قدرے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بلورین ندی چمکیلے سنگ ریزوں سے کھیلتی اور ان کی سنگ دلی پر اشک حسرت بہاتی ہوئی دھیرے دھیرے بہہ رہی تھی۔ ایسی سبک خرام بہتی ندیاں عموماً پہاڑی اور پرفضا مقامات پر ہی نظر آتی تھیں۔ اس ندی کے اس پار درختوں کا ایک زبردست جھنڈ تھا جہاں سے گانے کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔

''یہ گانے کی آواز ہے یا یہ بہتی ندی گنگنا رہی ہے؟'' جگدیش نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ ندی نہیں گنگنا رہی ہے بلکہ کسی کی آتما شاید آسمان پر گنگنا رہی ہے؟''

میرے بجائے مکر جی نے شوخی سے جواب دیا۔

''یہ تم اس طرح سے کہہ رہے ہو جیسے تمہاری آتما آسمان پر اس آقا کی آواز سن کر تمہیں اطلاع دے رہی ہے؟''

''یہ ندی نہیں بلکہ کوئی انسانی ہستی ہی گنگنا رہی ہے۔'' میں نے کہا یہ کچھ دیر بعد معلوم ہوا جاتا ہے کہ کون اور کہاں گا رہا ہے؟''

''میرے خیال میں ندی نہیں بلکہ ہوا گنگنا رہی ہے......؟ کیسی فرحت بخش اور خنک ہوا چل رہی ہے۔'' جگدیش نے کہا۔

''ہوا گنگنا نہیں رہی ہے بلکہ کسی نوجوان دوشیزہ کی طرح ہمیں چوم رہی ہے۔'' مکر جی کہے بغیر نہ رہ سکا۔

ان کے درمیان نوک جھونک ہونے لگی۔ چند قدم طے کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ درختوں کے درمیان ایک شمشان گھاٹ ہے جس میں گھنی گھاس کھڑی تھی۔ اس پر دور سے جھاڑیوں کا دھوکا ہوتا تھا جس کے آخری سرے پر ایک طویل وعریض احاطہ تھا۔ شمشان گھاٹ اور احاطہ کو جدا کرنے کی غرض سے زرشک کی بیلوں کی اونچی باڑ باندھی گئی تھی جس کے دوسری طرف پتھر کی عمارت تھی جہاں کوئی دھیمے سروں میں گا رہا تھا۔ لیکن اس کے بول صاف اور واضح سنائی نہیں دے رہے تھے۔

ہمیں عمارت کی طرف جانے کے لئے باڑ پھاندنا پڑی۔ عمارت کے دروازے بند تھے۔ ہم نے ایک ایک دروازے کو اندر کی طرف دھکیل کر تسلی کر لی تھی۔ ایک دروازہ بھی نہیں کھلا۔ اس عمارت کے سامنے مغرب کی سمت ایک خوبصورت اور وسیع چمن تھا جس کے آخری سرے پر دور سے ایک خوبصورت کشمیری طرز کا دو منزلہ جھونپڑا دکھائی دیا۔

ہم جوں جوں اس کی جانب بڑھے گانے کی آواز صاف اور بلند ہوتی گئی۔ اس میں بہتے جھرنے کا سنگیت تھا۔ گانے والے کی آواز میں اتنا رس تھا اور اس کی لے اتنی دلنشین تھی کہ ہم ٹھٹھک کے رک گئے۔

جگدیش نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ ''اس آواز میں کیا جادو بھرا ہوا

ہے؟''

''میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی رس بھری آواز نہیں سنی......'' مکر جی نے کہا۔

''اس آواز میں کیا سوز اور گداز ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ایسا لگ رہا ہے کہ سات سر ایک ساتھ جھول رہے ہوں۔''

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں یہاں کھڑا صدیوں تک گیت اور اس رس بھری آواز کو سنتا رہوں۔'' جگدیش نے کہا۔

''تمہارے پیچھے میں شمشان گھاٹ ہے۔ کہو تو اس میں تمہاری سمادھی بنا دیں تاکہ تم ابد تک گیت اور آواز سنتے رہو۔'' مکر جی نے کہا۔ ''اس طرح تمہاری دلی تمنا پوری ہو سکتی ہے۔ کیا حکم ہے سرکار کا......''

''خاموش رہو۔'' میں نے ان دونوں کو آہستہ سے ڈانٹا یہ گیت سننے دو۔ سننا نہیں ہے تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لو۔''

''میں صدیوں تک کیا لمحوں تک کھڑے رہ کر سننا نہیں چاہتا ہوں۔'' مکر جی نے کہا۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ آخر یہاں کھڑے کب تک اس آواز کو سنتے رہیں۔'' میں نے مکر جی کی طرف دیکھا۔

''میرا مخلصانہ اور جارحانہ مشورہ یہ ہے کہ اس جھونپڑے پر دھاوا بول دو۔'' جگدیش نے سرگوشی میں مشورہ دیا۔

''کیا یہ اخلاق سے گری ہوئی حرکت نہیں ہوگی؟'' مکر جی نے کہا۔ ''گھر کے مکین کہیں ہمیں مار مار کر ہمارا بھرکس نہ نکال دیں؟''

''ہم ان کے پیروں پر گر کر معافی مانگ لیں گے اور ان سے کہیں گے کہ اس میں ہمارا نہیں اس جادو بھری آواز کا دوش ہے۔'' مکر جی بولا۔

''تمہاری بات اور مشورہ تم سے کہیں معقول ہے۔'' جگدیش نے کہا۔ ''لیکن تم

سب سے پہلے ان کے چرنوں میں گرو گے؟"

ہم لوگوں میں ضبط کا یارا نہیں رہا تھا۔ ہم تینوں بے تابی سے چمنستان میں گھر کر گانے والے کو تحیر زدہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ جہاں ایک چھوٹے سے جھرنے کے قریب اور فرش رنگ پھولوں کی کیاریوں کے درمیان ایک چھوٹا سا تعزیہ نما چھپر تھا جس کے نیچے ایک پری چہرہ اردو زبان میں ایک فراقیہ گیت گا رہی تھی۔ یہ گانے والی حسن و جمال کا تراشیدہ پیکر نہایت نازک اندام تھی۔ شاخ گل تھی جس میں گداز پن تھا۔ اس کے شب رنگ اور دراز بال تن نازک کے گرد حصار کئے ہوئے تھے۔

چوں کہ وہ ہماری طرف پشت کئے بیٹھی تھی اور گانے میں ایسی ڈوبی اور کھوئی ہوئی تھی کہ اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ اسے ہماری موجودگی کا علم اس لئے نہیں ہو سکا تھا کہ ہم دبے پاؤں اور بے آواز دہلیز پر پہنچے تھے اور اسے پار نہیں کیا تھا۔ سات سروں کی دنیا تھی۔ جس کا ہر سر قوس قزح کا ایک دلکش اور دل فریب رنگ تھا۔ ہم اس کے نغمے کے نشے میں سرشار دیر تک چپ چاپ کھڑے تھے۔ یہ کوئی جادو ہی تھا جس نے ہمیں جیسے پتھر کا بنا دیا۔ ہم تو اپنے آپ کو بھی فراموش کئے ہوئے تھے۔

خاصی دیر بعد جب گانا ختم ہوا اور اس کا طلسم بکھر گیا تو ہم جیسے اس سے نکل آئے۔ پھر پتھر کے بت سے انسان بن گئے۔ ہم اندر داخل ہوئے۔ اس نے ہماری چاپیں سن کر ستار ایک طرف رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر سیاہ بال بدلیوں کی طرح چھائے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے چہرے پر سے بدلیوں کو ہٹایا اور انہیں پیچھے لے جا کر ٹھیک کرنے لگی۔

آہ! کیا بتاؤں کہ وہ کس قدر حسین و جمیل تھی۔ اس کے حسن کی تجلیوں نے نہ صرف ہمیں بھونچکا کر دیا بلکہ ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا۔ ہم اسے منجمد پھیلواں نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس کی حسین اور دل فریب جھلک سے گمان ہوا جیسے پونم کا چاند یکا یک کالی کالی بدلیوں سے ہنستا مسکراتا ہوا نکلا ہو۔ اس کی سرخ و سفید رنگت بالکل ایسی تھی جیسے میدہ میں شہاب سمویا ہوا ہو۔ اس کے خوش خط ہلالی ابروؤں کے نیچے بڑی بڑی مست آنکھوں میں جیسے میخانوں کی بستیاں آباد تھیں۔

اس کے حسن و جمال کی تعریف کے لئے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ اگر میں یاح نہیں شاعر ہوتا تو نہ جانے کتنے دیوان لکھ ڈالتا۔ اس کے سیاہ گیسوؤں سے مصور قدرت کی کاوش لپٹی ہوئی تھی۔ ان گیسوؤں میں ایسی دل کشی اور خوش نمائی میں نے شاید ہی کسی عورت میں دیکھی ہو۔ دنیا میں زلف بنگال مشہور ہے۔ یہ کسی زلف بنگال سے کئی سو گنا تھی۔ اس کا گول درخشاں چہرہ آفتاب کو شرما رہا تھا۔ اس کے مرمریں، گداز اور خنجر جیسے ازوؤں میں بت کدے کی راگنی سوئی ہوئی تھی۔ اس کا سراپا کیا تھا قیامت تھا۔ اس کے نگ انگ سے مستی ابلی پڑتی تھی۔ غرض یہ کہ میرے پاس اس کے حسن و شباب اور بھرپور جوانی کی تعریف کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ وہ ہر لحاظ سے تخلیق کی پہلی سحر معلوم ہوتی تھی۔

وہ سرخ رنگ کی ساری اور اسی رنگ کے بغیر آستینوں کے بلاؤز میں ملبوس تھی۔ اؤز آگے اور پیچھے سے کھلا ہوا تھا۔ جس کے نیچے سے شب رنگ بال کولہوں تک لہراتے وئے نہایت بھلے معلوم ہو رہے تھے اس کی نازک اور لچک دار عریاں کمر میں بندھا سیاہ یشمی پٹکا اس طرح تھا جیسے صندل کے درخت کے ارد گرد مار سیاہ......

ایسا بے مثال حسن و شباب اور حسن کی کرشمہ سازیاں دیکھ کر ہمارے دل سینے ں اتنے زور سے دھڑکنے لگے کہ ان کی صدائیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ اس زمردین طہ کی لال پری تھی یا پھر سرخ بیر بہوٹی۔

اس نے حیرت بھری اور سوالیہ نظروں سے ہم تینوں کو باری باری دیکھا پھر اس نے رس بھری آواز میں پوچھا۔ "آپ لوگ کون ہیں؟"

"ہم سیاح ہیں۔" میں نے فوراً ہی جواب دیا تاکہ مکرجی بے تکی نہ ہانکنا شروع کر دے۔

"اگر آپ لوگ سیاح ہیں تو آپ یہاں کس لئے آئے ہیں؟" اس کے حسین رے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔

"دراصل ہم لوگ بھٹکے ہوئے راہی ہیں۔" مکرجی سے رہا نہ گیا وہ بول پڑا۔

پھر میں نے مختصر طور پر اسے رام کہانی سنائی۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

پہلے تو وہ چند لمحوں تک ہمیں متعجب نظروں سے دیکھتی رہی پھر نہایت معلومانہ انداز سے مسکرائی۔ ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ شاید شب یلدا میں بجلی آسمان کا سینہ چیر کر کوند رہی تھی۔

اس کے بھرے بھرے سرخ و گداز اور تراشیدہ ہونٹوں میں جیسے ساری دنیا کا رس بھرا ہوا تھا۔ جب اس کے آتشیں ہونٹوں پر تبسم کی پتیاں بکھریں تو ہم سب کے افسردہ چہرے کھل اٹھے۔ اس کی آنکھوں میں دوستانہ جذبے کی چمک دیکھ کر آتما کو ایک شانتی سی محسوس ہوئی۔ ہمیں اس بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ اس قدر دل فریب مسکراہٹ سے ہمارا والہانہ استقبال کرے گی۔ میرا خیال تھا کہ وہ پندار حسن کا شکار ہے۔ شاید سیدھے منہ بات نہ کرے۔ بے اعتنائی سے پیش آئے۔

''آپ لوگ میرے ساتھ آئیں......'' اس نے ساری کا پلو سینے اور شانے پر درست کرتے ہوئے رسیلی آواز میں کہا۔

وہ ہمیں اپنے سنگ لے کر دو منزلہ جھونپڑے کے اندر سبک خرامی سے بڑھی۔ اس کی چال میں ایک وقار اور مہارانی کی سی تمکنت تھی اور اس کے بدن میں جیسے شعلے بھرے تھے جس کی تپش ہمیں جھلساسی رہی تھی۔ میرے جسم میں خون کی گردش تیز ہوگئی۔ اگر میرے ساتھ میرے دوست نہ ہوتے اور تنہائی ہوتی تو شاید میں قابو میں نہیں رہتا۔ اسے دبوچ لیتا۔ میرا پیر پھسل جاتا۔ اس کا سراپا اور پرشباب گداز بدن کسی زہریلی ناگن کی طرح ڈس رہا تھا۔ نگاہیں تھیں کہ اس کے وجود پر سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

وہ ہمیں ایک بڑے کمرے میں لے کر داخل ہوئی جس میں پھول دار ___ اور خوبصورت گدے بچھے ہوئے تھے اور کھونٹیوں کے ساتھ جابجا پھول دار آبی نباتات کے لمبے لمبے پر لٹک رہے تھے جو میڈھیوں کی طرز پر گوندھے گئے تھے۔ غرض یہ کہ کمرے کی ایک ایک چیز صاف ستھری، بڑے قرینے، سلیقے اور ترتیب سے رکھی ہوئی تھی۔

اس نے بڑی شائستگی سے ہمیں بیٹھنے کے لئے کہا اور کھانا لانے چلی گئی۔

مکر جی نے سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔ ''ایسا لگتا ہے کہ وہ اس جھونپڑے میں اکیلی رہتی ہے۔''

''یہ تم نے کیسے اندازہ کرلیا کہ وہ اکیلی رہتی ہے؟'' جگدیش نے کہا۔ ''جب کہ وہ بے حد حسین اور بھرپور جوان لڑکی ہے۔''

''وہ ایسے کہ اس کے سوا یہاں کوئی دوسرا نظر نہیں آیا؟'' مکر جی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایسا نہیں ہوسکتا...... ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کام سے باہر کھیت پر گیا ہوگا۔ کوئی ضروری تو نہیں کہ جو ساتھ رہتا ہو وہ سارا دن ساتھ رہے۔''

''تم لوگ اس فکر میں دبلے کیوں ہورہے ہو...... چپ ہو جاؤ۔ شاید وہ آرہی ہے اور اس کی چاپیں سنائی دے رہی ہیں۔'' میں نے کہا۔

چند ثانیوں کے بعد وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ کھانا لے آئی جو لکڑی کے خوبصورت کاسوں میں رکھا ہوا تھا۔ یہ کھانا گو عجیب طرح کا تھا لیکن شاہی کھانے کی طرح لگ رہا تھا کبھی زندگی میں دیکھنے اور کھانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

ابلے ہوئے سیب جن میں دہی ملا ہوا تھا۔ دودھ کی روٹیاں، شہد، انڈوں کا آملیٹ، پنیر، زرشک بہت بڑے بڑے کچے اخروٹ اور ایک خاص قسم کی گھاس جو صرف پانی میں اگتی ہے اور اخروٹ کے مغز کے ساتھ کھائی جاتی ہے۔

یہ سب چیزیں بہ افراط تھیں۔ چھ سات افراد سیر ہوکر کھانے پر بچ سکتا تھا۔ ایسے پس ماندہ علاقے میں ایسا شاندار اور زبردست کھانا کسی جاگیردار کو بھی میسر نہ آسکتا تھا۔ ہم چونکہ بھوکے تھے بھوک و پیاس نے برا حال کردیا تھا۔ وہ سامنے نہ ہوتی تو ہم کھانے پر اس طرح ٹوٹ پڑتے جس طرح بھوکے بھیڑیے کچے لال گوشت پر ٹوٹ پڑتے ہیں لیکن ہم نے بہ دقت تمام اپنے آپ کو قابو میں رکھا اور شائستگی اور مہذب طریقے سے کھانے لگے۔ کھانے کے آداب کو ملحوظ رکھا تھا۔

میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ بتانا پسند کریں گی کہ اردو

زبان آپ نے کس سے سیکھی؟"

"میرے ماتا پتا جی الہ آباد کے رہنے والے تھے۔" اس نے جواب دیا۔ "
کشمیری زبان پر بھی عبور حاصل ہے۔"

میں نے چند ثانیوں کے بعد کہا۔ "اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنا
بتادیں......"

"میرا نام جھرنا ہے......" وہ دل کش انداز سے مسکرائی۔ میرے پتا جی کو یہ
بہت پسند تھا۔ انہوں نے میرا نام رکھا۔"

اس کا نام بہت پیارا تھا۔ جھرنے کی مثل تھی۔ لیکن وہ اور اس کے حسن کو د
ہوئے ایک شگوفہ کی مانند بھی تھی۔ اپنے حسن نورستہ سے دوسروں کے دلوں میں شگوفے
دینے کا اعجاز بھی رکھتی تھی۔

میرے دل میں جو تجسس تھا اس کے زیر اثر میں نے اس سے دریافت کیا۔ "
پس ماندہ اور غیر مہذب علاقے میں آپ کیسے آئیں؟"

"قسمت اور حالات یہاں لے آئے۔" اس نے اپنی لانبی پلکیں جھکا
ہوئے جواب دیا۔

"آپ کے پتی دکھائی نہیں دے رہے ہیں؟" میں نے اس کے چہرے
نگاہیں مرکوز کر دیں۔ "کیا وہ کام پر گئے ہوئے ہیں؟"

اس نے لجا اور شرما کر جواب دیا۔ "میں شادی شدہ نہیں ہوں۔ میرا کوئی ج
ساتھی نہیں ہے۔"

"آپ کا کوئی سرپرست اور رشتہ دار وغیرہ تو ہوں گے......؟" میں نے س
نظروں سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "وہ بھی یہیں رہتے ہوں گے۔"

"جی نہیں۔" اس نے اپنا خوش نما سر ہلایا۔ "میرا نہ تو کوئی سرپرست ہے ا
ہی رشتہ دار ہیں۔ میں بالکل اکیلی ہوں۔ اکیلی۔"

اس کی بات سن کر میں اور میرے دوست سخت متعجب ہوئے۔ اس کی بات

چھ ایسا بھی محسوس ہوا جیسے وہ کچھ چھپا رہی ہے اور دانستہ بتانا نہیں چاہتی ہے۔ اس کا اس
ھونپڑے میں اکیلی رہنا اس کے لئے کسی بھی خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ
ت حسین اور بھرپور جوان تھی۔ کوئی اس کے اکیلے پن سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ ایک جوان
کی کا درندہ صفت سے مقابلہ کرنا بہت مشکل تھا۔

"آپ کے گھر میں جو ساز و سامان ہے اور پھر ہمارے لئے یہ پرتکلف کھانا
ہاں سے آیا؟" میں نے دریافت کیا۔

"یہ سب کچھ گاؤں والے مجھے مہیا کرتے ہیں۔" اس نے بڑے فخر سے بتایا۔
مجھے کسی بات کی فکر نہیں ہوتی ہے۔"

"آپ تو بڑی خوش قسمت ہیں۔" مکرجی نے کہا "لیکن کیا آپ کو اکیلی رہتے
ئے کسی قسم کا ڈر اور خوف محسوس نہیں ہوتا؟"

اس کے بعد ہم تینوں نے اس سے متعدد مختلف قسم کے سوالات کئے مگر اس نے
ی سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دیا، بلکہ ٹالتی رہی۔ معلوم نہیں کیوں جھرنا بڑی عجیب و
یب ہی نہیں بلکہ پراسراری بھی محسوس ہوئی۔ اس کا یہاں اکیلی رہنا نہ صرف حیرت انگیز
سمجھ سے بالاتر بھی تھا۔ اس بات کا علم گاؤں کے ہر فرد کو ہوگا۔ رات میں کوئی بھی شب
ن مار سکتا تھا۔ اس نے اپنے اکیلے رہنے کے متعلق ہمیں بتاتے ہوئے ہم سے کسی ڈر یا
ف محسوس نہیں کیا۔ جبکہ ہم اجنبی تھے اور جوان مرد بھی تھے۔ اس کا حسن و شباب کسی
طان کی طرح بہکانے والا تھا۔ اسے اپنی ذات پر بڑا بھروسا اور اعتماد تھا۔ یہ بہت بڑی
ت تھی۔

کھانے کے بعد ہم وہاں سے اس کا اور اس کے پرتکلف، بے حد شاندار اور
ذ کھانے کا شکریہ ادا کر کے روانہ ہوئے۔ راستے میں وہ ہمارا موضوع بنی رہی۔ جگدیش
مجھ سے پوچھا۔ "کیا تم نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی حسین عورت دیکھی ہے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "حسین عورتیں کہاں نہیں ہوتی ہیں لیکن اس
ی حسین عورت نہیں دیکھی۔"

''مجھ سے پوچھو۔'' مکرجی نے کہا۔ ''میں نے سپنوں میں بھی ایسی بلا کی حسین
اور فتنہ خیز لڑکی نہیں دیکھی۔ کیا چیز ہے جھرنا......؟''
''ایسی حسین لڑکیاں مہاراج کماری کی طرح ہوتی ہیں۔'' جگدیش نے کہا۔ ''
اس وادی کی مہارانی معلوم ہوتی تھی۔''
''وہ وادی کی یا کسی ریاست کی مہارانی ہو یا نہ ہو لیکن میرے دل کی رانی ضر
ہے۔ اس نے میرا دل لے لیا۔'' مکرجی نے ایک عاشق کے انداز سے اپنے سینے پر ہاتھ
رکھ کر ایک سرد آہ بھری اس کی حسین صورت میری نظروں کے سامنے گھوم رہی ہے۔''
''میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تم اس کا خیال دل سے نکال دو اور اسے بھول جاؤ۔
جگدیش نے اسے مشورہ دیا۔
''وہ کس لئے......؟'' مکرجی چلتے چلتے رک گیا اور اسکی آنکھوں میں جھانک
ہوئے کمر پر ہاتھ رکھ لیا۔
''اس لئے کہ ایک میان میں صرف ایک تلوار رہ سکتی ہے۔ دو تلواریں نہیں رہ سک
ہیں تو تین تلواریں کیسے رہ سکتی ہیں؟''
''تم کن تین تلواروں کی بات کر رہے ہو میں سمجھا نہیں......؟'' مکرجی اس
بات کی تہہ میں پہنچ نہیں سکا تھا۔
''بات یہ ہے کہ جھرنا ہم تینوں کو بہت پسند آئی ہے اور ہم تینوں اس پر بیک
وقت ریشہ خطمی ہوگئے ہیں۔'' جگدیش نے کہا۔ ''وہ ہم تینوں میں سے صرف کسی ایک
ہوسکتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے تم صرف اپنی رانی نہیں کہہ سکو۔''
''اگر اس نے ہم میں سے کسی ایک کو پسند کرلیا تو پھر اس میں اعتراض کی گنجائ
نہیں ہے۔'' مکرجی نے کہا ''لیکن مجھے پسند کرنے کے امکانات کچھ زیادہ معلوم ہو
ہیں کیونکہ میں بھی کسی مہاراجا سے کم نہیں ہوں۔''
''اگر اس نے تمہیں پسند کرلیا اور اظہار محبت کردیا تو پھر ہم اسے بی بی بنا کر
جائیں گے۔'' جگدیش نے کہا۔

بہت خوب...... بہت خوب......'' مکرجی خوشی سے پھول گیا۔ پھر اس نے
شاری سے کہا۔ یہ ہوئی نا بات......بھگوان تمہیں سدا سکھی رکھے۔''
''لیکن یہ بات مت بھولو کہ اس نے ہم دونوں میں سے کسی کو پسند کرلیا تو پھر وہ
ہاری بھابھی ہوگی۔'' جگدیش نے کہا۔
''یہ تب کی تب دیکھی جائے گی۔'' مکرجی نے کہا ''لیکن میں پرامید ہوں کہ وہ
دونوں کی بھابھی بنے گی۔ کیونکہ وہ میری طرف ہر وقت زیادہ دیکھتی رہی تھی۔ جبکہ اس
نے تم دونوں کی طرف بہت کم دیکھا۔ اس طرح اس نے مجھے ایک اعزاز بخشا۔''
''وہ یہ دیکھ رہی تھی کہ کہیں تم اکیلے سارا کھانا چٹ نہ کر جاؤ۔ کیوں کہ تم ندیدوں
طرح کھا رہے تھے۔'' جگدیش نے چوٹ کی۔
جھرنا کے حسن و شباب اور اس کی پرلطف ملاقات اور اس وادی کی رنگینیوں کا ہم
اتنا گہرا اثر ہوا کہ ہم نے کچھ دن یہاں قیام کرنے کا تہیہ کرلیا۔ چنانچہ ہم نے واپس آ کر
ں سے رسمی طور پر اجازت لے کر اس ویران جھونپڑی کے قریب ڈیرے ڈال دیئے اور
ر روزانہ جھرنا کے گھر جا کر اس کی پاکیزہ محبتوں سے دل بہلانے لگے۔ ایک تو اس کی
تیں بڑی شائستہ، پرلطف اور بہت خوبصورت ہوتی تھیں اس کی موہنی صورت ہی نے نہیں
لہ اس کی موہنی باتوں نے بھی دل موہ لیا تھا اور پھر اس سے گیت سنتے تھے۔ اس کی جادو
ری آواز ہمیں اپنے سحر میں جکڑ لیتی تھی۔ جی کرتا تھا کہ اس کی آواز سنتے رہیں اور صدیاں
بت جائیں۔
اس نے اس بات کا کبھی برا نہیں منایا تھا کہ ہم تینوں غیر مرد ہو کر اس کی
ھونپڑی میں گھنٹوں وقت گزارتے ہیں۔ اس کے بشرے پر نہ تو کبھی ناگواری اور نہ
کراہٹ محسوس ہوئی اور اس نے اس بات کا کوئی ڈر اور خوف محسوس کیا کہ ہم اس کی عزت
و نشانہ بنا سکتے ہیں۔ اس نے اندازہ کرلیا تھا کہ ہم تینوں کس قماش کے ہیں۔ یوں بھی ہم
نے دل میں میل آنے نہیں دیا اور نہ کبھی نیت میں کوئی فتنہ پیدا ہوا۔ مگر ان ملاقاتوں کا
رے دل پر گہرا اثر ہو رہا تھا۔ کیونکہ میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کی نگاہوں کی زبان مجھ

سے بہت کچھ کہہ جاتی ہے۔ میں نے محبت کے مفہوم کو سمجھتا تھا۔ میں نے محسوس کرلیا تھا کہ وہ مجھ میں نہ صرف دلچسپی لے رہی ہے بلکہ میری محبت میں گرفتار ہوگئی ہے وہ میرے دوستوں کے مقابلے میں میری باتوں کو زیادہ پسند کرتی تھی اور مجھ سے زیادہ باتیں کرتی تھی۔ تاہم مجھے کبھی کوئی ایسا موقع نہ ملا کہ اس سے اظہار محبت کرتا۔ تنہائی اس لئے نصیب نہیں ہوتی تھی کہ مکرجی اور جگدیش ہر وقت ساتھ ہوتے تھے۔ لیکن میں اس خوش فہمی میں بھی مبتلا نہ تھا وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ دل کا حال میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔ میں اس پر دل و جان سے فدا ہو چکا تھا۔ میں اس موقع کی تاک میں تھا کہ اکیلے میں ملاقات ہونے پر اس سے اظہار محبت کردوں۔

یہاں رہتے ہوئے دس دن پلک جھپکتے گزر گئے۔ بیس صدیاں بھی بیت جاتیں پتا نہ چلتا۔ اب یہاں مزید رک بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ فکر معاش تھی۔ جیب ہلکی ہوتی جارہی تھی۔ خاندانی رئیس ہوتے تو شاید دو تین ماہ گزار لیتے پھر میرے دوستوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ جھرنا ہماری واپسی سے فکرمند تھی۔ اس لئے کہ ہم نے اچھے دوستوں کی طرح اس کے ساتھ وقت گزارا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں رک جاتا۔ مجبوراً مجھے ان کے ساتھ واپس آنا پڑا۔ جھرنا نے ہمیں جذباتی انداز سے الوداع کہا۔

جھرنا کے حسن و جمال کی کشش کوئی معمولی نہ تھی۔ وہ غیر معمولی حسین تھی۔ اس کی بھرپور جوانی، حشر خیز شباب، مستانہ چال، شیریں کلامی اور ان سب سے بڑھ کر اس کی بے پناہ معصومیت میرے دل میں گھر چکی تھی۔ وہ کوئی دیوی تھی۔ میرا دل اس کی پرستش کرتا تھا۔ اس کے سپنے دیکھتا اور میرے سینے میں سرد آہوں کا غبار بھر جاتا۔ اس کی یاد میں دن رات تڑپنے کے باوجود میں چار برس تک کشمیر نہ جاسکا۔ کیوں نہیں جاسکا میں آپ کو یہ لمبی داستان سنادوں جو عجیب وغریب اور تحیرانگیز ہے۔

عورت دنیا میں نہ صرف بہت عجیب وغریب ہے مگر سب سے حسین بھی ہے۔ ساری کائنات کا وجود اور حسن اس کے دم سے ہے۔ بھگوان نے دنیا میں عورت کو جنم نہیں دیا ہوتا پھر یہ دنیا اجڑ جاتی، ویران ہو جاتی اور شاید ختم ہو جاتی۔ آپ کو اپنی نہیں بلکہ ایک

عورت کی کہانی سنا رہا ہوں۔ جو بہت انوکھی ہی نہیں بلکہ دلچسپ بھی ہے۔ عجیب وغریب تحیرانگیز بھی...... میں جھرنا کے بارے میں اس کہانی کے بعد بتاؤں گا۔ میں یہ کہانی اس لئے سنا رہا ہوں تاکہ آپ جان جائیں میں چار برس تک کیوں اور کیسے جھرنا سے دور رہا۔

میرے پاس دولت ہوتی تو میں اکیلا کشمیر چلا جاتا اور جھرنا سے شادی کرلیتا۔ میں تلاش معاش کے سلسلے میں کلکتہ چلا آیا۔ کسی نے مجھے بتایا کہ میرے دور کے ایک رشتہ دار ڈھاکا میں موجود ہیں۔ ان کا نام وشال چودھری تھا۔ جب وہ دہلی میں تھے ان کے ہاں میرے ماتا پتا جی کی آمدورفت تھی۔ ایک وقت تھا میرے پتا جی نے ان کی بہت مالی مدد بھی کی تھی۔ وہ بزنس کے سلسلے میں کلکتہ گئے پھر وہاں سے ڈھاکا گئے۔ انہیں ڈھاکا اتنا پسند آیا کہ انہوں نے مستقل رہائش اختیار کرلی۔ میں اس لئے بھی ڈھاکا چلا گیا کہ مجھے نہ صرف اچھی نوکری بلکہ ان کی محبت، رفاقت اور گھنے سائے کی بھی ضرورت تھی۔

میں نے ڈھاکا پہنچ کر جوگی نگر میں ایک کمرا تلاش کیا۔ وہاں کمرا نہیں ملا تو ایک ہوٹل میں کمرا لے لیا۔ جب میں وشال چودھری سے ملنے ان کے دفتر پہنچا تو مجھے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ فرط مسرت سے گلے لگایا وہ مجھ پر ناراض ہوگئے کہ میں نے ہوٹل میں قیام کیوں کیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ایک دو کمروں کا فلیٹ ان کے فلیٹ کے ساتھ ہی ہے۔ میں اس میں رہائش اختیار کرلوں۔ میں نے ایک شرط رکھی کہ میں اس کا کرایہ دیا کروں گا۔ میں نے دو ماہ کا پیشگی کرایہ بھی دے دیا۔ ان کی پتنی شکنتلا بہت تیز عورت تھیں۔ ان کی ایک نوجوان لڑکی کرن تھی۔ اس کی عمر سترہ برس کی ہوگی۔ وہ بہت حسین اور غیر معمولی پرکشش تھی گداز جسم کی مالک تھی۔

میں اپنے فلیٹ سے چوروں کی طرح نکلا تاکہ مجھ پر شکنتلا آنٹی یا کرن کی نظر نہ پڑ جائے۔ میں مایوسی کے اندھیروں میں ڈگمگاتا ہوا زینے کی طرف بڑھا تو آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر اور خوف تھا۔ کرن اپنے فلیٹ سے نکل کر میری راہ میں حائل ہوگئی۔

میں نے اس کے چہرے پر نفرت اور غصے کی لہر دیکھی۔ وہ اس عالم میں بہت حسین دکھائی دے رہی تھی۔

"کرن!" میں نے اس کی نفرت اور غصے کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا یہ آج تم کتنی حسین دکھائی دے رہی ہو؟"

"شٹ اپ!" اس کے الفاظ نے میرے وجود پر کسی زہریلی ناگن کی طرح ڈنگ مارا۔ آج میں آپ سے آخری بار کہہ رہی ہوں...... آج آپ اپنا کوئی ٹھکانہ تلاش کرلیں...... ورنہ آپ سمجھ لیں کہ آپ کا سارا سامان اٹھا کر پھینک دیا جائے گا۔"

"کیا یہ خوبصورت، نازک، سڈول اور گداز ہاتھ بھگوان نے اس لئے بنائے ہیں؟ کلائی میں موچ تو نہیں آجائے گی؟" میں نے کہا۔

"آپ میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہیں۔" وہ تنک کر بولی۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور یہ مذاق نہیں ہے۔ سوچ لیں۔"

"کرن!" میں نے اس کی شعلہ بار آنکھوں میں محبت بھری نظروں سے جھانکتے ہوئے کہا۔ "کیا تم مجھے فلیٹ کے علاوہ دل سے بھی نکال دوگی؟"

"میں آپ کی فضول باتیں سننے کے لئے نہیں کھڑی ہوں۔ میں نے آپ جیسا بے شرم، بے غیرت اور ڈھیٹ آدمی نہیں دیکھا۔"

میں کرن کے منہ سے نکلے ہوئے اس قسم کے زہریلے فقروں کا نہ جانے کب سے عادی ہو چکا تھا۔ میں نے اس کان سے سنا اور اس کان سے اڑا دیا۔ یہاں کھڑے رہنا فضول تھا۔ کیونکہ اس کی باتیں محبت بھری نہیں نفرت اور زہر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ بہت تلخ ہوتی جارہی تھیں۔ پھر میں نے زینے کی طرف قدم بڑھایا۔ اس نے کچھ اور بھی کہا تو میں نے ان سنی کردی۔ میرے لئے یہ آج کی بات نہ تھی۔ نفرتوں کی بوچھاڑ کا یہ نوٹس میں روز ہی وصول کرتا تھا اور اسے سر سے گزر جانے دیتا تھا۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ ہوتا تھا۔ میرے پاس اس کا جواب ہو بھی کیا سکتا تھا۔ میرے جواب دینے سے جیسے جلتی پر تیل گر جاتا تھا۔

میں بڑے اطمینان سے زینے کی طرف اس طرح بڑھتا چلا گیا جیسے کوئی بات نہ ہو۔ میں نے اس کی طرف پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ کرن میری اس سرکشی پر برہم سی

ہوگئی۔ غالباً اس نے آج کوئی فیصلہ سنانے کا تہیہ کرلیا تھا۔ وہ تلی بیٹھی تھی کہ میری جتنی بے عزتی کی جاسکتی ہے کی جائے۔ وہ اونچی آواز میں ہذیانی لہجے میں چیخی تھی تو اس میں تندی تھی۔

ہمیں آج سہ پہر تک فلیٹ خالی چاہئے...... آپ کے پاس صرف سہ پہر تک کا وقت ہے۔ ورنہ......"

کرن کا یہ جملہ میرے لئے نیا اور اس قدر سنسنی خیز تھا کہ میرے قدم بے اختیار ساکت ہوگئے۔ ان کی طاقت جیسے کسی نے سلب کرلی ہو۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی پلٹ کر اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں جھانکا۔ ان آنکھوں میں نفرتوں کے ساتھ ساتھ سفاکی بھی نمایاں تھی۔ اس کا حسین چہرہ پتھر کے کسی مجسمے کی طرح سپاٹ اور بے حسن دکھائی دے رہا تھا۔

میں نے ایک گہری ٹھنڈی سانس لی۔ آج اس کی حسین آنکھوں میں محبت کی ہلکی سی رمق بھی نہیں رہی تھی۔ جب کہ چھ ماہ پہلے اس کی یہی دل نواز آنکھیں مجھے دیکھ کر ستاروں کی طرح جگ مگانے لگتی تھیں۔ اس کے کان میری آہٹ سننے کے لئے منتظر رہتے تھے۔ اس کی سیاہ زلفیں ہمہ وقت میرے شانوں پر بدلیوں کی طرح چھا جاتی تھیں۔ جب میں اس کے چہرے پر جھکتا تو وہ کوئی تعرض نہیں کرتی تھی۔

میرے تصور میں چھ ماہ پیشتر کے شب و روز آئے۔ میں ان دنوں ایک اعلیٰ فرم میں کلیدی عہدے پر فائز تھا۔ میری دنیا میں مسحور کردینے والے سکوں کی کھنک گونجتی رہتی تھی۔ مجھے گاڑی ملی اور بہت ساری سہولتوں کا اضافہ ہوا تو اس کا عشق کچھ اور فزوں ہوتا چلا گیا۔ وہ بہار بن کر مجھ پر چھا جاتی۔ میری ہر صبح اپنے جلو میں ایک نیا پیغام لے کر آتی۔ چونکہ کرن بھی حسین اور بھرپور جوان تھی اس لئے میں جھرنا کو بہت کم یاد کرنے لگا۔ اس کی یادمیرے دل سے نکلی نہیں تھی۔ لیکن اس کی شدت میں اس لئے کمی آگئی تھی کہ کرن نے مجھے اسیر کرلیا تھا۔

نجانے کس کی نظر لگ گئی۔ پھر ایک روز میری زندگی میں خزاں کا ایک جھونکا

آیا۔ دفتر میں ایک شخص نندل لال میری ترقی اور عہدے پر جلا بھنا بیٹھا تھا۔ اس نے میرے خلاف ایک جادوگر کی خدمات حاصل کر کے سازش کی۔ جادوٹونا نے میرے باس کو متنفر کردیا اور اس نے مجھے ملازمت سے برطرف کردیا اور پھر میرے ستاروں کی چال ایسی بدلی کہ پھر مجھے نوکری نہیں مل سکی۔

میں کرن کی ماں شکنتلا آنٹی سے قرض لے کر گزارہ کرتا اور جوتے گھستا رہا مجھے جو تنخواہ ملتی رہی تھی میں نے اسے خوب اڑایا اور کرن پر دل کھول کر خرچ کیا۔ کیونکہ وہ مجھ پر بڑی مہربان جو تھی۔ اگر میں رقم پس انداز کر کے رکھتا تو شاید قرض لینے کی نوبت نہ آتی۔ وہ قرض دینے میں اس لئے تذبذب نہیں کرتی تھیں کہ وہ میری ماتا جی کی دور کی نہیں قریب کی رشتہ دار تھیں یا شاید انہیں یہ امید تھی کہ میں دوسری مرتبہ کوئی اچھی سی ملازمت حاصل کرلوں گا۔ کیونکہ میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں۔ مجھ میں بڑی صلاحیتیں موجود ہیں۔

میں نے جو سپنے دیکھے تھے وہ پورے نہیں ہوسکے اور دور دور تک اس کی کوئی امید بھی نظر نہیں آئی تھی۔ پھر بھی میں ایک آس لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا۔ دہلی واپس جانے کے لئے کرایہ بھی نہیں تھا اور واپس جا کر کرتا بھی کیا تھا۔ بدنصیبی شاید مجھ پر ہمیشہ کے لئے سایہ ڈال چکی تھی۔ یہ سب کچھ کیا دھرا میرے دشمن کے جادوگر کا تھا۔ ان دو ایک مہینوں میں میری محبت کرن کے دل سے نکل کر بربادی اور بے وفائی کی سیاہی میں گھل مل گئی۔ آج میں ایک درماندہ اور بے غیرت شخص بنا ہوا تھا۔ مجھے کرن سے ایسی نفرت اور بے اعتنائی کی توقع نہیں تھی۔

میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں نے کرن کے توسط سے دس ٹکے کے ایک نوٹ کی درخواست شکنتلا آنٹی تک پہنچانا چاہی تھی کیونکہ آج مجھے تین سوواں انٹرویو دینے کے لئے مس ارشاسین کے ہاں جانا تھا۔ میری جیب میں صرف دو ٹکے کا نوٹ تھا جو بس کے سفر میں یک طرفہ ساتھ دے سکتا تھا۔ میں کل رات سے بھوکا بھی تھا۔ تاہم مجھے ناشتے کے لئے نہیں بلکہ سفر کے لئے رقم کی ضرورت تھی۔ اپنی ضرورت کا اظہار جب میں نے کرن کے سامنے کیا تو وہ اس طرح بھڑک اٹھی تھی جیسے میں نے اسے ڈنک مار دیا ہو۔

میں تھکے تھکے قدموں سے ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح زینے اتر کر باہر نکل آیا۔ آج اس بات کا سو فیصد امکان تھا کہ میرا سامان باہر پھینک دیا جائے گا۔ میرے پاس سامان ہی کیا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ فلیٹ کے دروازے پر تالا لگا دیا جائے گا۔ مجھے اس کی نہیں انٹرویو کی فکر تھی، مجھے امید نہیں تھی کہ مجھے ملازمت مل جائے گی۔ پھر بھی میں انٹرویو دینے جا رہا تھا۔

جب میں نے سڑک پر قدم رکھا تو دیکھا ایک عورت اپنے کتے کو قصاب کی دکان سے تازہ گوشت خرید کر کھلا رہی تھی۔ وہ جانور بڑا خوش نصیب تھا اور میں ایک انسان ہوتے ہوئے بھی اس سے کہیں بدتر اور حقیر تھا لیکن یہ بات کوئی نئی نہیں تھی اور نہ پہلی بار ہوئی تھی۔ یہ شاید ازل سے ہوتا چلا آ رہا تھا۔ وقت نے مجھے یہ سبق دیا تھا کہ آج کل انسان سے نہیں بلکہ اس کی حیثیت سے محبت کی جاتی ہے۔ کرن نے بھی مجھے نہیں چاہا تھا۔ میری جیب سے اس کی محبت مشروط تھی۔ میری خالی جیب اور بیروزگاری نے اس کے دل سے محبت کا ہر نقش مٹا دیا تھا۔ اس نے یوں آنکھیں پھیر لی تھیں جیسے اس کا مجھ سے کبھی واسطہ اور کوئی تعلق نہ رہا ہو۔ اس کی محبت میں کھوٹ تھی۔ ان احساسات نے میرے دل پر ایک گھاؤ لگا دیا۔ خلش کا خنجر پیوست کر دیا۔ میرا جی چاہا کہ میں پُھوٹ پھوٹ کر روؤں۔ میں نے سوچا بھی کیا دنیا کی شہرت ایسی ہوتی ہے؟ اس کے باوجود میں نے اپنے دل میں کرن کے لئے نفرت محسوس نہیں کی۔ لیکن یہ ایک ایسا گھاؤ تھا معلوم نہیں کب بھرے، وقت کا مرہم ہی اسے بھر سکتا تھا۔

میں نے بس سٹاپ پر پہنچ کر اپنے ذہن سے ان خیالات کو جھٹکنے کی کوشش کی جو سپولوں کی طرح رینگ رہے تھے۔ لیکن دل پر جو دکھ کی چٹان جم گئی تھی وہ سرک بھی نہیں سکی۔ ایسا دکھ اور اذیت ناک کرب میں نے اپنی زندگی میں کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ اس بھری دنیا میں کوئی ایسا ہمدرد، دوست اور درد آشنا نہیں تھا جس کے پاس جاؤں اور اسے اپنے زخم اور گھاؤ دکھاؤں تاکہ وہ اس پر اپنی محبت کا مرہم رکھے میں نے سنا تھا کہ عورت کے پاس محبت کا ایسا مرہم ہے جو ہر درد اور زخم کو مٹا دیتا ہے لیکن کرن نے مجھے ایسے غم اور

درد اور زخم سے آشنا کیا تھا جو میرے لئے سوہان روح بن گیا تھا۔ ناسور کی طرح محسوس
ہو رہا تھا۔ میرا دل بھر آیا اور میں بے حد جذباتی ہو گیا۔ بس میں سوار ہو کر اپنی آنکھوں کے
گوشوں میں بھری ہوئی نمی چھپانے کے لئے کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔

ہر طرف زندگی رواں دواں تھی۔ مجھے لگا کہ یہ دنیا ایسی نہیں ہے جیسی نظر آتی
ہے۔ ہر شخص بہت دکھی اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ یہ دکھوں کا سمندر تھا۔ ہر شخص کے
اپنے دکھ اور اپنے زخم تھے۔ میں اور جذباتی ہو گیا۔ میں نے ایک گہرا صدمہ سا محسوس کیا۔
میں جذبات کی لہروں میں بہتا ہوا سوچوں کی وادی میں ڈوب گیا۔ اگر کنڈیکٹر کی پاٹ دار
آواز مجھے نہ چونکاتی تو میں خیالوں کی رو میں بہتا ہوا جانے کس سٹاپ پر جا پہنچتا۔ پھر مجھے
یہاں آنے کے لئے پیدل مارچ کرنا پڑتا۔ میری جیب میں کوئی سکہ نہیں تھا۔

میں بدحواس سا بس سے اترا اور کسی شکست خوردہ سپاہی کی طرح چلتا ہوا ہوٹل
انٹر کانٹی نینٹل جا پہنچا۔ یہاں کی دنیا ہی اور تھی۔ یہاں جو لوگ کار پارکنگ پر گاڑیوں سے
اتر رہے اور سوار ہو رہے تھے۔ عمارت کے اندر جا رہے اور باہر نکل رہے تھے وہ کسی اور ہی
دنیا کی مخلوق دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے چہروں پر کوئی دکھ اور کرب نہ تھا۔ وہ حال
بانہوں میں بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ جوان عورتیں اپنے ساتھی مردوں کو
بوڑھے بھی تھے وارفتہ اور میٹھی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ یہ محبت سرشاری اور والہانہ پن
اس لئے تھا کہ ان مردوں کی جیبیں نوٹوں سے بھری ہوئی تھیں۔

لفٹ میں میرے ساتھ ایک جوڑا سوار ہوا۔ لڑکی کی عمر سولہ برس کی ہوگی لیکن
بڑی بھرپور تھی۔ جوانی ٹوٹ کر برس رہی تھی۔ اس کے ساتھ جو مرد تھا اس کی عمر پچاس برس
کی ہوگی۔ وہ مرد کو تیکھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ مرد اس سے سرگوشی میں آہستگی سے
رہا تھا۔

''میں نے کمرہ رات دس بجے تک کے لئے بک کیا ہوا ہے۔ ہم اس میں
رہیں گے یہاں کوئی مداخلت کرنے والا نہیں ہوگا۔''

میں نے جیب سے ارشاسین کا ارسال کردہ انٹرویو لیٹر نکالا۔ اس مرد کے

نے میرے سارے جسم پر سنسنی دوڑا دی۔ لڑکی کے چہرے پر جیسے رجنی گندھا کا پھول کھل
رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چراغ جل اٹھے اور جسم میں جوانی کی مستی کی فراوانی بھر گئی۔
ب پل میں چشم تصور میں میں نے بہت کچھ دیکھ لیا۔ وہ شخص اپنی وضع قطع اور چہرے
رے سے امیر کبیر دکھائی دیتا تھا۔ جبکہ لڑکی ایک طالبہ لگ رہی تھی۔ اس مرد کی جیب نے
ب کلی کو ساتھی بنا لیا تھا۔ یہ کلی بستر کی زینت بن کر پھول بننے والی تھی۔ اس تصور نے اس
ے چہرے کو اور حسین بنا دیا تھا۔ یہ لڑکی خود نہیں جانتی تھی کہ کہاں جا رہی ہے۔ اس کی اس
ں کیا غرض پوشیدہ تھی مجھے کیا خبر۔ وہ دونوں بھی دسویں منزل پر لفٹ سے باہر آئے۔ راہ
ری ویران اور سنسان پڑی تھی۔ وہ بائیں جانب اور میں دائیں جانب مرد نے اس لڑکی
ں کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کر لیا اور ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ کر جیب سے
ابی نکالنے لگا۔ مجھے ان کی فکر نہیں تھی۔ میں نے لفافے میں سے تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا اسے
ہویں بار پڑھنے لگا۔ ایک سفید اور نفیس کاغذ پر یہ عبارت ٹائپ کی ہوئی تھی ''آپ اپنی
ستاویزات کے ساتھ یکم اپریل بروز پیر صبح دس بجے انٹرویو کے لئے تشریف لے آئیں۔
رشاسین۔

میں نے شاید ہی اس سے پہلے کوئی خط سادہ کاغذ پر ٹائپ کیا ہوا دیکھا ہو۔ اس
صرف ہوٹل کا نام پتا اور کمرہ نمبر درج تھا۔ یہ انٹرویو لیٹر کسی فرم کی جانب سے نہیں بلکہ
ی طور پر جاری کیا گیا تھا۔ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی کہ آخر اسے کس آسامی کو پر
رنے کے لئے کیسے شخص کی ضرورت ہے۔ ارشاسین کی جانب سے ایک مقامی روزنامے
ں تین دن تک مسلسل ایک مختصر اشتہار شائع ہوتا رہا تھا جس کی عبارت یوں تھی۔

''ایک تن تنہا، ذہین، تعلیم یافتہ اور شائستہ مزاج جوان کی ضرورت ہے۔ مشاہرہ
قع سے کہیں زیادہ دیا جائے گا۔'' ارشاسین۔ پتا پوسٹ بکس نمبر کا تھا۔

معاً میرے دل میں وسوسوں کے زہریلے سانپ پھنکارنے لگے۔ حیرت کی
ت یہ تھی کہ ارشاسین مس ہے یا مسز کچھ نہیں لکھا ہوا تھا جس سے میں مشکوک ہو گیا تھا۔ یہ
وئی فراڈی یا اسمگلر یا مافیا تو نہیں ہے جو کسی ذہین نوجوان کو اپنا آلہ کار بنا کر کوئی بڑا مقصد

حاصل کرنا چاہتی ہو۔ میں نے یہ بھی سنا تھا کہ بعض دولت مند بیوائیں جو بھرپور جوان یا چالیس برس کی ہوتی تھیں ان سے اپنا وجود اور بستر اس وقت تک میلا کرتی رہتی تھیں جب تک ان کا دل بھر نہیں جاتا تھا۔ ایسی عیاش عورتیں ہندوستان اور بنگال میں بھی موجود تھیں۔ بنگال میں ایسی عورتیں جو جادوگرنیاں تھیں وہ جوان لڑکوں کو پرندے یا جانور بنالیتی تھیں۔ ہندوستان میں عیاش عورتوں کے پاس دولت کا جادو ہوتا تھا۔ یہ جادو ایسا تھا کہ سر چڑھ کر بولتا ہے۔ ویسے بھی جوان لڑکے دولت کے لالچ میں سرپھرے بن جاتے ہیں۔ اس زمانے میں کون سا ایسا شخص ہوگا جو دولت کی دوڑ میں آگے نکلنا نہ چاہتا ہو۔ خوابوں کو پانے کے لئے دولت کی اشد ضرورت تھی۔ اس دنیا میں دولت ہی سب کچھ تھی۔ دولت کے حصول کے اندھے جنون مین آج ہر شخص مبتلا تھا۔ میں دوسروں کو الزام کیوں دوں۔ میں خود کو بھی انہی لوگوں میں شمار کرتا تھا کیونکہ بغیر پیسے کے اس دنیا میں جینا کتے کی زندگی سے بھی بدتر تھا۔ کرن نے میرے خیالات اور احساسات کو یکسر بدل دیا تھا۔ میرے اندر ایک اور ہی آدمی جنم لے چکا تھا۔

میں اس نمبر کے کمرے پر پہنچا۔ دراصل یہ سوٹ تھا۔ میں نے اس کے دروازے کو بڑی آہستگی سے اندر کی طرف دھکیلا تو کمرے میں بھنبھناہٹ سی گونج اٹھی۔ اندر بہت سارے امیدوار کسی قدر بے ترتیبی اور بدنظمی سے چاروں طرف کھڑے ہوئے تھے۔ بیٹھنے کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ میں چونک سا گیا اور اندر داخل ہوکر دروازہ بند کردیا۔ امیدواروں جوان اور نوجوان لڑکوں کے ساتھ ساتھ ادھیڑ عمر کے مرد بھی موجود تھے۔ مشاہرے کا لالچ ان سب کو کشاں کشاں کھینچ لایا تھا۔ یہ سب میری طرح ضرورت مند اور دولت کے بھوکے تھے۔ میں نے اس بھیڑ بھاڑ کا سرسری انداز سے جائزہ لیا تو میرے اندر شکستگی بڑھنے لگی۔ کیونکہ ان میں اکثر جوانوں کی پیشانیوں اور آنکھوں میں ذہانت کے ستارے جھلملا رہے تھے۔ وہ بڑے جاذب نظر، وجیہہ اور بلند قامت کے تھے۔ ان کے کلین شیو چہروں اور تروتازہ ہونٹوں پر ایک دل کش فاتحانہ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ ان کا ظاہری حسن، وضع قطع اور شائستگی ہر کسی کو متاثر کرسکتی تھی۔ میں نے ایک سرد آ

ہری اور ان سب پر حسرت ناک نگاہ ڈال کر رہ گیا۔ میں نے اپنے دل میں امیدوں کی جو شمع جلائی وہ یہاں آتے ہی مایوسی کے تھپیڑوں سے بجھنے لگی۔ میں نے لمحے بھر کو سوچا بھی کہ ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلا جاؤں۔ کیونکہ قسمت آزمائی کا موقع ملنے کی کوئی امید بھی نہیں تھی۔ مگر پھر ایک خیال یہ بھی آیا کہ یہاں سے نکل کر کہاں جاؤں گا......؟ باہر چلچلاتی دھوپ میں سڑکیں ناپنے سے بہتر ہے کہ اس سرد کمرے میں بیٹھا رہوں۔ آج ایک ور انٹرویو دے کر اپنی تیسری سنچری مکمل کروں۔ آخر ناکامیوں کا بھی ایک شاندار ریکارڈ ونا چاہئے۔

جس کسی نے بھی مجھے دیکھا وہ میرے چہرے مہرے اور کپڑوں کو دیکھ کر بے ختیار مسکرا دیا۔ دو ایک امیدوار جو شاید آپس میں دوست تھے وہ ایک دوسرے کو کہنیاں مار کر غیر محسوس انداز سے میری طرف اشارہ کررہے تھے۔ ان کا تمسخر چہروں سے صاف ظاہر تھا۔ مگر میں ان سب کو نظرانداز کرتا ہوا سیدھا اس کاؤنٹر کے پاس جہاں ایک دل ربا یامت موجود تھی۔ تمام امیدواروں سے بے نیاز ایک رجسٹر پر جھکی ہوئی تھی۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو میری سانسیں اس کے لباس سے اٹھتی ہوئی خوشبو سے مہک اٹھیں۔ اس کے کھلے بلاؤز سے جو نظارہ دل کو برما رہا تھا وہ بڑا ہیجان خیز تھا۔ عورت کیوں اس کی نمائش کرتی اور اس سے متوجہ کرنا کیوں چاہتی ہے یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ں کی اس بے حجابی سے امیدوار بھی محظوظ ہورہے تھے۔

مجھے اس لمحے ایک پولیس افسر کا انٹرویو یاد آیا۔ اس نے اپنے انٹرویو میں بتایا تھا کہ جو لڑکیاں اور شادی شدہ عورتیں بے حرمتی کا نشانہ بنتی اور انہیں اغوا کرلیا جاتا ہے اس کی بہ ان کی نیم عریانی اور بے حجاب لباس ہے۔ غنڈوں کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ اس کے باوجود لڑکیاں اور عورتیں نامناسب لباس سے اپنے آپ کو نمایاں کرتی رہتی ہیں۔ جس رح کسی کے پاس دولت دیکھ کر دل بھر آتا ہے اس طرح ایک عورت کے پرکشش خزانے ردوں کو ورغلا دیتے ہیں۔ چونکہ اس میں دولت سے زیادہ کشش ہوتی ہے اس لئے وہ رندگی کا نشانہ بن جاتی ہیں۔ اس طرح یہ بات بالکل سچ بھی تھی۔

جیسے اس بت طناز کو اس بات کا احساس ہوا کہ کوئی اس کے سامنے موجود ہ
اس نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا۔ میری نظروں کی سمت کو محسوس کر کے اس نے فوراً
ساری کا پلو سینے اور شانے پر درست کر کے مجھے اس نظارے سے محروم کر دیا۔
اس کی آنکھیں سوالیہ نشان بن گئیں۔ ''یس پلیز!'' اس کے لہجے میں ہلکی
جھنجھلاہٹ اور چہرے پر ناگواری تھی۔
اسے میری یہ حرکت شاید ناگوار لگی تھی کہ میں نے اپنی نظروں میں اسے جذب
کر لیا تھا۔ اس سے کون کہے کہ تم ایسا لباس کیوں پہنتی ہو؟
اس میں مردوں کا کوئی دوش نہیں بلکہ سارا دوش تمہارا اپنا ہے۔ جب ایسا لبا
پہنتی ہو تو پھر ناگواری کیوں؟
میں نے آہستگی سے انٹرویو لیٹر اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''آپ اسے ایک نظ
دیکھ لیں؟''
اس نے خط کھول کر اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی اور پھر میری طرف دیکھتی ہو
بولی۔
''آپ کو دس بجے کا وقت دیا گیا تھا اور آپ بارہ بجے تشریف لا رہے ہیں!
اس کے شیریں لہجے میں سرزنش کا سا انداز تھا۔ میں نے اس کی جھیل جیسی آنکھوں م
ڈوبتے ہوئے پوچھا۔ ''دس اور بارہ میں کوئی فرق ہے کیا؟''
''یعنی دو گھنٹے کی تاخیر کوئی معنی نہیں رکھتی کیا......؟'' اس نے مجھے تیز نظروں
گھورتے ہوئے کہا۔ ''وقت کی پابندی بہت اہم اور ضروری ہوتی ہے مسٹر! جس نے و
کی قدر نہیں کی وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا؟''
''وقت کی پابندی صرف مجھ پر نہیں بلکہ ہم دونوں پر لازم ہے۔'' میں نے
کے حسین چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر دیں۔ ''نہیں تو یہ گاڑی کیسے چلے گی۔'' میں
قدرے جھک کر اور اس کے قریب ہو کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔
''آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے برہمی سے

ی تیوریاں چڑھ گئیں۔
''آپ لوگوں نے ان سب کو یہاں انٹرویو کے لئے صبح دس بجے بلایا تھا۔'' میں
اس کی برہمی کو نظرانداز کرتے ہوئے پلٹ کر امیدواروں کی جانب اشارہ کیا ''کیا ان
ں کا انٹرویو ہو گیا ہے......؟ یا سب کسی لاٹری کے بڑے نتیجے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے
''
اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں اور پھر سکڑتی چلی گئیں۔ وہ لاجواب سی ہو کر
ائی تو اس کے شیریں لبوں پر جیسے کلیاں چٹک اٹھیں۔ اس کے چہرے پر دھنک کا ایک
آ کر بکھر گیا۔
''میں نے محض دل بستگی اور وقت گزاری کے لئے اپنا عذر پیش کیا...... دو گھنٹے کی
ر میں میرا سرے سے کوئی دوش نہیں ہے۔ دراصل اس شہر میں ٹرانسپورٹ کا نظام معشوق
زاج کی طرح بگڑا ہوا ہے۔ بڑا ناقص بھی ہے۔''
''میں آپ کی معذرت قبول کئے لیتی ہوں۔'' وہ کھنکتے ہوئے لہجے میں بولی۔
ں کے سوا کوئی چارہ بھی نظر نہیں آتا ہے مگر آپ کی سزا یہ ہے کہ آپ کی باری سب سے
میں آئے گی۔ کیونکہ آپ آخر میں تشریف لائے ہیں۔''
''مجھے اس سزا کی کوئی فکر و پروا نہیں ہے۔'' میں یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔ ''کیا
ا دوپہر اور رات کے کھانے کا بھی کوئی انتظام کیا گیا ہے؟''
اس کے حسین چہرے پر گہرا استعجاب بکھر گیا۔ اس نے منجمد آنکھوں سے دیکھا۔
س لئے......؟''
''کیا رات کے کھانے کے وقت سے پہلے پہلے میں اپنی باری کی امید رکھوں؟''
نے امیدواروں کے ہجوم کی طرف اشارہ کیا اور مسکرا دیا۔
''کیوں نہیں......؟'' وہ اپنی ہنسی پر قابو نہ پا سکی اور ایک دم سے کھل کھلا کر ہنس
ا۔ ''صرف ایک گھنٹے میں ان سب کو فارغ کر دیا جائے گا...... آپ دوپہر کا کھانا بڑے
ان سے گھر جا کر کھا سکتے ہیں۔ ابھی لنچ میں خاصی دیر باقی ہے۔''

پھر وہ یکایک اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تو اس کی ساری مرد کے پیر کی طرح
پھسل گی۔ اس نے پلو کو اٹھا کو فوراً ہی درست کیا پھر اس نے ایک رجسٹر اور فائل اٹھائی اور
سامنے والے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔

اس کمرے کے باہر ایک خرانٹ قسم کا گورکھا چپڑاسی اسٹول پر بیٹھا ہوا تھا جو تمام
امیدواروں کے مقابلے میں کسی قدر صحت مند اور توانا جسم کا تھا۔ مجھ جیسے دس آدمی بھی اس
کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ انٹرویو میں دو گھنٹے کی تاخیر کی وجہ کچھ سمجھ میں نہیں آئی......
امیدواروں میں بے چینی اور اضطراب کی جو لہر اٹھی ہوئی تھی وہ بڑھتی ہی جا رہی تھی اور انہیں
غصہ بھی آ رہا تھا۔

وہ دل ربا چند لمحوں کے بعد مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر آئی۔ اس نے اپنے
ہاتھ میں جو رجسٹر تھاما ہوا تھا اسے کھولا۔ پھر اس نے اپنی باریک آواز میں نام پکارا۔ "مسٹر
کشورلال!......"

گورکھا چپڑاسی بڑے جارحانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے کے پاس
مستعد ہو کر کھڑا ہوگیا۔ سب سے پہلے اس لڑکی نے جس کا نام پکارا تھا وہ ایک وجیہہ اور
کسرتی بدن کا نوجوان تھا۔ وہ اپنی ٹائی کی گرہ درست کرتا ہوا اندرونی کمرے کی جانب
بڑھا تو اس کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ اس کے تمتماتے ہوئے چہرے پر پسینے کی
بوندیں پھوٹ پڑی تھیں۔ وہ نروس سا ہو کر دروازے کے پاس پہنچا تو چپڑاسی نے درواز
صرف اتنا کھولا کہ ایک آدمی بہ آسانی گزر کر اندر جاسکے اور کمرے کا اندرونی منظر باہ
والوں کو دکھائی نہ دے۔ اس امیدوار کے اندر داخل ہوتے ہی چپڑاسی نے فوراً ہی درواز
بند کر دیا۔ اس قدر پراسرار سی حرکت اور احتیاط میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ اس نے مجھے چو
اور مشکوک کر دیا تھا۔

انٹرویو کا آغاز کیا ہوا اس ہال نما کمرے میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ یوں لگتا
جیسے دشمن نے اچانک طبل جنگ بجا دیا ہو اور سب اپنی اپنی صفیں درست کرنے لگے ہوں
کسی نے اپنے کوٹ کے بٹن لگائے تو کسی نے اپنے چمک دار جوتوں کی پالش کا جائزہ لیا

یہاں میک اپ کے لوازمات اور قد آدم آئینہ ہوتا تو غالباً میک اپ بھی شروع ہو جاتا۔
ان کے سپنوں کا زیر و بم اور چہروں پر اضطراب کی جھلملاہٹ دیکھ رہا تھا۔ ہر کسی کو شاید
کامیابی کا زعم تھا۔

میں استقبالیہ کاؤنٹر سے ہٹ کر ایک خالی کرسی پر براجمان ہوگیا جو بیرونی
زے کے قریب رکھی ہوئی تھی۔ میں اس جگہ بیٹھ کر اس کمرے کے اندر جانے اور باہر
نے والے امیدواروں کے چہرے پڑھ سکتا تھا۔ کاؤنٹر پر جو قیامت بیٹھی ہوئی تھی وہ بھی
ی نظروں کی گرفت میں تھی۔ جب بھی میری نظریں اس سے چار ہوتیں اس کے لبوں پر
پراسرار مسکراہٹ ابھر آتی۔ جانے کیوں مجھے اس کی مسکراہٹ سے ایک ان جانا سا
محسوس ہونے لگتا اور جسم میں سنسنی دوڑ جاتی۔ ایک دوبار میری نظروں نے ایسا محسوس
کہ وہ عورت نہیں کوئی حسین ناگن ہے اور کسی بھی لمحے کسی کو ڈس بھی سکتی ہے۔ وہ مجھے
ن کے روپ میں دکھائی دی تھی۔ یہ میرا واہمہ تھا۔ اگر وہ ناگن کے روپ میں آ جاتی تو
رے امیدوار نکل بھاگتے۔

پہلے امیدوار کو اندر گئے ہوئے چند لمحے بھی نہیں بیتے تھے کہ وہ دیوانوں کی طرح
آیا۔ اس کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں دہشت نمایاں تھی
چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔ وہ تیر کی مانند ہمارے درمیان سے نکلتا چلا گیا۔ میں نے اور
رے امیدواروں نے اسے شدید حیرانی سے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرے کیا کسی کی
میں بھی کچھ نہیں آیا تھا۔

دوسرا اندر گیا بھی نہیں تھا کہ الٹے قدموں واپس لوٹ آیا۔ وہ اس قدر حواس
تھا کہ اسے اپنا ہوش بھی نہیں تھا۔ وہ کسی کتے کی طرح دم دبا کر بھاگا۔ تیسرے نمبر پر
ر بہادر صاحب گئے تھے وہ سٹ پٹاتے ہوئے نکلے اور ایک شرابی کی طرح لڑکھڑاتے
رتے پڑتے سنبھلے اور پھر انہوں نے سیدھے باہر کا راستہ ناپا۔

ہم سب اپنی جگہ دم بخود تھے۔ جو امیدوار بھی اندر جاتا وہ چند لمحوں کے بعد اسی
ح سے واپس آتا کہ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہوتیں۔ ایک صاحب تو اندر

سے نکل کر باہر کی جانب اس تیزی سے دوڑے جیسے ان کی تلاش میں کوئی خبیث روح لگ
ہوئی ہے۔ ان کے اوسان قابو میں نہیں تھے۔ باہر کے دروازے تک پہنچتے پہنچتے وہ کئی با
لڑکھڑائے مگر جیسے تیسے باہر نکل ہی گئے۔

ناکام امیدواروں کی اس ہیبت کذائی پر مجھے ہنسی کے ساتھ ساتھ ترس بھی آر
تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ بھگوان جانے ان امیدواروں کے ساتھ اندر کیا ماجرا پیش آر
ہے؟ یہ کیسی درگت بنائی جا رہی ہے؟ ذہن میں کوئی تصور نہیں سما رہا تھا۔ اندر ارشاسین ۔
یا کوئی بلا انسانی شکل میں موجود ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ارشاسین انتہائی بدصورت ا
مکروہ ہو یا پھر ناگن موجود ہو۔ اتنا اندازہ ہو رہا تھا کہ اندر جو عورت بھی ہے وہ کسی ای
روپ میں ہے کہ جسے دیکھو وہ لرزے کا مریض بنا ہوا واپس آ رہا ہے۔ ان لوگوں کی بگڑ
ہوئی مضحکہ خیز شکلیں دیکھ دیکھ کر اکثر جوانوں کے رنگ اڑ گئے تھے۔ وہ نہ صرف لر
براندام بلکہ دہشت زدہ ہو گئے اور مسکرانا بھی بھول گئے تھے۔ ماحول بڑا پراسرار اور ڈ
بھیانک ہوتی جا رہی تھی۔ میری حیرت اور تجسس بڑھتا جا رہا تھا کہ کمرے میں آخر ہے کیا

ان امیدواروں میں ایک صاحب بڑے سورما بنے کھڑے ہوئے تھے۔ ج
ان کی باری آئی تو وہ سینہ تان کر کسی جرنیل کی طرح اندر گئے مگر جب وہ باہر آئے تو ا
ساری چوکڑی بھول چکے تھے۔ ان کے ایک دوست نے انہیں آہستگی سے آواز بھی دی
انہیں تو اپنا ہی ہوش نہیں تھا۔ وہ استقبالیہ کمرے میں پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگتے ر
جیسے کوئی کھڑکی تلاش کر رہے ہوں تاکہ اس کھڑکی کے راستے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لیں
ان سورما صاحب کو کوئی کھڑکی دکھائی نہیں دی تو وہ پاگلوں کی طرح ہنستے ہوئے باہر
گئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر کئی امیدواروں نے چپ چاپ کھسک جانے میں اپنی عا
سمجھی اور انٹرویو دیئے بغیر بھاگ نکلے۔

میرے جسم میں ٹھنڈے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ میں کوئی تیس مار خان تو نہیں
اور نہ کوئی مافوق الفطرت انسان...... میرے دل میں آیا کہ میں بھی کسی بہانے کھسک
جاؤں۔ یہ سوچ کر میں اپنی کرسی سے اٹھا ہی تھا کہ ایک نوجوان ارشاسین کے کمرے

آیا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر خوف و ہراس نمایاں تھا۔

میں نے اس کا راستہ روک کر پوچھا۔ اندر کون ہے؟ ارشاسین ہے کون؟ وہ
ریت یا کوئی چڑیل جو آپ اس قدر حواس باختہ ہو رہے ہیں۔'' میں نے اس کا بازو
لیا۔ کہیں وہ جواب دیئے بغیر کمرے سے نکل نہ جائے۔

اس نوجوان نے متوحش نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''وہ عفریت ہے...... وہ
وہ......'' اس کی آواز لرزنے لگی۔

''ارشاسین تو ایک عورت ہے...... وہ عفریت کیسے ہوگی......؟'' میں نے کہا
لیز! ڈرو نہیں ٹھیک...... ٹھیک بتاؤ۔''

''میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی خوفناک عورت نہیں دیکھی...... شاید ایسی
ت کا ذکر بھی نہیں سنا۔''

''میرے خیال میں ارشاسین ایک مہذب اور تعلیم یافتہ عورت ہے۔ آپ اس
بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ......''

''اسے عورت کہنا...... عورت کی توہین ہے۔'' اس نے یک بارگی پلٹ کر اس
رے کی جانب دیکھا تو اس کی آنکھیں خوف سے پھٹنے لگیں اس عورت سے تو ایک
یل اور بدروح بھی پناہ مانگے گی...... وہ شیطان کی خالہ ہے۔''

اس نے اپنا بازو چھڑا لیا اور باہر کی جانب قدم بڑھایا تھا کہ میں نے لپک کر پھر
کا بازو پکڑ لیا۔ ''آخر وہ عورت ہے کیا چیز......؟''

اس نے اپنی سراسیمگی پر کسی حد تک قابو پا کر سرگوشی میں بہت ہی آہستگی سے
ا۔

''میرے دوست! یہاں سے ابھی اور اسی وقت بھاگ چلو...... عورت تو کیا
وہ موت کا فرشتہ ہے...... تم کیوں اپنا خون اور وقت ضائع کرنا چاہتے ہو؟ کیا تمہیں
جان پیاری نہیں ہے......؟ تم زندہ رہنا نہیں چاہتے؟''

''مجھے اپنی زندگی بہت پیاری ہے۔'' میں کہنے لگا۔ ''مجھے یہ تو بتاؤ کہ وہ عورت

کس طرح پیش آتی ہے..... ؟ وہ کیا چاہتی ہے..... ؟ کیا پوچھتی ہے؟..... اس کے سوالات
کی نوعیت کس قسم کی ہے؟ آخر ایسی کون سی بات ہے جسے دیکھو وہ دہشت زدہ ہو کر باہر چلا
آتا ہے۔"

میں نے اس کا بازو پکڑ کر بری طرح جھنجھوڑ دیا تا کہ وہ ہوش میں آ کر کچھ تفصیل
بتا سکے۔

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا تو میں نے اس سے پھر پوچھا۔ "کیا وہ
کوئی انتہائی بدصورت عورت ہے کہ اسے دیکھتے ہی جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے؟ روح فنا
ہو جاتی ہے؟ پلیز! مجھے بتا دو....."

اس نے ایک جھٹکے سے بازو چھڑوالیا "میں نے تمہیں بتا دیا پھر بھی تم پوچھ رہے
ہو؟ ہٹ جاؤ۔"

"تم نے کہاں بتایا.....؟" میں اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔ "تم اس کے بارے
میں بتاتے ہوئے ڈر کیوں رہے ہو؟"

"مجھے روکو نہیں..... جانے دو..... وہ زہریلی ناگن ہے۔ فتنہ ہے..... آسمانی بلا
ہے۔ وہ آ رہی ہو گی..... آ رہی ہو گی....."

میں اس کی اور باہر کے دروازے کی راہ میں حائل کھڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے
پر کرختگی ابھری۔ اس کی آنکھوں سے سفاکی جھانکنے لگی۔ اس نے مجھے اتنے زور سے دھکا
دیا کہ میرے لئے توازن برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔ میں دیوار سے جا ٹکرایا اور وہ دروازہ
کھول کر یہ جا اور وہ جا..... اور میں اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر کوئی آٹھ دس جوان لڑکے اور ادھیڑ
کے آدمی بھی باہر نکل گئے۔ لیکن میں حیران و پریشان اور کسی قدر ہراساں ہو کر اپنی جگہ ایک
بے جان سا مجسمہ بنا کھڑا رہا۔ میں اس عورت کے بارے میں جتنا سوچتا میرا دماغ
چکرانے لگتا۔ میں بری طرح الجھ گیا تھا اور الجھتا ہی جا رہا تھا۔ میرے دل میں خوف کی جگہ
تجسس نے لے لی تھی۔

جانے کیوں ایک لمحے کے لئے مجھے جھرنا یاد آ گئی۔ آخر وہ بھی ایک عورت تھی۔
گو وہ اور اس کی زندگی ایک طرح سے ہم تینوں دوستوں کو کچھ عجیب اور پراسرار سی لگی
تھی۔ لیکن وہ خوفناک یا عفریت نہیں تھی۔ ایک حسین و جمیل عورت تھی۔ جتنی حسین تھی اتنی
ہی نازک اندام بھی..... میں نے پھر جھرنا کا خیال دل سے نکال دیا۔ کیا معلوم اس نے
شادی کر کے اپنا گھر بسا لیا ہو۔

میں ایک عجیب سی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا۔ کیا ارشا سین،
شکنتلا آنٹی سے بھی زیادہ شیطان صفت اور خوفناک عورت ہو گی۔ میں کئی مہینوں سے اس
عورت کو برداشت کر رہا تھا تو ایسا لگ رہا تھا جیسے کتنے جگ سے یہ عذاب سہہ رہا ہوں۔
شکنتلا آنٹی کے طنزیہ جملوں کی بوچھاڑ..... گالیوں کی بارش اور بے اعتنائی کے نشتر جس
طرح میں سہتا تھا وہ میرا دل ہی جانتا تھا۔ وہ عورت نہیں بلا تھی۔ ایک کالی بلا..... ارشا سین
بھی ایک کالی بلا..... اور پھر کرن بھی ایک بلا بن گئی تھی۔

میری زندگی میں کالی بلائیں چلی آ رہی تھیں۔ ایک نہیں تین کالی بلائیں..... دو
بلاؤں سے واسطہ پڑ چکا تھا۔ اب تیسری بلا سے واسطہ پڑنے والا تھا۔ لیکن ابھی تک اس بلا
سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ شکنتلا اور کرن جیسی بلاؤں میں چھٹکارا پانے والا تھا۔ اب تک نہیں
پا سکا تھا۔ میں ایک بے غیرت، محتاج اور قلاش شخص ہونے کے ناتے کر بھی کیا سکتا تھا؟

میری نگاہ غیر ارادی طور پر کاؤنٹر کی جانب اٹھ گئی۔ وہ قیامت میری جانب
دزدیدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی میری دگرگوں حالت پر لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس کے
شیریں لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ ابھری تو میں نے بھی ایک شوخ اور چلبلی مسکراہٹ اس
کی جانب پھینکی تو وہ سرخ ہو گئی۔ اس کے چہرے پر حیا نکھرنے لگی۔ اس حیا نے اسے اور
نکھار دیا تھا۔

میں دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے ایک گہرا سانس لیا۔ میرے دل سے
ارشا سین کا خوف آہستہ آہستہ دور ہوتا گیا۔ "ایک امیدوار اندر سے باہر آئے تو وہ کچھ
پریشان سے دکھائی دیئے لیکن وہ حواس باختہ یا گھبرائے ہوئے نہیں تھے۔

آخری امیدوار میں رہ گیا تھا۔ میرے سوا کوئی اور امیدوار کمرے میں نہیں تھا۔

جب میری باری آئی تو میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ میں پوری طرح اپنے حواس اور قابو میں تھا۔ پھر بھی میرے ماتھے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ پڑی تھیں۔ جب میں نے ارشاسین کے کمرے کی جانب جاتے ہوئے اس بت طناز پر ایک نگاہ ڈالی تو وہ یکا یک کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

میں اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے؟ کیا میری شکل کسی مسخرے کی طرح ہے؟''

''نجانے کیوں مجھے ہنسی آ گئی۔'' وہ ندامت سے بولی۔ ''پلیز! آپ کسی بات کا خیال نہ کریں۔''

''دیکھیں...... اس عقوبت خانے میں جا کر میری کیا حالت ہوتی ہے...... ویسے مجھے اپنی کامیابی کی کوئی امید دکھائی نہیں دیتی ہے۔''

''آپ مایوسی کی باتیں کس لئے کر رہے ہیں؟'' اس نے بڑی اپنائیت اور خلوص سے مجھے دلاسا دیا۔ ہمت بندھائی۔ ''آپ حوصلہ مت ہاریں۔ آپ اپنی قسمت آزمالیں۔ قسمت مہربان ہو جائے تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔''

''کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ ارشاسین کس قسم کی جاب دینا چاہتی ہیں؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے پوچھا۔

''جی نہیں...... میں نہیں جانتی ہوں۔ باس نے نہ تو بتایا اور نہ میں نے ان سے دریافت کیا۔ کیوں کہ میں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔''

اس کے لہجے میں سچائی ٹپک رہی تھی۔ جب میں دروازے کی طرف بڑھا تو میرے اندر چلنے کی سکت بالکل بھی نہیں رہی تھی۔ میں اندر سے کھوکھلا، نڈھال اور بے جان سا ہوا جا رہا تھا۔ جیسے کسی لق و دق صحرا میں...... تپتی ہوئی دھوپ اور ریت پر پھیلے ہوئے میلوں کی مسافت طے کر کے چلا آ رہا ہوں۔ ارشاسین کے خوف نے نہیں بلکہ بھوک کی عفریت نے مجھے اس حالت تک پہنچا دیا تھا۔ رات میں نے ایک معمولی سے ہوٹل میں

واہیات قسم کی چائے پی تھی اور بھوکا سو گیا تھا۔ اب تک ایک کھیل بھی اڑ کر منہ میں نہیں گئی تھی۔ میرے دل کے کسی گوشے میں ارشاسین کسی بھی خوفناک سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس چڑیل کا تصور ہی بڑا خوفناک تھا۔ لیکن میں مرتا نہ کیا کرتا...... ایک کالی بلا سے سامنا کرنے جا رہا تھا۔

گورکھا چپڑاسی جانے کس کام سے تھوڑی دیر پہلے ہی باہر چلا گیا تھا۔ اس لئے مجھے ہی دروازہ کھولنے اور بند کرنے کا کام کرنا پڑا تھا۔ جب میں نے اس کمرے میں قدم رکھا تو میرے پیروں میں ایک ڈگمگاہٹ سی تھی۔ جب میں نے دروازے کے پاس کھڑے ہو کر سامنے نگاہ ڈالی تو میرے سارے بدن پر ایک جھرجھری سی آ گئی اور رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ میں نے سہم کر دیکھا۔ ایک لمبی چوڑی اور بے حد صاف ستھری میز پر ایک فائل کھلی ہوئی رکھی تھی۔ اس فائل پر ایک عورت جھکی ہوئی تیزی سے کچھ لکھنے میں منہمک تھی۔ اس کے لکھنے کے انداز سے تمکنت جھلک رہی تھی وہ بغیر آستین کے سفید بلاؤز اور سفید ساری میں ملبوس تھی۔

میری نظروں کے سامنے ایک کوندا سا لپکا۔ میری آنکھوں کے سامنے پھیلتا ہوا گھپ اندھیرا یکا یک تیز اور چندھیا دینے والی روشنی میں بدل گیا۔ میں نے اپنی ساکت پلکوں اور منجمد آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے حیرت سے سوچا۔ کیا چڑیل ایسی ہی ہوتی ہے؟ وہ میرے اس تصور سے یکسر مختلف تھی جو میں نے اپنے ذہن میں قائم کیا ہوا تھا۔

پہلے تو مجھے اس پر جھرنا کا دھوکا ہوا...... لیکن وہ جھرنا نہیں تھی۔ نہ ہی بلا تھی۔

وہ تو آسمان پر دمکتا اور مسکراتا ہوا ایک چاند تھا جو نجانے کب اور کیسے زمین پر اتر کر اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت اس میز پر جگمگا رہا تھا۔

قدرت کے اس نادر شاہکار کو دیکھ کر میری تحیر زدہ آنکھوں میں ایک عجیب سا نشہ چھا گیا تھا۔ میرے سامنے ایک جیتی جاگتی تصویر کسی خوبصورت مجسمے کی مانند تمکنت اور وقار سے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ قدرت کی صناعی کا منہ بولتا ہوا شاہکار تھی۔ اس کے گردن تک نفاست سے ترشے ہوئے سیاہ بالوں میں جیسے چاندنی بھر رہی تھی۔ کھلی کھلی پیشانی، بڑی

بڑی غلافی آنکھیں، سجل نقش و نگار...... ساری اور بلاؤز کی دودھیا رنگت نے اس کے رخساروں اور حسین بانہوں کی گلابی رنگت اور پرکشش بنا دی تھی۔ اس کے گلے میں پڑی سچے موتیوں کی مالا نے اس کے حسن میں ایک قدرت پیدا کردی تھی۔ اپنی آن بان اور ظاہری وضع قطع سے وہ کسی ریاست کی مہارانی دکھائی دے رہی تھی۔

یہ واقعی بلا تھی...... کالی نہیں حسین بلا۔

☆......☆......☆

میں نے اپنے چکراتے ہوئے دماغ پر قابو پایا یہ کس طرح اور کیسے یہ میں ہی جانتا ہوں۔ یہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ پھر میں نپے تلے قدموں سے چلتا ہوا میز کے قریب جا کھڑا ہوا تو ایسا لگا جیسے میں نے صدیوں کی مسافت طے کی ہو۔ کانٹوں پر چل کر آیا ہوں۔

اس کا تراشیدہ، چھریرا اور نازک بدن جس میں شاخ گل جیسی لچک تھی قریب سے اور دل کش نظر آ رہا تھا۔ وہ کشش کے خزانے سے بھرا ہوا تھا۔ میری نگاہیں تھیں اس کے سراپا کے ایک حصے پر ٹک ہی نہیں رہی تھیں کیا دیکھوں کیا نہ دیکھوں۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ میری نگاہیں کسی ضدی بچے کی طرح مچل رہی تھیں اور وہ میری نظروں میں جذب ہو رہی تھی۔

مجھے اس سے ایسا لگا جیسے یہ کوئی زہریلی ناگن ہے اور کسی بھی لمحے ڈس لے گی لیکن میں تو جیسے ڈسا جا چکا تھا۔

''تشریف رکھیے......'' اس نے میری طرف دیکھے بغیر ہاتھ سے اشارہ کیا۔

یک بارگی خاموش فضا میں جل ترنگ بج اٹھے۔ لہجے کی نفاست میں فصاحت بول رہی تھی۔ تاہم اس کی صراحی دار گردن اب بھی کسی شاخ گل کی طرح جھکی ہوئی تھی۔ فائل میں لگی ہوئی ایک درخواست پر کوئی نوٹ لکھتی جا رہی تھی۔ اس لئے اس کی ساری توجہ فائل پر مرکوز تھی۔ میں نے کرسی اپنی جانب کھینچی اور بڑی آہستگی سے اپنے آپ کو اس پر گرا دیا۔ اگر وہ چند لمحے اور مجھے بیٹھنے کے لئے نہ کہتی تو شاید میرے لئے اپنے قدموں پر کھ

رہنا دشوار ہو جاتا اور میں فرش پر گر کر فوراً اٹھنے کے قابل نہ رہتا۔

''آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟'' اس نے سپاٹ اور کاروباری لہجے میں پوچھا۔ اس کا انداز غیر رسمی سا تھا۔

''میرا تعلق......؟'' میں نے اتنی آہستگی سے کہا کہ شاید اس نے سنا نہیں۔

میں نے فوری طور پر جواب دینے میں پس و پیش کیا۔ کیونکہ میرے حلق میں گرہیں پڑ گئی تھیں۔ لیکن یہ سوال عجیب و غریب تھا۔ یہ سوال کسی غیر ملک میں پوچھا جاتا تو اس میں حیرت کی بات نہ ہوتی۔ میں ایک ایشیائی تھا کوئی امریکی یا یورپی باشندہ نہ تھا کیونکہ اس سوال کا جواب دینا بہت ضروری تھا۔ اس لئے میں نے یہ مشکل جواب دیا۔

''اس سرزمین سے جو میری دشمن بن گئی ہے۔'' یہ جواب جیسے میں نے نہیں بلکہ میرے زخم خوردہ دل نے دیا تھا۔

اس نے میری آواز میں لرزیدگی اور طنز محسوس کیا تو اس کا لکھتا ہوا ہاتھ یک لخت رک گیا پھر اس نے چونک کر اپنی صراحی دار گردن اس طرح اور انداز سے اوپر اٹھائی جیسے زہریلی ناگن اپنا پھن اٹھاتی ہے۔ اس کے چہرے پر استعجاب سا تھا۔

ہم دونوں کی نظریں چار ہوئیں۔ میں ان حسین اور بلور جیسی صاف و شفاف آنکھوں کی تاب نہ لا سکا۔ ان بڑی بڑی خوب صورت سیاہ آنکھوں کے سحر کی میں تاب نہ لا سکا۔ اس نے میرے سینے میں سرد آہوں کا غبار بھر دیا۔

ارشا سین نے مجھے دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ غالباً اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا تھا کہ کوئی شخص اس حلیے میں انٹرویو دینے آ سکتا ہے۔ اس کے چہرے پر ناگواری نہیں تھی۔ میں دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ مجھے بھکاری سمجھ کر کمرے سے نکل جانے کے لئے نہ کہے۔

اس نے تحیر کے عالم میں اپنا سڈول اور حسین ہاتھ میری جانب بڑھایا۔ ''آپ کے کاغذات کہاں ہیں؟''

میری نگاہ لمحے بھر تک اس کی حسین اور سڈول کلائی پر ایک ٹک جمی رہی۔ اس

میں بھی کیا حسن تھا۔ میں فوراً ہی چونک گیا۔ میری یہ حرکت معیوب سی تھی۔ میں نے فوراً
جیب سے انٹرویو لیٹر نکال کر اس کی جانب بڑھا دیا۔

ارشا سین نے میرے ہاتھ سے خط لے کر اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ دوسر
لمحے اس نے خط کو برہمی سے میز پر ڈال دیا۔ ''میں نے آپ سے خط نہیں بلکہ آپ
دستاویزات مانگی ہیں۔'' ارشا سین نے تلخی سے کہا۔

اس کے لہجے کی تلخی اور خط پھینکنے کے برہمی انداز سے مجھے اپنے سینے میں اک
چھری سی اترتی محسوس ہوئی۔ لیکن میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ ''اگر آپ
دستاویزات دیکھ کر ہی ملازمت دینا تھی تو پھر اس ڈرامے کی کیا ضرورت تھی؟''

''کیا ڈرامہ......؟'' ارشا سین کی چاندسی پیشانی پر شکنوں کا جال پھیل گیا پھر ا
نے تیز وتند لہجے میں کہا۔

''کیا آپ کے خیال میں یہاں کسی سٹیج ڈرامے کی ری ہرسل ہو رہی ہے؟''

اس کی تیوریاں دیکھ کر میری رگوں میں ایک سرد لہر برقی رو کی طرح پھیل گ
سارے جسم میں ایک عجیب سی سنسناہٹ محسوس ہونے لگی۔ جواب دینے کی ہمت نہ
ہو پا رہی تھی۔ تاہم میں نے جی کڑا کے جواب دیا۔ ''میری مراد انٹرویو سے تھی۔''

''کیا آپ کے نزدیک انٹرویو، ایک ہنسی، مذاق ہے اور ناٹک کھیلا جا رہا ہے
اس کی حسین آنکھیں غضب ناک ہو گئیں۔

''میں نے آپ سے کب کہا کہ یہ انٹرویو ایک ہنسی مذاق اور ناٹک ہے۔''
نے جواب دیا مجھے اپنی آواز بے جان سی لگ رہی تھی۔ ''صرف تعلیمی اسناد دیکھ کر
انتخاب کر لینا سراسر زیادتی ہے۔ اگر آپ کے نزدیک محض اسناد کی اہمیت تھی تو اتنے
شمار امیدواروں کو بلا کر...... انہیں خوفزدہ کر کے بھگانے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کی
حرکت کو کیا سمجھا جائے؟''

''آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہئے تھا......؟ ہر امیدوار کے گلے میں
پھول کا ہار ڈال کر اسے رخصت کرنا تھا۔'' اس کے لہجے میں فخر تھا۔

''میرے خیال میں سب سے بہتر اور مناسب بات یہ تھی کہ درخواست کے
ساتھ دستاویزات منگوا کر اپنی پسند کا امیدوار منتخب کر لیا جاتا؟''

''آپ انٹرویو دینے کی بجائے مجھے مشورہ دینے کے لئے تشریف لائے ہیں؟''
اس کے رخسار دہک اٹھے۔

میرے خشک اور بے جان ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔ میں اطمینان
سے کرسی پر پھیل گیا۔ کرسی کشادہ اور آرام دہ تھی۔ اس کے لمس سے میرے جسم کو کسی قدر
سکون سا محسوس ہوا۔ میں نے ایک فرحت سی محسوس کی۔ جیسے یہ کرسی کا نہیں کسی عورت کا
لمس ہو۔ اب مجھے نوکری کی کوئی پروا نہیں رہی تھی۔ نہ ہی کوئی امید تھی...... میں نے جان لیا
تھا کہ نوکری مجھے نہیں ملے گی۔

میں نے ایک لمبی سانس اندر لے کر کہا۔ ''میں ایک لمبے عرصے سے بیکار ہوں۔
یوں سمجھئے کہ صدیوں سے بیکار ہوں اور انٹرویو دیتے دیتے تھک چکا ہوں بلکہ تنگ اور بے
حد عاجز آ چکا ہوں۔ مجھے کہیں بھی ملازمت نہیں ملتی۔ حالانکہ میری صورت شریفوں جیسی
ہے۔ لیکن میرے ستارے گردش میں ہیں۔ اس لئے میں نے تنگ آ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ
اب میں جہاں کہیں انٹرویو دینے جاؤں گا وہاں پہنچ کر انٹرویو لینے والے کا انٹرویو شروع
کر دوں گا۔ یہ بھی ایک تجربہ سہی۔ اس لئے آپ کو مشورہ دینے کی جسارت کر رہا ہوں۔''

''آئی سی......'' ارشا سین کے ترشے ہوئے گلابی لبوں پر ایک مسکراہٹ ابھری
اور گوشوں میں پھیل گئی۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے میز پر سے خط اٹھایا اور پھر اس
نے فائل میں سے میری درخواست نکالی۔ پھر وہ رسیلی آواز میں بولی۔

''تو آپ میرا انٹرویو لینا چاہتے ہیں......؟'' گھنیری پلکوں کی اوٹ سے جھانکتی
ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر جم گئیں۔

میں پھر ان حسین آنکھوں کی تاب نہ لا سکا۔ میں نے کرسی پر کسمساتے ہوئے
پہلو بدلا پھر قدرے سنبھل کر جواب دیا۔

''آپ کی طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد میرے لئے ایک ہی صورت رہ

جاتی ہے کہ آپ سے انٹرویو لے کر اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتا چلا جاؤں...... آپ سے
انٹرویولوں گا وہ میری زندگی میں ایک یادگار بن جائے گا۔"
ارشاسین نے میری بات کا جواب نہیں دیا کیونکہ وہ میری درخواست بڑ
انہماک اور توجہ سے پڑھتی جارہی تھی۔ میں نے اس لمحے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس
حسین چہرے کو بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ پڑھنے لگا۔ یک لخت اس کے چہرے پر حیر
اور دلچسپی نمایاں ہونے لگی۔ چند ثانیوں کے بعد اس نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا تو اس
آنکھوں میں بلور کی سی چمک تھی۔ پھر وہ قدرے تعجب سے بولی۔
"آپ بڑے قابل، ذہین اور تعلیم یافتہ شخص ہیں۔ ایک مثالی جوان ہیں۔ آ
کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔"
اس نے سانس لینے کے لئے توقف کیا تو میں نے کہا لیکن آج ان باتوں
کوئی اہمیت نہیں رہی ہے۔"
"مجھے اس بات پر دکھ اور حیرت ہے کہ آپ جیسے شخص کو ملازمت کیوں نہیں
جب کہ آج کل کسی شخص میں اتنی قابلیت اور صلاحیتیں موجود نہیں ہوتی ہیں...... آپ
اسناد کیوں نہیں لے کر آئے؟"
"اس لئے کہ اس میں دو چیزوں کی کمی رہ گئی ہے اور ان کے بغیر کہیں نو
نہیں ملتی، میں نے افسردگی سے جواب دیا۔ میرا لہجہ اور گھمبیر ہوگیا "ان کے بغیر میں ا
رہ گیا ہوں۔ میری اسناد کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔"
"وہ کون سی دو چیزیں ہیں......؟" ارشاسین نے اشتیاق آمیز لہجے میں پو
اس کے لہجے میں شگفتگی تھی۔
"ایک کا نام تو سفارش ہے۔" میں نے گہرا سانس لیا۔ "میرے پاس ڈوب
نہیں ہے البتہ مسائل کی ایک لمبی فہرست موجود ہے۔ ان مسائل نے میری زندگ
بڑے کاری زخم لگائے ہیں۔ دکھ کا ایک سمندر ہے۔ آپ اجازت دیں تو آپ کی خا
میں پیش کروں؟"

جانے کس خیال سے ارشاسین کے چہرے پر ایک دل فریب سی مسکراہٹ
ری۔ اس کا چہرہ یک بارگی دمک اٹھا اور اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ہزاروں
تے ور برقی قمقمے روشن ہوگئے۔ اس کے چہرے پر نکھار آنے لگا۔
اس نے قدرے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "میں تمہیں ملازمت دے سکتی ہوں...... لیکن
ں ملازمت کی چند ایک شرائط ہیں۔ یعنی یہ ملازمت مشروط ہوگی؟ تم یہ بات اچھی طرح
چ لو کہ میری شرائط پوری کیے بغیر یہ ملازمت نہیں مل سکتی؟" وہ یکا یک آپ سے تم کے
طب پر آ گئی تھی۔ مجھے اپنی سماعت پر فتور کا احساس ہوا۔ میں نے ایک لمحے کے لئے
چا۔ کہیں میں سپنا تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ پھر مجھ پر انکشاف ہوا کہ یہ سپنا نہیں ہے بلکہ
ب حقیقت ہے۔ میرے سپنے کی تعبیر ہے۔ میں نے غلط نہیں سنا ہے۔
میں فوراً ہی سنبھل گیا۔ سیدھا اور مودب ہو کر بیٹھ گیا۔ جب میں نے ارشاسین کو
طب کیا تو میری آواز بے قابو ہو کر خوشی سے لرزاں ہوگئی۔
"میں...... میں یہ الفاظ سننے کے لئے صدیوں سے منتظر تھا۔ کہیں میرے کان
وکا تو نہیں کھا رہے ہیں؟"
"لیکن میں تمہیں یہ بتا دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ میرے ہاں کی ملازمت کی
عیت مختلف قسم کی ہے۔" اس کا لہجہ ایک دم پراسرار اور بے رحم سا ہوگیا۔
"مجھے کام کی نوعیت سے کوئی سروکار نہیں......" میں نے بڑے دکھ بھرے لہجے
ں جواب دیا۔ "آپ جو کام دیں گی میں وہ......"
"سنو......" اس نے درمیان میں میری بات کاٹی۔ "تمہیں، جذباتی ہونے کی
رورت نہیں۔ پہلے اس کام کی نوعیت تو سنو؟"
"مجھے پیسہ چاہئے...... صرف پیسہ......" میں اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکا۔ "وہ
یہ جو میرا پیٹ بھر سکے...... مجھے دو وقت کی روٹی دے سکے۔" پھر میری آواز میں ساری
نیا کی تلخی گھلنے لگی۔ "میں نے اپنے آپ کو ہر قسم کی ملازمت اور ذلت کے لئے تیار کر رکھا
ہے...... اگر آپ مجھے ایک کتا سمجھ کر میرے گلے میں پٹا بھی ڈال دیں گی تو میں اف نہیں

کروں گا۔'' میرے سینے میں سانسیں الجھ گئی تھیں۔

''میری شرائط منظور کر لینے کی صورت میں تمہیں منہ مانگی تنخواہ مل سکتی ہے۔'' اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ہوئے کہا۔

''میں نے آپ سے کہا نا کہ مجھے آپ کی تمام شرائط منظور ہیں۔'' میں نے

''میں اپنی بات پر مضبوطی سے قائم ہوں۔''

''جلد بازی اچھی نہیں ہے۔ ٹھنڈے دل سے خوب اچھی طرح سوچ لو۔ تمہیں سوچنے کے لئے ایک گھنٹے کی مہلت دے سکتی ہوں۔''

''مجھے کسی مہلت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے آپ کو اپنا حتمی فیصلہ ہے۔ اب آپ کام کی نوعیت بتائیں۔''

''بات یہ ہے کہ میں تمہاری منظوری کے بعد ہی اپنی شرائط بتاؤں گی.....ا نے میری شرائط سننے کے بعد اسے ماننے سے انکار کیا تو.....'' ارشاسین کا لہجہ یکا خوفناک ہوگیا۔ ''پھر میں تمہیں موت کے گھاٹ اتار سکتی ہوں۔ تم اس کمرے سے زند مردہ جاؤ گے؟'' میں نے حیرت سے ارشاسین کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اا خوبصورت آنکھیں خوفناک ہوگئی تھیں اس کی ان آنکھوں میں اب پیشہ ور قاتلوں جیسی رخی جھانک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی درندگی تھی۔ وہ عورت نہیں بلکہ ایک حسیـ دکھائی دے رہی تھی۔ اسے یکسر بدلا ہوا پا کر میرے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ کمرے م رات کی سی خنکی پھیلی ہوئی تھی پھر بھی میں پسینے میں نہا گیا تھا۔

وہ میز پر دوبارہ جھک کر سرد سفاک لہجے میں کہنے لگی۔ ''لیکن دوسری طرف زندگی میں ایک ایسا روشن پہلو بھی شامل ہے جس میں قدم قدم پر دولت کی فراوا آسائشیں تمہارے پیروں میں ہوں گی..... تم ایک ایسی شاندار زندگی گزار سکو گے سرزمین پر بہت کم خوش نصیب لوگوں کو میسر ہے۔ دنیا کا ہر شخص ایسی خواب ناک زند لئے ساری زندگی ترستا ہے۔''

میں کئی لمحوں تک مبہوت ہو کر رہ گیا۔ ارشاسین نے مجھے سپنوں کی ایک

ین وادی میں پہنچا دیا تھا کہ میں اپنی ذات کو بھی فراموش کر بیٹھا۔ میرے کانوں میں ے بہت سارے سر ایک ساتھ گنگنا اٹھے تھے۔ دولت کی شہنائیاں چاروں اطراف گونجتی ں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ دنیا صرف دولت سے ملتی تھی۔ اس دنیا میں سب کچھ دولت تھی۔ دولت بھگوان سے بھی بڑھ کر تھی۔ چند ثانیوں پیشتر ارشاسین نے مجھے جو تاریک د دکھایا تھا میں نے اسے یکسر نظر انداز کر دیا۔ جب میں حسین خوابوں کی دنیا سے نکل کر قی دنیا میں آیا تو اس کی بڑی بڑی غلافی آنکھیں میرے چہرے پر مرتکز تھیں۔ میں اسی ح سے سٹ پٹا گیا جیسے اس نے میری چوری پکڑ لی ہو۔ اس کی آنکھوں میں شک کی پھائیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

''نہیں ابھی اور اسی وقت فیصلہ کرنا ہے۔'' ارشاسین نے اچانک ہی تحکمانہ لہجے ں کہا۔ ''اب تو میں تمہیں ایک دن کیا ایک گھنٹے کی بھی مہلت نہیں دے سکتی۔''

میرے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ میں نے آپ سے پہلے ہی عرض د دیا کہ میں نے آپ کی شرائط سنے بغیر آپ کی غلامی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھے ایک ا ایک گھنٹہ کیا ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں چاہئے۔ مجھے شرائط نہیں صرف دولت اپنا محتاج کتی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میری آواز گلے میں بھرا سی گئی اور آنکھیں نمناک ہوگئیں۔ پ میری بات کا یقین کس لئے نہیں کر رہی ہیں؟''

''سنو مسٹر!'' اس کا لہجہ بجلی کی مانند کڑکا ''تم پھر جلد بازی سے کام لے رہے ۔ جلد بازی کا انجام پشیمانی ہے۔ میں ایک عورت ہوں۔ ایک عورت ہونے کے ناتے بات کی رو میں بہہ کر جو فیصلے کئے جاتے ہیں انہیں قطعی پسند نہیں کرتی ہوں۔ جذباتی ی صرف خلوت اور خواب گاہوں میں اچھے لگتے ہیں.....'' اس نے لمحاتی توقف کے بعد ا۔ ''میں کتے کا انتخاب کرنے میں بالکل بھی نہیں جھجکتی ہوں۔ لیکن کسی آدمی کا انتخاب رتے وقت مجھے سوچنا پڑتا ہے۔ میں سوچتی ہوں۔ کیونکہ کتا اپنی اوقات کبھی نہیں لتا..... لیکن انسان بہت خود غرض، کمینہ اور ذلیل ہوتا ہے۔ وہ سارے احسانات صرف ے لمحے میں بھلا دیتا ہے۔ اس لئے میں انسان پر بھروسا نہیں کرتی ہوں۔''

"ہر انسان ایسا نہیں ہوتا ہے۔ آپ ایک انسان سے کتے کا موازنہ نہ کریں۔"
میں نے کہا "آپ مجھ پر بھروسا کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ...... میں کتوں کی
نسل کو بھی شرمسار کردوں گا کہ ایک انسان ان سے کہیں آگے نکل سکتا ہے۔"

"تمہیں ایک انسان اور مہذب شخص ہونے کے ناتے اس انداز سے بات نہیں
کرنا چاہئے۔" اس نے ہمدردی کے لہجے میں ٹوکا۔ "میں نے ایک مثال دی تھی...... کیا اس
دنیا میں ایسا نہیں ہوتا ہے؟ کیا انسان انسان کا دشمن نہیں ہے؟"

"آپ میرے بارے میں سنجیدگی سے اور گہرائی میں جا کر نہ سوچیں۔" میرا
دکھ بھری آواز فضا کے دوش پر ڈولنے لگی۔

"حیرت کی بات ہے کہ تم ایک حقیقت پسند اور تعلیم یافتہ شخص ہو کر ایسی جذبا
باتیں کر رہے ہو؟" ارشا سین بولی۔

"اس لئے کہ حالات نے مجھے قدم قدم پر اس بے رخی سے ٹھوکریں لگائی ہیں
میرا سینہ زخموں سے بھرا ہوا ہے۔" میں نے ایک لمحے کے لئے توقف کیا۔ کیوں کہ سانس
میری آواز کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ پھر میں نے کہا "آخر مجھے اپنی پیدائش کا تاوان کب
تو ادا کرنا ہے۔"

ارشا سین نے نہ تو میری بات پر کوئی تبصرہ کیا اور نہ ہی جواب دیا۔ پھر میں نے
اس کا چہرہ اپنی نظروں کی گرفت میں لے لیا۔ تاہم چند ثانیوں کے لئے اس کے چہرے
سختی ابھری اور معدوم ہوگئی۔ جب اس نے مجھے مخاطب کیا تو اس کی آواز سے سفاکی ظا
تھی۔

"میں تمہیں کسی بھی لمحے کوئی سا بھی حکم دے سکتی ہوں۔ تمہیں اس کی تکمیل
لئے ہمہ وقت تیار اور مستعد رہنا ہوگا...... اس کے علاوہ میرا ہر راز تمہیں اپنی ذات
محدود رکھنا ہوگا......؟"

وہ مجھے بہت پراسرار، بڑی گہری اور خطرناک دکھائی دینے لگی۔ "بس...... آ
کی ملازمت کی یہی شرائط ہیں؟" میں نے کہا۔

اس کے بھرے بھرے ہیجان خیز سینے میں سانسوں کا زیروبم اٹھا۔ اس کا چہرہ
خ ہوگیا وہ رعونت سے بولی۔

"میرے نزدیک میرے کسی بھی راز کا افشاء...... میرے کسی بھی قسم کے حکم سے
ر...... بغاوت یا سرکشی کی سزا موت...... صرف موت...... بہت ہی اذیت ناک اور درد
موت...... میں حکم عدولی پر کوئی رعایت نہیں دے سکتی۔"

میں کرسی پر کسمسایا۔ وہ اس وقت ایک ایسی بلا نظر آرہی تھی جس سے نجات پانا
ے بس کی بات نظر نہیں آرہی تھی۔ لیکن میں نجات پانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں
تھا۔ اس نے مجھے دونوں رخ دکھائے تھے۔ ایک رخ تو بہت ہی حسین تھا۔

میں نے چند لمحوں کے بعد جی کڑا کر کے کہا۔ "مجھے منظور ہے۔ آپ میری بات
مجھ پر بھروسا کریں۔"

میرا یہ قیاس درست ثابت ہوا تھا کہ ارشا سین کا تعلق منشیات کے کسی بین
امی گروہ سے ہے۔ وہ منشیات کی مافیا ہے۔ اسی لئے اس نے مجھے کڑی شرائط کے جال
پھانس لیا وہ مجھ جیسے بے روزگار، مجبور اور قلاش لڑکوں اور ایسی حسین و نوجوان لڑکیوں کو
ش کر کے اس گھناؤنے دھندے میں ملوث کر دیتی ہے جن کی آنکھوں میں سپنے لہراتے
اور وہ سپنوں کی راتوں کو پانے کے لئے سراب کے پیچھے اندھا دھند دوڑتی ہیں۔ انہیں
طرح پھانس لیا جاتا اور ملوث کر دیا جاتا ہے کہ وہ آخری سانس تک اس مافیا تنظیم سے
نہیں ہوسکتے جو کوئی اس سے جان چھڑانے کی کوشش کرتا اسے موت سے ہمکنار ہونا
تا ہے۔

تاہم اب تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی وہ یہ کہ امیدوار محض اس بات
یوں اس قدر دہشت زدہ ہوگئے تھے۔ کیا اس مافیا تنظیم کے نام سے......؟ یہ شاید بہت
خطرناک تنظیم تھی جس سے میں اتفاق سے ناواقف تھا۔

ارشا سین نے میز کی دراز کھول کر اس میں سے ایک پستول نکالا تو ساری بات
ری سمجھ میں آگئی۔ یہ پستول دیکھ کر امیدوار دہشت زدہ ہوگئے تھے۔ میرے سارے جسم

میں ایک سرد لہری دوڑ گئی۔ اس نے پستول میری جانب اچھالا تو میں نے اسے فوراً ہی تھام لیا۔ میں نے اس پستول کو الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد اس کی طرف حیرت بھری نظروں سے دیکھا ”یہ پستول کس لئے......؟“

”اس لئے کہ تم اس سے ایک شخص کو قتل کرو گے......؟“ ارشا سین نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

”قتل......؟“ میرے پسینے چھوٹ گئے۔ میں نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا ”کس شخص کو......؟“

”بنگلہ دیش کے صدر کو......“ ارشا سین بے حد سنجیدہ تھی۔ اس کی آواز میں تمکنت بھی تھی۔ ”تمہیں یہ میرا پہلا کام کرنا ہے۔“

”جی......جی......“ میری رگوں میں سنسناہٹ دوڑنے لگی۔ میں نے حیرت اور کسی قدر خوف سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اس کی آنکھیں جو پہلے بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھیں اب وہ کسی بلا کی سی لگ رہی تھیں اور بدستور میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ میرے چہرے سے میرے دل کے تاثرات کا جیسے اندازہ کر رہی تھی۔

”یہ بھرا ہوا پستول ہے اور اس میں کل چھ گولیاں ہیں۔ یہ کوئی کھلونا نہیں ہے جو تمہیں کھیلنے کے لئے دیا گیا ہے۔“ وہ بولی۔

تو کیا ارشا سین نہ صرف مافیا ہے بلکہ کوئی غیر ملکی ایجنٹ ہے۔ میں نے سوچا۔ و
اس دیش میں تخریب کاری کروانا چاہتی ہے۔ صدر کے قتل سے پورے ملک میں بدامنی او
شر پسندی اور خانہ جنگی کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

میں ہڑبڑا کے کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے شاید امیدواروں سے صدر کو قتل کرنے کے لئے کہا اور پستول دیا ہوگا۔ اسی لئے امیدوار اس کے کمرے سے نکل آ۔
تھے اور اسے ایک بلا کہہ رہے تھے۔

”بیٹھ جاؤ......“ ارشا سین نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس کے لبوں پر ایک

اختیاری مسکراہٹ ابھری تو وہ اسے دباتی ہوئی بولی۔ ”ابھی نہیں......اس کا وقت بھی جلد
آئے گا۔ کیا اس ملک کے صدر کو قتل کرنا تم نے اتنا آسان سمجھ لیا جیسے راستے کے پتھر کو
ر ماردینا۔ تم اس طرح سے اسے قتل کرنے جا رہے تھے جیسے وہ تمہارے ہاتھوں سے قتل
نے کے لئے اس ہوٹل کی عمارت کے باہر منتظر ہیں۔“

”میں کسی نہ کسی بہانے سے ایوان صدر جا کر ان سے ملاقات کرتا اور انہیں قتل
ردیتا؟“ میں نے سادگی سے کہا۔

”اولاً تو صدر سے ایک عام شہری کا ملنا ناممکن ہے۔ صدر سے ملاقات کا موقع
بھی جاتا تو تمہاری جامہ تلاشی لی جاتی......تمہاری جیب سے پستول برآمد ہونے کی
رت میں تمہاری جان بخشی نہیں ہوتی۔“ ارشا سین بولی۔

مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ میں نے ان تمام پہلوؤں کے بارے میں سوچا
ر نہ ہی اس کا کوئی خیال آیا تھا۔

”لاؤ یہ پستول مجھے دے دو۔“ اس نے اپنا خوبصورت ہاتھ میری طرف بڑھایا
بغیر لائسنس کے پستول رکھنا جرم ہے۔

میں نے اسے پستول واپس دیتے ہوئے اس کے خوبصورت ہاتھ کو دیکھا۔ جی
ا آیا کہ کاش میں اسے تھام سکتا۔ اس نے پستول میز کی دراز میں رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں
دیکھ رہی تھی کہ تم کس قدر فرماں بردار ہو......؟“

”میں نے آپ سے کہا نا کہ آپ مجھے ایک کتے سے کہیں وفادار اور فرماں بردار
ئیں گی؟“ میں نے کہا۔

اچھا یہ بتاؤ کہ تمہاری زندگی میں اب تک کتنی لڑکیاں آئی ہیں اور ان میں کتنی تم
مہربان ہوئیں؟“ اس نے سوال کیا۔

میرے دل میں آیا کہ اسے بتاؤں کہ جھرنا میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی
ہے جس کے بے پناہ حسن و جمال، شباب اور اس کی آواز کے جادو نے مجھے متاثر کیا جس
کی تصویر میرے دل کے نہاں خانے میں آج اور اس وقت بھی نقش ہے اور اس کی یاد

آ رہی ہے۔ میں اس کی محبت میں گرفتار ہوں لیکن میں اس کے پاس جا نہیں سکا کہ حالات کی ستم ظریفی اور گردش ایام نے میرے پیروں میں زنجیریں پہنا دی ہیں۔ میں تو اس سے اظہار محبت کر سکا اور نہ ہی اسے چھو سکا۔ ویسے میں نے اس کی باتوں، حرکات وسکنات اور تیکھی نظروں کی زبان سے محسوس کیا ہے کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے۔ میں اسے محبت کا نام دے سکتا ہوں۔ کوئی ضروری تو نہیں کہ ایک عورت جس مرد کو پسند کرے اس سے محبت بھی کرے۔ پسند اور محبت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ حالات اجازت دیں میں فوراً ہی جھرنا کے پاس اڑ کر پہنچ جاؤں، اس کا حسن و شباب اور پرشباب گداز جسم اور سراپا کی بجلیاں مجھے اس لمحے بھی جلا کر خاکستر کیے دے رہی ہیں۔ اس کی یاد کیا آئی دل کا زخم پھر سے ہرا ہو گیا۔

اس ایک لمحے میں یہ بھی سوچا کہ اسے کرن کے بارے میں بتا دوں؟ کرن نے مجھ سے اس وقت ٹوٹ کر چاہا اور اپنا سب کچھ سونپ دیا جب میری جیب بھاری تھی اور میں ایک بہت بڑی فرم میں کلیدی عہدے پر فائز تھا۔ اس کی محبت اور اس کا قرب پا کر میں جھرنا کو بھول بیٹھا۔ کرن ایک حسین اور بھرپور لڑکی ہے۔ اس کی مہربانی اور فیاضی نے مجھے جھرنا کے پاس جانے سے روک دیا۔ چونکہ جھرنا کو پانا اور اس سے شادی کر کے گھر بسانا آسان یا ممکن نہیں تھا کیونکہ وہ کچھ پراسراری بھی لگی۔ میں نے سوچا بھی تھا کہ ایک بار جھرنا کے پاس جاؤں۔ اگر وہ شادی کے لئے تیار ہو جائے پھر میں وہیں گھر آباد کروں گا۔ ناممکن ہے تو واپس آ کر کرن سے شادی کر لوں۔ میں نے سوچا کہ ارشاسین کو کیا جواب دوں؟ کیا اسے بتاؤں کہ کرن کی محبت اب نفرت میں اس لئے ڈھل چکی ہے کہ میں ایک بے روزگار، قلاش اور اس کی ماں کا مقروض ہوں، میرے نزدیک نہ بتانا ہی بہتر تھا۔

''میری زندگی میں کوئی لڑکی نہیں آئی جس نے اپنی محبت اور اپنی ذات سے مجھے سرفراز کیا ہو۔'' میں نے جھوٹ بولا۔

''حیرت کی بات ہے؟'' اس نے اپنی لانبی لانبی گھنیری پلکیں جھپکائیں۔ ''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے تمہاری زندگی میں کوئی لڑکی نہیں آئی؟''

''اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟'' میں نے اس سے الٹا سوال کیا۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ ہر مرد کی زندگی میں کوئی عورت آئے؟''

''حیرت کی بات اس لئے ہے کہ تم ایک بہت ہی خوبصورت، وجیہہ، دراز قد اور کسی راج کمار کی طرح ہو۔'' وہ میرے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر کے شیریں لہجے میں کہنے لگی۔ ''نوجوان لڑکیاں اور عورتیں بھی تم جیسے مردوں کا خواب دیکھتی ہیں اور پھر تمہاری محبت لڑکیوں کو اپنا اسیر بنا سکتی ہے۔ تم انہیں محبت کے نام پر فریب دو تو فریب کھا جائیں۔ جانے کیوں مجھے تمہاری یہ بات میرا دل نہیں مان رہا ہے کہ تمہاری زندگی میں کوئی لڑکی نہیں آئی اور تم نے کسی عورت کا قرب حاصل نہیں کیا؟''

''آج کل محبت جیب سے مشروط ہوتی ہے۔ خوبصورتی اور مردانہ وجاہت سے نہیں، میں نے کہا۔ ''اس لئے میری زندگی میں کوئی لڑکی نہ آ سکی۔ نہ میں نے کسی لڑکی کو توجہ کرنے اور اس کی محبت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ میں اپنی منزل کی تلاش میں رہا۔''

''شاید کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے بازاری لڑکیوں سے اپنی راتیں کالی کی ہوں''

ارشاسین کہنے لگی۔ یہ بنگلہ دیش، بنگال اور آسام میں عورتیں بہت سستی ہیں۔ تم نے گھر بسانے کے بجائے یہ سوچا ہوگا کہ کیوں نہ میں اپنی راتیں کالی کروں؟ شادی کے جھنجھٹ میں نہ پڑوں۔ چھوٹے شہروں، گاؤں اور قصبوں سے لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بڑے شہروں میں آتی ہیں اور ہوسٹل میں ٹھہرتی ہیں۔ وہ لڑکیاں جن کی زندگی احساس محرومی میں گزری ہو جو محلوں کے سپنے دیکھتی ہیں اور بہت کچھ پانے کی خواہش مند ہوتی ہیں تب وہ بڑے شہروں کی چمک دمک، حسن اور رنگینی دیکھتی ہیں تو پھر انہیں پانے کے لئے اپنا سب کچھ کھو دیتی ہیں۔ جب بازار میں دودھ ملتا ہے تو گائے پالنے کی کیا ضرورت؟ اس انجانے راستے میں ایک سے ایک حسین اور ہر عمر کی سندر لڑکیاں مل جاتی ہیں۔ شاید تم بھی اس انجانے راستے پر چلتے رہے ہو۔ اگر ایسا ہے تو سچائی سے اس کا اعتراف کر لو۔''

ارشاسین کی بے باکانہ گفتگو نے مجھے بہت حیران کر دیا۔ ایک مافیا عورت ہی ایسی باتیں کر سکتی تھی۔

''آپ مجھ سے جو بھی سوگند لے لیں...... میں نے کبھی انجانے اور گھناؤنے راستے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرے خیال میں تم عورتوں کے معاملے میں بہت بدقسمت رہے ہو۔'' ارشاسین نے کہا۔ ''مجھے ایک شادی شدہ شخص کی ضرورت ہے۔''

''ابھی میں شادی کہاں سے اور کیسے کرسکتا ہوں۔ جب کہ میں بے روزگار ہوں اور پھر مجھے لڑکی کون دے گا؟'' میں نے کہا۔

''میں تمہاری شادی کراؤں گی۔'' ارشاسین بولی۔ ''تم اس کی فکر نہ کرو۔ کیا لڑکیوں کی کوئی کمی ہے؟ بہت مل جاتی ہیں۔''

''آپ میری شادی کرائیں گی......؟'' میں سٹ پٹا گیا۔ میں نے سوچا میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔ آخر اسے میری شادی سے دلچسپی کیوں ہے؟ ارشاسین نے دراز میں سے ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھایا۔ یہ لفافہ بڑا اور قدرے پھولا ہوا تھا۔

میں نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لیتے ہوئے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''کیا اس میں تقرر نامہ ہے؟''

''اس لفافے میں کل چھ عدد تصویریں نوجوان لڑکیوں کی ہیں تم ان میں سے کسی ایک کو پسند کرو۔'' ارشاسین نے جواب دیا۔

لفافے میں چھ عدد پوسٹ کارڈ سائز کی رنگین تصویریں تھیں۔ میں نے پہلی تصویر دیکھی تو میرے جسم میں جھرجھری سی دوڑ گئی۔ میں نے یکبارگی گھبرا کر اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ آج تک میں نے اتنی بدشکل، بھیانک اور مکروہ صورت کی لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ پھر میں نے ایک ایک کرکے دوسری تصویریں جو پہلی تصویر والی لڑکی سے بھی کہیں زیادہ بھیانک اور بدصورت عورتوں کی تھیں۔

میں نے بدروحوں اور چڑیلوں کے بارے میں بہت ساری کہانیاں اور قصے سنے تھے۔ کبھی انہیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ سنا تھا کہ چڑیل سے بدصورت اور بھیانک شے اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ یہ چڑیلیں ہی تھیں۔ معلوم نہیں ان چڑیلوں کی تصویریں

کس نے کھینچی تھیں اور ارشاسین میری شادی چڑیل سے کیوں کروانا چاہتی تھی۔ آخر اسے کیا فائدہ ہوگا؟''

میں نے ہونقوں کی طرح ارشاسین کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا ''کیا تمہیں کوئی لڑکی پسند نہیں آئی......؟''

میرا جواب میری آنکھوں کی دہشت اور فق چہرے سے ظاہر تھا۔ لیکن اس نے جیسے میرے جواب کو نظر انداز کردیا۔ اس نے کسی قدر بے پروائی سے کہا ''تمہیں ان لڑکیوں میں سے کسی ایک لڑکی کا انتخاب کرنا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہاری پسند کا دخل ہو۔''

''لیکن یہ تو بہت ہی بدصورت لڑکیاں ہیں؟ میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی بدصورت اور مکروہ شکل کی لڑکیاں نہیں دیکھیں۔''

''تم ان کی ظاہری حالت پر نہ جاؤ۔ وہ تمہیں بہت بدصورت دکھائی دے رہی ہیں لیکن وہ اندر سے اتنی حسین ہیں کہ تم تصور نہیں کرسکتے...... ان کا اور عورت کا اصل حسن اس کی سیرت ہوتا ہے۔ تم ان میں سے کسی ایک لڑکی سے بھی شادی کرلو گے تو تمہاری دنیا ہی بدل جائے گی۔ تمہارا مستقبل تابناک ہو جائے گا۔ ایک مثالی اور پرسکون پرمسرت ازدواجی زندگی نصیب ہوگی۔ یہ تمام لڑکیاں بہت دولت مند ہیں۔ تم ان کی دولت کا اندازہ اور حساب کر ہی نہیں سکتے ہو۔''

میں نے بے یقینی کے عالم میں ارشاسین کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ وہ نہ تو مجھ سے مذاق کر رہی تھی اور نہ آزما رہی تھی۔ ان کالی بلاؤں کی تصویروں نے میری آتما فنا کردی تھی۔ میں نے سراسیمہ ہوکر پوچھا۔

تو کیا مجھے ان لڑکیوں میں سے کسی ایک لڑکی سے شادی کرنا ہوگی؟ کیا یہ ممکن نہیں......'' میری آواز حلق میں اٹک گئی۔

ارشاسین نے فوری طور پر میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

اب میری سمجھ میں آیا کہ وہ تمام امیدوار جنہوں نے اس کمرے میں قدم رکھا ت
وہ باہر نکلتے وقت اس قدر ہراساں اور دہشت زدہ کیوں تھے؟ شاید ارشاسین نے ا
چڑیلوں کی تصویریں دکھا کر اس شرط پر ملازمت دینے کے لئے کہا ہوگا کہ ان میں سے ک
ایک لڑکی سے شادی کرنا ہوگی۔ کوئی شخص کسی بھی قیمت پر اپنے آپ کو داؤ پر لگا نہیں سکتا
اتنی مہنگی قیمت ادا کرنے کا حوصلہ شاید ہی کسی میں ہوسکتا ہے۔ ارشاسین جتنی حسین تھی،
عورتیں اتنی ہی بدصورت...... ان میں زمین آسمان جتنا فرق موجود تھا۔

پہلے تو میں یہ سمجھا تھا کہ ارشاسین مافیا ہے پھر غیر ملکی ایجنٹ...... پھر مجھے خیال آ
کہ یہ پراسرار عورت نہیں بلکہ ایک ناگن ہے۔ جس نے انسانی روپ دھار لیا ہے۔ م
نے ایک کہانی پڑھی تھی جو ایک ناگن سے متعلق تھی۔ شیش ناگوں کا کوئی جوڑا جب اس ر
میں جانا چاہتا ہے تو اسے دو برس تک ناگ دیوتا کے مندر میں ہر سال ساون میں اماوس
رات چار انسانی جانوں کے خون سے اشنان کرنا پڑتا ہے پھر انہیں دو انسانوں کا خون
چاٹنا پڑتا ہے پھر وہ کہیں انسانی روپ اختیار کر سکتے ہیں۔ انہیں ایسی شکتی اور ایسا اقت
حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ نہ صرف انسان بلکہ جس جاندار کی سوچ دل میں لاتے اس رو
میں آ جاسکتے ہیں۔ ارشاسین بھی شاید کسی ناگ دیوتا کی جوڑی تھی۔ اس کی تابع موکلا
تھیں۔ شاید یہ اس کی موکلات تھیں۔ وہ میری شادی ان میں سے کسی ایک موکلہ سے کر
مجھے ساری زندگی کے لئے غلام بنانا چاہتی ہے تاکہ مجھ سے موکل کا کام لے سکے۔

آسام اور پورا بنگال ماضی میں جادوگروں، بدروحوں، چڑیلوں اور جناؤں کا
میں سب سے گڑھ رہا تھا۔ بنگال کے جادو کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ آج بھی بنگال
جادو اور اس کی باقیات موجود تھیں۔ سانپ، زہریلی ناگنیں اور شیش ناگ اور اژدھے
موجود تھے اور وہ جنگلوں میں چلے گئے تھے۔ کیونکہ تیزی سے بڑھتی ہوئی انسانی آبادی
انہیں نقل مکانی پر مجبور کر دیا تھا۔

ارشاسین بھی شاید ایک کالی بلا تھی اور بلاؤں کی مہارانی...... اس نے اپنے
کو ایک حسین بلا کے روپ میں ڈھالا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ سوچ کر رگوں میں میرا

خنک ہوا جا رہا تھا کہ یہ واقعی بلا ہوئی تو میں اس سے کیسے نجات پاسکوں گا؟''

ارشاسین نے میز کی بائیں جانب کی دراز کھولی۔ اس نے اس میں سے ہزار
ہزار کے نوٹوں کی ایک پتلی سی گڈی نکالی۔ پھر اسے میز پر رکھ دیا۔ میرے اندازے کے
مطابق وہ تیس ہزار کی رقم ہوگی۔ میں حسرت بھری نظروں سے ان نوٹوں کو دیکھنے لگا جس
میں سے ایک عورت کے بدن کی خوشبو کی سی مہک اٹھ رہی تھی۔ اس لمحے میں یہ بھول گیا تھا
کہ ارشاسین ایک بلا ہے۔

ارشاسین مجھے خاموش اور بے حس وحرکت پا کر قدرے ترش روئی سے بولی۔

''مسٹر! کہنا بہت آسان ہوتا ہے لیکن اس پر عمل کرنا بہت مشکل...... اب جب
کہ تم نے اپنے آپ کو میرے حوالے کر ہی دیا ہے تو اپنی زبان پر قائم رہنا ہوگا۔ اب تم
میری ملکیت اور غلام ہو۔ ایک زرخرید غلام...... میں پھر تمہیں یہ بات جتا دینا چاہتی ہوں کہ
تم ان میں سے کسی بھی ایک لڑکی سے شادی کر کے گھاٹے میں نہیں رہو گے۔ دولت
تمہارے قدم چومے گی۔ تمہاری بیوی بدصورت سہی لیکن وہ تمہیں بے پناہ پیار دے گی۔ تم
شاید ہی دنیا کی کسی اور لڑکی میں ایسا جذبہ اور محبت کی گہرائی پاؤ گے۔''

میں چپ چاپ اس کی صورت تکے جا رہا تھا۔ اس کی باتیں سننے میں محو تھا۔ ان
میں سے کسی ایک لڑکی سے بھی شادی کرنے کا تصور روح فرسا تھا۔ انتہائی اذیتناک......
اب تو فرار کی کوئی راہ نہیں رہی تھی۔ اب میں اس بلا کے طلسم سے نکل نہیں سکتا تھا۔ میرے
پاس کوئی توڑ نہیں تھا۔ میں اس نوٹوں کی گڈی کو دیکھ رہا تھا جو میز پر پڑی تھی۔ میرا سپنا
تھی۔ میری آرزو تھی۔

ارشاسین نے مجھے ان نوٹوں کی طرف متوجہ پایا تو وہ زہرخند سے بولی۔ ''کیا
تمہیں اس حقیقت سے انکار ہے کہ اس دنیا میں دولت ہی سب کچھ ہے؟ دولت کے بغیر
انسان ایک آوارہ کتے سے بھی بدتر ہے؟''

ارشاسین خاموش ہوئی تو میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا سر اثباتی انداز
میں ہلایا۔

"آپ سچ کہتی ہیں...... میں ایک دو دن نہیں بلکہ کئی دنوں تک خالی پیٹ سڑکو
پر خاک چھانتا پھرا ہوں۔ خون کا رشتہ بھی برے دنوں میں کوئی کام نہیں آتا ہے؟" میر
لہجے میں تلخی گھلنے لگی۔ "برا وقت آن پڑے تو اپنے بھی کنی کترا جاتے ہیں اور بات کر
کے روادار نہیں ہوتے ہیں۔ پھر غیر بھلا کس طرح کام آسکتے ہیں؟ مجھے معلوم ہے کہ
میں پیسہ کیا چیز ہے؟"

میں نے محسوس کیا کہ ارشاسین میری جذباتی تقریر سے کسی قدر متاثر ہوگئی ہے۔
میری آواز بھرانے لگی تو میں چپ ہوگیا۔ مجھے یہ بات پسند نہیں تھی کہ میں ایک عورت
سامنے ایک مرد ہونے کے ناتے آنسو بہاؤں۔

ارشاسین نے افسردگی سے پوچھا۔ "اگر تمہاری میرے الفاظ سے دل آزا
ہوئی ہے تو میں معذرت چاہتی ہوں۔"

"نہیں ......" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "میرے پاس دل اور جذبات نام کی
چیز موجود نہیں ہے جو مجروح ہوسکے...... اب میں زخموں کا عادی ہو چکا ہوں۔ آپ فکر
نہ ہوں۔ معذرت کر کے شرمندہ نہ کریں۔ پلیز!"

"بہر حال۔" ارشاسین بولی۔ "تمہیں ان تصویروں میں سے اپنی پسند کی کسی
لڑکی سے شادی کرنے کے لئے ایک طویل اور صبر آزما انتظار کرنا ہوگا۔" اس کا
کاروباری انداز میں بدل گیا۔ "میں تمہیں وقت اور مہلت دے رہی ہوں فیصلہ کرنے
لئے۔"

"لیکن یہ لڑکیاں کون ہیں؟" آپ نے مجھے ان کے بارے میں کچھ بھی تو
بتایا؟" میں نے غیر ارادی طور پر پوچھا۔

"وہ لڑکیاں معمولی دولت مند نہیں بلکہ کروڑوں کی مالک ہیں۔" ارشاسین
جواب دیا۔ "ہوسکتا ہے کہ تمہیں اس سلسلے میں قدم قدم پر آزمائشوں اور امتحانوں سے گ
پڑے...... تاہم تمہاری شادی میرے منصوبے کا آخری حصہ ہے۔"

میں دل ہی دل میں خوش ہوگیا کہ فی الحال ایک بلا تو میرے سر سے ٹلی۔

س کا وقت آئے گا دیکھا جائے گا۔

ارشاسین نے میرے چہرے پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی پھر وہ ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگی۔
"معلوم ہوتا ہے کہ تم آئینے میں اپنی صورت دیکھے بغیر ہی انٹرویو دینے چلے
آئے...... ذرا اپنا حلیہ تو دیکھو......؟" تمہاری آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے ہیں۔
چہرے پر خون کی ایک بوند بھی دکھائی نہیں دے رہی ہے...... شاید تم نے مہینوں سے اچھا
کھانا نہیں کھایا اور میرا خیال ہے کہ تمہارے پاس ایک دو جوڑوں کے علاوہ اور کپڑے نہیں
ہیں؟"

میں نے اپنا سر جھکا لیا۔ ارشاسین نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہ تھا۔ اس نے بالکل
صحیح اندازہ لگایا تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس کی آواز کمرے کی گہری خاموشی میں لہرائی۔ وہ بے حد
سنجیدہ تھی۔

"تم یقیناً مقروض بھی ہوگے......؟ میں نہیں چاہتی کہ میری ملازمت کے دوران
کوئی قرض خواہ تمہارا گریبان پکڑے۔" اس نے نوٹوں کی گڈی میں سے پندرہ نوٹ نکال
کر میری طرف بڑھائے۔ "تم اس رقم میں سے سب سے پہلے اپنا قرض ادا کرو گے اور
بعد میں کھانا کھاؤ گے؟ اپنے لئے چند سلے سلائے جوڑے بھی خرید لینا۔ تمہیں ہر وقت تیار
رہنا ہے۔ میں کسی بھی وقت اور دن اپنے پروگرام سے مطلع کرسکتی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ ہمیں
کسی بھی لمحے یہ شہر چھوڑنا پڑے۔"

ارشاسین نے توقف کر کے میز کی دراز سے ایک کاغذ نکال کر میری طرف
بڑھایا۔ میں نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ یہ ایک سٹامپ پیپر تھا جس پر دونوں طرف
انگریزی میں ایک مضمون ٹائپ کیا ہوا تھا۔ یہ ایک ایگریمنٹ تھا۔

اس میں اپنا نام اور پتہ لکھ دو...... اس میں جو شرائط لکھی ہیں اسے پڑھ لو۔
پڑھنے کے بعد اس پر دستخط بھی کردینا۔

جب میں خانہ پری کر کے شرائط نامے پر دستخط کرنے لگا تو اس نے تعجب سے کہا

"یہ تم نے شرائط کیوں نہیں پڑھیں......؟"

میں نے اسٹامپ پیپر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "جب میں نے غلا
طوق اپنے گلے میں ڈال لیا ہے کوئی بھی شرائط میرے لئے کوئی بھی اہمیت نہیں
ہیں..... کیا یہ کافی نہیں ہے کہ میں نے آپ کی غلامی قبول کر لی اور آپ کا غلام بن
ہوں۔

اس نے میرے لہجے کی تلخی محسوس کر کے باقی نوٹ میری طرف بڑھائے۔
یہ رقم بھی رکھ لو۔ یہ بھی دس ہزار ہیں۔ اب تم جاؤ۔"

پچیس ہزار کی رقم میرے لئے ایک نئی زندگی کا انمول پیغام ثابت ہوئی
میری آتما کو ایک عجیب اور لطیف سی شانتی ملی۔ میری بھوک، کمزوری اور نڈھال پن
کہاں چلا گیا۔ میرا خون نہ صرف سیروں بڑھ گیا تھا بلکہ مجھ میں ایک توانائی سی آ گئی
میں خواب کی سی حالت میں اٹھا اور ارشا سین کا شکریہ ادا کیا۔ میرے بس میں ہوتا تو
اسے اپنے بازوؤں میں لے کر اس کے حسین چہرے پر بوسوں کی بوچھاڑ کر دیتا لیکن
ایسا نہیں کر سکتا تھا صرف سوچ سکتا تھا۔ اس نے مجھے دوسرا جنم دیا تھا۔

جب میں ارشا سین کے کمرے سے نکلا تو کاؤنٹر پر اکیلی بیٹھی ہوئی قیامت
مجھ پر اپنی دل نواز مسکراہٹ کا جال پھینکا۔ جب میں اس کے پاس گیا تو اس نے
آنکھوں میں دزدیدہ نظروں سے جھانکا اور فرط مسرت سے بولی۔ "مبارک ہو......"

"شکریہ۔" میں نے اسے تحیر زدہ نظروں سے دیکھا۔ وہ اپنے پرس میں کو
تلاش کر رہی تھی۔ میں نے تعجب سے کہا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میرا انٹرویو کامیاب رہا اور مجھے ملازمت مل گئی
اس نے اپنے پرس میں سے چھوٹا آئینہ نکال کر میری طرف بڑھایا۔
آئینہ دیکھیں......؟"

میں نے اس کے ہاتھ سے آئینہ لیتے ہوئے کہا "کیا یہ کوئی طلسماتی آ
جس سے بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے؟"

"آپ ذرا آئینہ تو دیکھیں......؟" اس کے لہجے ہی میں نہیں بلکہ اس کی بڑی
بڑی آنکھوں میں بھی شوخی بھری ہوئی تھی۔

"آپ سامنے ہیں تو آئینہ دیکھ کر کیا کروں......؟" میں نے بھی شوخی سے کہا۔
"آپ کے سوا کسی اور چیز کو دیکھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔"

گو کہ میری اس سے شناسائی زیادہ دیر کی نہ تھی اور نہ ہی میں اس سے فری تھا۔
میری جیب میں مال کیا آیا میری طبیعت میں جولانی آ گئی تھی۔ مجھے اس سے اس قدر کھل
کر اور شوخی سے بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔ میں دل میں ڈرا کہ کہیں وہ برا نہ مان جائے
لیکن اس نے کچھ خیال نہیں کیا۔

"آپ کا چہرہ چیخ چیخ کر آپ کی کامیابی کا اعلان کر رہا ہے۔" اس نے رک کر
مجھ پر ایک نگاہ ڈالی پھر اس نے سرگوشی میں آہستگی سے کہا کہ مجھے آپ کی کامیابی کے پانچ
فیصد امکانات بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ پھر بھی نجانے کیوں آپ کے لئے میں پرارتھنا
کر رہی تھی۔"

"آپ نے میرے لئے پرارتھنا کر کے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔" میں
نے ممنونیت سے کہا۔ "کیا میں اپنے محسن کا نام دریافت کر سکتا ہوں۔"

"وہ کس لئے......؟" اس نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ "اس میں احسان کی کیا بات
ہے۔ میں نے ایک انسان کے ناتے اپنا فرض ادا کیا۔"

"اس لئے کہ آپ کو ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھوں۔ آپ کی دعا تھی جس نے
مجھے ملازمت دلا دی۔ میں آپ کو کبھی بھی بھلا نہیں سکوں گا۔"

"میرا نام نمرتا ہے۔" وہ شگفتگی سے بولی۔ "میرے لئے رس گلوں کا ایک ڈبا اور
ایک ساڑی لانا نہ بھولنا۔"

پھر اس نے مجھے مزید مبارکباد دینے کے لئے ہاتھ بڑھا تو میں نے بڑی گرم
جوشی سے مصافحہ کیا اور اس کے ہاتھ کی پشت کو چوم کر نکل گیا۔

میں نے ہوٹل سے باہر آ کر ایک قریبی ریسٹورنٹ کا رخ کیا۔ میرے پیٹ میں

چوہے دوڑ رہے تھے۔ اب میری جیب خالی نہ تھی۔ اس میں پچیس ہزار کی رقم تھی۔ میں
آسمان کی وسعتوں میں پرواز کر رہا تھا۔ خوابوں میں اتنی بڑی رقم میں نے ان دنوں نہیں
دیکھی تھی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ کھانے کے دوران میں کئی بار غیر محسوس انداز سے نوٹوں
کو چھو چھو کر دیکھتا رہا۔

سب سے پہلے میں نے حجامت بنوائی۔ پھر میں نے چار جوڑے سلے سلائے
خریدے۔ پھر جوتوں کی جوڑی خریدی۔ کچھ اور خریداری کرنا تھی وہ میں نے بعد پر اٹھا
رکھ دی۔ میں سیدھا اپنے فلیٹ پہنچا۔ میرا خیال تھا کہ کرن نے تالا لگا دیا ہوگا۔ تالا نہیں
تھا۔ میرا ہی تالا لگا ہوا تھا۔ میں نے جوتے کپڑے فلیٹ میں رکھے پھر میں شکنتلا آنٹی کے
ہاں گھس گیا تا کہ انہیں خوشخبری سنا سکوں۔

کرن، اس کا چھوٹا بھائی وشوا ناتھ اور شکنتلا آنٹی نشست گاہ میں صوفوں پر بیٹھی
ہوئی تھیں۔ تیس انچ کے ٹیلی ویژن پر ایک نئی فلم دیکھ رہی تھیں۔ وی سی آر چل رہا تھا۔ مجھے
دیکھ کر کرن اور شکنتلا آنٹی کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ میں ان کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔

"تم فلیٹ کب تک خالی کر رہے ہو......؟" شکنتلا آنٹی نے زہر خند کہا۔ "کیا
اپنا سامان لے جانے اور چابی دینے آئے ہو؟"

"مگر میں ابھی کچھ دن اور رہنا چاہتا ہوں۔" میں نے پہلے کرن کی طرف
ان کی طرف دیکھا۔ "میں یہ کہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ مجھے......"

"اب ایک گھنٹہ بھی تمہیں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔" کرن
برہمی سے کہا۔ "تمہیں اب بلکہ اسی وقت یہ فلیٹ خالی کرنا ہے۔"

"آپ لوگ ایسے ناراض کیوں ہو رہے ہیں؟" میں نے کہا۔ "میں اس وقت
چائے پینے کے لئے آیا ہوں۔ کرن بہت اچھی چائے بناتی ہے۔"

"کیا میں تمہاری نوکرانی ہوں جو تمہارے لئے چائے بناؤں؟" کرن
ہذیانی لہجے میں کہا۔ "کہو تو تمہارے لئے زہر لا دوں......؟"

"چائے پلاؤ یا زہر دے دو...... لیکن ایک بات سن لو کہ میں زہر کھا کر بھی

وں گا۔ کیونکہ تمہارے ہاتھ میں زہر......"

کرن نے درمیان میں تیزی سے میری بات کاٹی اور اپنی ماں سے بولی۔ "ممی!
پ سن رہی ہیں یہ کیسی بدتمیزی پر اتر آیا ہے۔"

"کرن! آخر تم کس لئے اتنی ناراض ہو رہی ہو...... تم نے کتنے مہینوں تک مجھے
پنے نازک اور خوبصورت ہاتھوں سے طرح طرح کے لذیز، مزے دار اور ذائقہ دار کھانے
رڈشیں بنا کر کھلائیں۔ چائے، کافی اور جوس بھی...... میں انہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔"

"تم یہاں سے جاتے ہو کہ نہیں......" شکنتلا آنٹی کا پارہ چڑھ گیا۔ "کیا ہم
ہارے پتا جی کے نوکر ہیں۔ غلام ہیں جو تم حکم چلا رہے ہو؟"

"یہ دنیا بھی کیسی عجیب وغریب ہے آنٹی!" میں نے ایک سرد آہ بھری "جس
رح آسمان کیسے کیسے رنگ بدلتا ہے اس طرح دنیا اور لوگوں کے مزاج بھی بدلتے ہیں۔
پ لوگ بھی کس قدر بدل گئے۔ جب کہ آپ سے دور کی رشتہ داری بھی ہے۔"

"میں نے تم جیسا ڈھیٹ، بے شرم اور بے غیرت اپنی زندگی میں نہیں
یکھا......" کرن برافروختہ ہوگئی۔ "تمہیں تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرجانا چاہئے...... میں
نے تم سے کیا کہا تھا صبح جب تم باہر جا رہے تھے؟ میں تو یہ سمجھی تھی کہ تم نے خودکشی کر لی
گی۔"

"خودکشی تو غیرت مند لوگ کرتے ہیں۔" شکنتلا آنٹی نے خشونت آمیز لہجے
ں کہا۔ "بے حیا تو مر مر کے جیتے ہیں۔"

ان کی نفرت کے تیر...... زہریلے ڈنک اور حقارت میرے لئے نئی نہیں تھی۔ میں
ن کی باتیں بڑے سکون واطمینان سے بیٹھا سنتا رہا۔ ماں بیٹی اپنے دل کی بھڑاس
ال رہی تھیں۔ مجھ پر ان کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

"تم جاتے کیوں نہیں ہو؟" کرن بھڑک اٹھی۔ "فلیٹ کی چابی دو اور اپنا سامان
لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

"میں جانے سے پہلے چاہتا ہوں کہ تمہارے ہاتھ کی چائے پیوں اور پکوڑے

کھا کر جاؤں۔ یہ میری آخری خواہش ہے......کرن! تمہیں یاد ہے نا...... جب میں یہاں
پہلی بار آیا تو تم نے مجھے پکوڑے تل کر کھلائے اور چائے بنائی تھی جس میں ملائی بھری ہوئی
تھی۔"

"یہ کوئی دھرم شالہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ہوٹل ہے۔ بے غیرت، بے شرم......
آرڈر دے رہے ہو جیسے......" کرن نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ میں نے جیب سے رقم نکالی۔ میرے ہاتھ میں ہزار ہزا
کے بہت سارے نوٹ دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ان پر اس طرح
سکتہ چھا گیا جیسے کوئی بجلی آ گری ہو۔ میں نے اس میں سے ہزار ہزار کے تین نوٹ نکال ک
آنٹی کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"یہ لیجیے......شکنتلا آنٹی!......اس میں کرائے اور قرض کی رقم شامل ہے۔ آ
کا حساب بے باق ہو گیا۔"

شکنتلا آنٹی نے ہزار ہزار کے نوٹ اپنی مٹھی میں دبا لئے۔ پھر وہ حیرت
بولیں۔ "تم اتنی بڑی رقم کہاں سے لائے ہو؟"

"مجھے ایک فرم میں ملازمت مل گئی ہے۔ ماہانہ بیس ہزار روپے کی تنخواہ پر۔ کم
نے مجھے پچیس ہزار روپے ایڈوانس دیئے ہیں۔"

"سچ!" شکنتلا آنٹی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوئیں۔ ان کا چہرہ دمک اٹھ
آنکھیں چمکنے لگیں۔ "تم بڑے خوش قسمت ہو۔"

"مجھے بہت شرمندگی ہے کہ میں نے آپ لوگوں کو بہت تنگ اور پریشان کیا۔
میں آج شام تک فلیٹ خالی کر دوں گا۔" میں نے کہا۔

شکنتلا آنٹی کو جیسے کرنٹ لگا۔ وہ تڑپ کر بولیں نہیں......نہیں میں تمہیں یہ
سے جانے نہیں دوں گی۔ یہ فلیٹ تم اپنا ہی سمجھو۔ میں تم سے اس کا کرایہ بھی نہیں لوں
ہماری باتوں کا برا نہ ماننا۔ محبت میں بھی ایسی باتیں ہو ہی جاتی ہیں۔"

شکنتلا آنٹی نے اپنے پرس سے سو سو کے دو نوٹ نکال کر وشواناتھ کی ط

ائے۔ "جلدی سے جا کر ایک کلو مٹھائی لے آ...... تیرے بھیا کے لئے...... میں اپنے
ں سے منہ میٹھا کروں گی اس نوکری ملنے کی خوشی میں۔ اچھی سی مٹھائی لیتے آنا۔"

وشواناتھ تیزی سے باہر کی طرف لپک گیا۔ دوسری جانب کرن کی عجیب سی
ت ہو رہی تھی۔ اس پر ایسی ندامت طاری تھی کہ نظریں میری جانب اٹھ نہیں رہی تھیں۔
ت نے اس کی زبان گنگ کر دی تھی۔ میں دولت کے اس جادو پر مسکرا اٹھا...... اس نے
ن کی آنکھوں میں بجھی ہوئی محبت کے چراغ پھر سے جلا دیئے تھے۔ محبت جاگ اٹھی
۔ اس کے چہرے پر پچھتاوے کا کرب کانپ رہا تھا۔ اب نفرتوں کا دور دور تک کوئی
نہیں رہا تھا۔ میرے دل کے کسی کونے میں ایک نغمہ گونج اٹھا۔ اے دولت زندہ باد۔

صبح اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ دروازے پر ہلکی ہلکی دستک ہو رہی تھی۔ دستک
نے والے ہاتھ وشواناتھ کے نہیں تھے۔ وہ تو بڑی بے صبری سے اس وقت تک مسلسل
ازہ پیٹتا رہتا تھا جب تک میری آنکھ نہ کھل جائے۔ ایک آدھ بار شکنتلا آنٹی نے
ے دروازے پہ دستک دی تھی۔ مگر ان کا انداز دروازہ توڑ دینے والا ہوتا تھا۔ میں تو ہر
دستک کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔

یہ دستک تو پھول جیسے ہاتھوں کی تھی۔ جیسے فضا میں کوئی نغمہ گونج رہا ہو۔ مجھے کوئی
رگیت سنا کر نیند سے بیدار کیا جا رہا ہو۔ ساتھ ساتھ چوڑیاں بھی کھنک رہی تھیں۔ میں
بستر سے نکلنے میں بڑی تیزی دکھائی اور لپک کر دروازہ کھول دیا۔

☆......☆......☆

میرا قیاس درست ہی نکلا۔ میری نظروں کے سامنے کرن ایک تروتازہ کلی کے مانند شبنم میں نہائی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں قمقموں کی روشنیاں بکھری ہوئی تھیں۔ جانے کس انجانے خیال سے اس کے چہرے پر تمازت تھی کہ وہ سرتا پیر حیا میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے شیریں لبوں پر بکھرتے ہوئے معنی خیز تبسم نے اس کے دل کی بات کہہ دی۔ اس کے لب پیاسے ہو رہے تھے۔

اس نے اپنے دونوں حسین اور مرمریں ہاتھوں میں ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی جر میں عمدہ اور پرتکلف ناشتا سجا ہوا تھا۔ انڈوں کا آملیٹ اور سلائس، پراٹھے، مکھن، فش کٹلس کیچپ کی بوتل، چینی کی خوبصورت سی پیالی...... ایک چھوٹی سی ٹی کوزی کے اندر کیتلی موجو تھی۔ سبھی کچھ اس ٹرے میں بڑے سلیقے سے رکھا ہوا تھا...... اس سے زیادہ سلیقہ اس کے لباس میں تھا۔ سفید براق ساری اور سفید بلاؤز جو بغیر آستینوں کا تھا جس نے اس کے حسن وشباب اور سراپا کی کرشمہ سازیاں واضح کر دی تھیں۔

میں نے اسے دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ دہلیز پر جیسے دودھیا چاندنی منجمد ہوئی دکھا دے رہی تھی۔ اب میرے ستاروں کی گردش کو زوال نہیں آ سکتا تھا۔ مجھے اس طرح اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ لجا گئی۔ اس کے چہرے پر حیا کی سرخی بکھرنے لگی۔

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں......؟'' اس کی دل کش آواز کا زیرو بم فضا میں لہرایا

اس نے اپنی لانبی پلکیں جھپکائیں۔

مجھے اس کا اجازت لینا کچھ عجیب سا لگا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھا ہوئے کہا۔ ''تم بغیر اجازت کے بھی اندر آ سکتی ہو؟''

پھر میں نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ میرے پاس سے نسیم سحر بن کر گزری اور اپنے جسم کی سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک چھوڑتی چلی گئی۔ یرے دل و دماغ کو معطر معطر کر گئی تھی۔ میں جیسے مدہوش سا ہو گیا تھا۔

اب کرن کو میری ذات سے کوئی خوف و خدشہ نہیں رہا تھا۔ میرے ہونٹوں کی مہر بت اور ہاتھوں کی کسی بھی حرکت پر اسے کوئی تعرض نہیں ہو سکتا تھا۔ میں پھر سے اس کی بت پا کر پرانی تلخ باتوں کو بھول گیا تھا۔ دل میں جو نفرت نے کثافت بھر دی تھی اسے میں نے کھرچ دیا تھا۔ نفرت کی جگہ محبت نے لے لی تھی۔ میں نے دروازہ بند کر کے کنڈی گادی تھی۔ اسے واپسی کی ایسی کوئی جلدی نہیں تھی۔ کیونکہ شکنتلا آنٹی ایک سکول میں ڑھانے صبح سات بجے جاتی تھیں تو دوپہر دو بجے لوٹتی تھیں۔ وشواناتھ بھی ان کے ساتھ چلا جاتا تھا۔ جب میں کمرے میں آیا تو دیکھا کہ وہ میز پر ناشتا چن رہی ہے۔ سفید ساری اور اؤز میں اس کا گداز جسم عجیب بہار دے رہا تھا۔ وہ پونم کا چاند لگ رہی تھی۔

کرن بڑی دیر تک میرے کمرے میں کرن بنی جگمگاتی رہی۔ میرے دل اور نکھوں میں بسی رہی۔ محبت کی سرد لاش میں نئی روح پھونک کر ایک بار پھر عہد و پیماں کئے گئے۔ ایک بار پھر زندگی بھر ساتھ رہنے کے وعدے کئے گئے۔ ہم بڑی دیر تک محبت کا تاج ئل تعمیر کرتے رہے۔

کرن نے اپنا سب کچھ آج پہلی بار نہیں سونپا تھا۔ اس کی مہربانی میرے لئے ئی نہیں تھی۔ میں جب برسرروزگار تھا وہ مجھ پر بدلی بن کر برستی تھی۔ آج اس کی محبت میں ہی والہانہ خودسپردگی اور وارفتگی اور فیاضی بھی تھی جس نے ساری دیواریں گرا دی تھیں۔ نگالی لڑکیاں محبت میں بہت جلد فریب کھا جاتی تھیں۔ ان کے نزدیک محبت میں جنگ کی لرح سب کچھ جائز تھا۔

سہ پہر کے وقت میں کرن کو اپنے ہمراہ لے کر بیت المکرم اور نیو مارکیٹ گیا۔ سے خریداری کرائی۔ شکنتلا آنٹی اور وشواناتھ کے لئے بھی خریداری کی۔ میں شکنتلا آنٹی کا حسان فراموش نہیں بن سکتا تھا اور نہ ہی ان کے احسانات اور کرن کی عنایتوں کو بھول سکتا

تھا۔ وہ ساری زندگی کے لئے ایک یادگار تھیں۔ آج بھی کرن نے میری محبت کو قبول کر کے جو چاہت دی تھی وہ بھی بھولنے والی نہ تھی۔

رات بارہ بجے کرن، کرن کی طرح میرے فلیٹ میں آئی تو مجھے حیرت نہ ہوئی۔ وہ ماضی میں بھی آ چکی تھی اور آتی رہی تھی۔ اس کی ماتا اور پتا جی رات نیند کی گولیاں کھا کر سوتے تھے۔ اس کے بغیر انہیں نیند نہیں آتی تھی اس لئے کرن نے اس سے فائدہ اٹھایا تھا۔

دوسرے دن میں اسے پہلا شو دکھانے بلا کا سینما لے گیا۔ وہاں رومانی فلم چل رہی تھی۔ اس کا آخری شو اور دن تھا۔ اسی لئے ہال خالی پڑا تھا۔ ہم دونوں فلم کیا دیکھتے۔ ہماری رومانی فلم چلتی رہی۔ ہم دونوں انٹرویل ہی میں اٹھ گئے پھر ایک چائنیز ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا۔ جب ہم دونوں گھر پہنچے تو رات کے دس بج رہے تھے۔ میں شکنتلا آنٹی کے ہاں ایک گھنٹے تک بیٹھا گپ شپ کرتا رہا۔ کرن نے کھانا کھا کر لوٹتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ وہ آج رات بھی آئے گی۔ جب میں اپنے فلیٹ پر آیا تو میرا سینہ دھک سے رہ گیا۔

ارشاسین کا گورکھا ملازم شامو میرے فلیٹ کے دروازے پر بڑے پراسرار انداز سے ٹہلتا ہوا میری آمد کا بے چینی سے منتظر تھا وہ مجھے بڑا محتاط اور چوکنا سا دکھائی دیا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی بڑے مودبانہ انداز سے سلام کیا۔

''کیا بات ہے شامو! خیریت تو ہے؟ اس وقت کیسے آنا ہوا؟'' میں نے متعجب لہجے میں دریافت کیا۔

''آپ فوراً ہی ریلوے سٹیشن پہنچ جائیں۔'' اس نے اپنی پتلون کی جیب سے کاغذ کا ایک پرزہ نکال کر میری طرف بڑھایا۔ ''اس پر گاڑی کا نام، بوگی نمبر اور سیٹ نمبر بھی درج ہے۔ یہ ریزرو کمپارٹمنٹ ہے۔''

میں نے اسے تھوڑی دیر کے لئے روکنا چاہا کہ اس کی خاطر مدارت کر سکوں اور اسی بہانے ارشاسین کے بارے میں بھی معلومات حاصل کروں۔ میں اس حسین بلا کے بارے میں کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا اور اس کے بارے میں کسی اور سے کچھ معلوم بھی نہیں

ہو سکتا تھا اور پھر میں نے نمرتا سے بھی کچھ معلوم نہیں کیا تھا اور نہ ہی نمرتا کے گھر کا پتا لیا تھا۔ میں تو کرن کو پا کر سب کچھ بھول گیا تھا۔ میں نے کرن کی معیت میں ایک ایک لمحہ، گھڑی اور ایک رات گزار کر جیسے نفرتوں، بے عزتی اور اپنی ذلالت کا بدلہ لیا تھا۔ کرن نے میری صرف اس لئے توہین کی تھی کہ میں بے روزگار اور قلاش ہو گیا تھا۔ میں برسر روزگار تھا تو اس کی محبت اور مہربانی میں گرم جوشی، والہانہ پن اور خودسپردگی ہوتی تھی۔ گویا اس کی محبت میں کھوٹ تھی۔ تصنع تھا۔ وہ ایک عورت نہ تھی بلکہ ایک بلا ہی تھی۔ وہ مجھ پر پھر اس لئے مہربان ہو گئی تھی کہ میں برسرروزگار ہو گیا تھا۔

شامو مجھ سے کہیں کائیاں نکلا۔ اس نے معذرت کی اور مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر چلا گیا۔

دو دن تک کرن کی قربت میسر ہونے کے باوجود ارشاسین کی ایک ہیبت سی میرے دل پر بیٹھی رہی تھی۔ میں نشاط انگیز لمحات میں کرن سے باتیں کرتے کرتے کہیں کھو سا جاتا اور سوچوں میں گم ہو جاتا پھر میں ایسا محسوس کرتا کہ ایک حسین زہریلی ناگن مجھے ڈسنے کے لئے میرے جسم سے لپٹی ہوئی ہے۔ پچھتاوے کا احساس میری رگوں میں کرب بن کر پھیلتا رہا لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ ایک بلا نے مجھے ایک موکل کی طرح اپنا غلام بنا لیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس سے کب اور کیسے نجات ملے گی۔

میں اپنے سوٹ کیس میں کپڑے رکھ رہا تھا کہ کرن آ گئی۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا تم کہیں جا رہے ہو؟ مجھ سے بولے بغیر......؟''

''ہاں میں جا رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ابھی ابھی میرے باس کا آدمی آ کر گیا ہے اس نے فوراً سٹیشن پہنچنے کے لئے کہا ہے۔''

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم آج کی رات رک جاؤ اور کل صبح چلے جاؤ؟'' کرن نے مجھے خودسپردگی کی نظروں سے دیکھا اور میرے گلے میں بانہیں حمائل کر دیں۔

''تم ایک رات کی بات کر رہی ہو میں ایک گھنٹہ نہیں رک سکتا۔ بہت ہی ضروری کام ہے اور پھر نئی نوکری ہے۔'' میں نے کہا۔

"پھر تم کب واپس آؤ گے؟" میں نے جواب دیا۔ "اس ملازم نے مجھے کچھ نہیں بتایا کہ کہاں اور کتنے دنوں کے لئے مجھے بھیجا جا رہا ہے؟"

پھر کرن نے جذبات کی رو میں بہتے ہوئے اپنے دہکتے ہوئے ہونٹ میرے لبوں پر رکھ دیئے۔ مجھے چونکہ جلدی روانہ ہونا اور پہنچنا تھا اس لئے اس کی گرم جوشی کا جواب رسمی انداز سے دیا۔ پھر میں اپنا سوٹ کیس اٹھا کر نکل گیا۔ اس کے ماتا پتا جی سے بھی نہیں ملا۔ مل بھی کیسے سکتا تھا۔ وہ تو نیند کی گولیاں کھا کر گہری نیند سو رہے تھے۔ کرن اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میرے فلیٹ میں آ گئی تھی۔

میں نے کرن کو ارشاسین کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور نہ ہی بتانا ضروری تھا۔ میں کرن کے بارے میں سوچتا ہوا کملاپور ریلوے سٹیشن وقت سے پہلے ہی جا پہنچا۔ گاڑی ابھی پلیٹ فارم پر نہیں آئی تھی۔ ارشاسین اور اس کا ملازم بھی کہیں دکھائی نہیں دیا۔ کچھ دیر بعد جب گاڑی پلیٹ فارم پر آ کر لگی تو میں نے کمپارٹمنٹ تلاش کر کے اس میں اپنا چھوٹا سا سوٹ کیس رکھ دیا اور پھر کمپارٹمنٹ کے دروازے میں کھڑے ہو کر اپنی حسین و جمیل باس کا انتظار کرنے لگا۔ گاڑی کی روانگی میں جب پانچ سات منٹ باقی رہ گئے تب میں نے ارشاسین کو دیکھا۔ وہ اپنے گورکھا ملازم شامو کے ساتھ آتی دکھائی دی۔ ملازم کے ہاتھ میں ایک بڑا چرمی سوٹ کیس تھا۔

میں نے ارشاسین کو دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ وہ نیلے رنگ کی ساڑی میں بلا کی حسین دکھائی دے رہی تھی۔ میک اپ سے مبرا چہرے پر حسن پھوٹا پڑ رہا تھا۔ اس کے سراپا کی سی دل کشی میں نے بہت کم عورتوں میں دیکھی ہے۔ وہ ایک ایسا تراشیدہ پیکر تھی کہ اسے نظروں کے سامنے بٹھا کر صدیوں تک دیکھا جائے تو دل کی اور نظروں کی پیاس نہ بجھے بلکہ بڑھتی ہی جائے۔ جانے کتنے لمحوں تک میں بے خودی کے عالم میں اس کا ہیجان انگیز سراپا تکتا اور دل کو برماتا رہا۔

میں یہ جانتے بوجھتے بھی اسے دیکھتا رہا کہ یہ وہ سپنا ہے جو کبھی پورا نہیں ہو سکتا...... وہ آسمان کے وسعتوں پر ایک ایسا جھلملاتا ستارہ ہے کہ میں اسے پانا تو درکنار

چھو بھی نہیں سکتا ہوں۔ اس کے اور میرے درمیان جو فاصلہ ہے میں اسے کبھی پاٹ نہیں سکتا۔ وہ قریب ہو کر بھی دور ہے۔ میں اسے دیکھ کر نیچے اتر آیا۔ ارشاسین نے مجھ سے چند ایک رسمی باتیں دریافت کیں اور میری خیریت پوچھی پھر وہ میرے ساتھ کمپارٹمنٹ میں چلی آئی۔ گورکھا ملازم شامو بھی ساتھ تھا۔ ارشاسین نے میرے اور اپنے درمیان ایک باس اور ملازم کا فاصلہ قائم رکھا۔ میں نے اس کے انداز اور تیور سے یہ اندازہ لگایا کہ وہ شاید اپنے ملازم کی موجودگی کے باعث زیادہ لفٹ دینا نہیں چاہتی ہے۔ لیکن اسے اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ میں اس کا ایک ملازم تھا۔ دوست یا پارٹنر تھا نہیں جو وہ مجھ سے کھل کر پیش آتی اور بات کرتی۔

میں اس سے کھل بھی کیسے سکتا تھا۔ میں اس کی پراسرار اور عجیب و غریب ذات سے اس قدر مرعوب اور دہشت زدہ سا ہو گیا تھا کہ میری آواز میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ جب گاڑی چل پڑی تو وہ کچھ دیر تک سیاسی موضوع پر مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ پھر اس نے اچانک اپنی گفتگو کا سلسلہ ختم کیا پھر وہ واش روم میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ منہ دھو کر نکلی تو اس کے چہرے کا حسن اور نکھر گیا تھا۔

ارشاسین نے اپنے سوٹ کیس سے ایک انگریزی کا ناول نکالا۔ اس کا نام اور سرورق سے وہ جاسوسی ناول لگا۔ وہ اسے پڑھنے لگی۔ شامو دروازے کے پاس خاموشی سے کھڑا ہوا سیٹ کو گھور رہا تھا۔ مجھے اس پر ترس آ گیا۔ ارشاسین اتنے بڑے اور خالی کمپارٹمنٹ میں اپنے چپراسی کو برتھ پر بیٹھنے کے لئے نہیں تو کم از کم اسے فرش پر بیٹھنے کے لئے تو کہہ سکتی تھی۔ مجھے ارشاسین کی اس حاکمیت کا انداز بالکل بھی پسند نہیں آیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک حسین و جمیل عورت کے سینے میں پتھر دل ہو گا۔

میرے پاس پڑھنے یا وقت گزاری کے لئے کچھ نہ تھا۔ میں کچھ دیر تک تو کرن کے بارے میں سوچتا رہا، پھر مجھے جھرنا کی یاد آئی۔ جانے کیا بات تھی کہ میں نے ارشاسین میں قدرے جھرنا کی شباہت محسوس کی تھی۔ وہ جیسے جھرنا کی بہن ہو۔ کبھی کبھی لمحے کے لئے مجھے ارشاسین پر جھرنا کا دھوکا ہونے لگتا۔ پھر میں باہر جھانکتے ہوئے چور نظروں سے

ارشاسین کو پڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ بھی ایک پراسرار، سنسنی خیز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے ناول سے کم نہیں تھی۔ اس پر سے نگاہ تھی کہ ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اگر میرا بس چلتا اور میرے اختیار میں ہوتا تو میں اسے ساری رات دیکھتا اور پڑھتا رہتا۔ ایک پل کے لئے بھی پلکیں نہیں جھپکاتا۔ یہ اس وقت ممکن تھا جب وہ گہری نیند سوجاتی۔

ایک دو مرتبہ ارشاسین نے میری نگاہ کی چوری پکڑ لی لیکن اس کے بشرے سے کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ غالباً وہ ناول کے پرتجسس اور سنسنی خیز واقعات کی دلچسپی میں کھوئی ہوئی تھی۔ جاسوسی ناول اور کہانیاں ایسی ہوتی ہیں کہ اسے پڑھتے ہوئے آدمی اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے اس کی سطر سطر میں دلچسپی ہوتی ہے۔

یکا یک اسے خیال آیا تو اس نے کتاب سے نظریں ہٹا کر ہم دونوں کی طرف دیکھا یہ آپ دونوں کیا میری وجہ سے جاگ رہے ہیں؟''

''جی ہاں۔'' میں نے سر ہلایا۔'' آپ سو جائیں تو ہم بھی سو جائیں گے۔ یوں بھی نیند نہیں آ رہی ہے۔'' یہ میں نے جھوٹ کہا تھا۔

''میں جب تک یہ ناول ختم نہیں کرلوں گی اس وقت تک سونے سے رہی۔''
ارشاسین نے جواب دیا۔'' آپ دونوں سو جائیں۔''

میں اس حکم کا منتظر تھا۔ چنانچہ میں اوپر والی برتھ پر جا کر دراز ہوگیا۔ شامو نے ایک بڑا سا رومال جیب سے نکالا اور اسے دروازے کے پاس بچھایا پھر اس نے اکڑوں بیٹھ کر دیوار سے ٹیک لگالی۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ میں چھت کو ایک ٹک دیکھتا ہوا اپنے بھیانک مستقبل کے بارے میں بڑی سنجیدگی اور فکرمندی سے سوچنے لگا۔ میں نے جس راہ پر مجبوری، ذلت اور ضرورت کے تحت قدم رکھ دیا تھا اب اسے بدل نہیں سکتا تھا۔ میری رگوں میں پچھتاوے کا زہر سرایت کرنے لگا۔ میں پچھلے دو دنوں سے کسی قدر تھکا تھکا اور نڈھال سا ہوگیا تھا اور پھر کرن نے دو راتیں سونے نہیں دیا تھا۔ اس تھکن کے باعث جلد ہی مجھے نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ پہلے تو میں

یہ سمجھا کہ میں کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہوں۔ نہ جانے کیسا شور یا دھماکا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے ایک روح فرسا منظر دیکھا جس کا مجھے یقین نہیں آیا۔ یہ کوئی خواب نہ تھا اس روح فرسا منظر نے مجھے بری طرح ہلا کر رکھ دیا۔

ایک شخص جس کی جسامت دیو جیسی تھی اور اس کا قد کسی بھی طرح ساڑھے چھ فٹ سے کم نہ ہوگا۔ ایسی قامت کے لوگ بنگال میں لاکھوں میں ہوتے ہیں۔ نہایت پراسرار انداز میں کمپارٹمنٹ میں کھڑا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی بڑی بڑی لال آنکھوں میں ایک وحشیانہ چمک دیکھ کر میری جان نکل گئی۔ اس پر ایک پیشہ ور قاتل کا دھوکا ہو رہا تھا۔ اس کا چہرے کوئلے سے بھی زیادہ سیاہ اور خوفناک تھا لیکن اس سے کہیں زیادہ خوف ناک اس کے ہاتھوں میں چمکتا ہوا چھرا تھا جس کی تیز دھار، پھل اور چمک نے جیسے میری روح قبض کر لی تھی۔ اس کا اس کمپارٹمنٹ میں بھی گھس آنا ایک معمہ تھا۔ وہ پہلے سے کہاں چھپا ہوا تھا......؟ کہاں سے اور کیسے اس کمپارٹمنٹ میں گھس آیا۔ اس بات کی کوئی خبر نہیں تھی اور نہ ہی کچھ اندازہ ہو رہا تھا۔ گاڑی تیز رفتاری سے اپنا سفر طے کررہی تھی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ وہ اس کھڑکی کے ذریعے سے اندر آیا ہوگا جس کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا اور اسے کھلی چھوڑ کر اوپر والی برتھ پر سونے کے لئے چلا گیا تھا یا اس بات کا بھی امکان ہوسکتا ہے کہ وہ ساتھ والے واش روم میں پہلے سے چھپا بیٹھا ہو۔ اس میں دو واش روم تھے۔ یہ کمپارٹمنٹ سپیشل وی آئی پی اور کل چھ افراد کے لئے تھا جو ارشاسین نے پورا بک کرلیا تھا۔ بہرحال اس کی یہاں موجودگی کا مقصد ڈکیتی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ ایسے واقعات تو سفر کے دوران پیش آتے رہتے تھے۔ لیکن میرے لئے یہ واقعہ لرزہ خیز تھا۔

ارشاسین کے ہاتھ سے ناول چھوٹ کر فرش پر گر پڑا تھا جسے اس نے نہیں اٹھایا تھا اور وہ دیوار کے ساتھ لگی سہمی ہوئی سی کھڑی تھی۔ جب یک بارگی اس کے شانے سے ساری کا پلو پھسل کر فرش پر بکھر گیا تھا تو اس نے فوراً ہی اٹھا کر اسے سینے اور شانے پر درست کیا۔ اس پل ایک کوندا سا لپک گیا تھا۔ تاہم اس کے حواس قابو میں تھے۔ شامو اپنی جگہ کھڑے ہو کر اس بدمعاش کو گھورے جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ اور آنکھیں خون

خوار بلی کی مانند چمک رہی تھیں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی موقع کی تاک میں ہو۔

اس خبیث بدمعاش نے فضا میں چھرا لہرایا اور کسی قدر محتاط انداز میں ارشاسین کی جانب بڑھا۔ پھر وہ چند قدم آگے بڑھ کر وہ مودبانہ انداز سے رک گیا پھر اس نے کسی قدر نرم آواز میں کہا۔ ''خادم اپنی مہارانی کی خدمت میں نمسکار کہتا ہے۔''

ارشاسین نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ البتہ اس کا چہرہ تمتما گیا اور اس کا سینہ بری طرح دھڑک اٹھا تھا۔

وہ بدمعاش کورنش بجالاتے ہوئے بولا۔ ''مہارانی کے مزاج تو اچھے ہیں نا......؟ لیکن آپ یہاں کیسے......؟ یقین نہیں آ رہا ہے؟ غلام نے کہا...... ہر کسی نے یہ سنا تھا کہ آپ لندن گئی ہوئی ہیں؟ کیا یہ غلط بات ہے؟''

مہارانی!......؟ میری زبان سے بے ساختہ نکلتے نکلتے رہ گیا۔ میری حیرت بھری نگاہ ارشاسین پر جم گئی۔ میں اس بدمعاش کی زبان سے مہارانی کے خطاب پر چونک اٹھا تھا۔ وہ کوئی مہارانی تھی......؟ مگر کس دیس اور ریاست کی مہارانی...... میرے ذہن میں خوف کی حالت کے باوجود طرح طرح کے سوالات ابھرنے لگے تھے۔ لیکن میں کچھ اندازہ نہیں کر سکا اور یہ میرے لئے بہت مشکل بھی تھا۔

''دھتو!......'' چند لمحوں کی اذیت ناک خاموشی کے بعد ارشاسین کی تحکمانہ آواز ابھری لیکن اس میں لرزیدگی نمایاں تھی۔

''آپ نے اس غلام کو پہچان لیا مہارانی!......؟ ورنہ میرا تو یہ خیال تھا کہ آپ مجھے بھول گئی ہوں گی؟'' وہ بھونڈے پن سے بولا۔

''تم اور یہاں......؟ یہ کیا حرکت ہے......؟ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ میں ایسی اوچھی، گھٹیا اور ذلیل حرکتوں کی بالکل بھی پروا نہیں کرتی ہوں، تمہیں ادب سے اور زبان سنبھال کر بات کرنی چاہئے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ غصے سے کانپنے لگی تھی۔

''سرکار!'' دھتو کے چہرے پر ایک عیارانہ مسکراہٹ پھیل گئی وہ استہزائی لہجے میں کہنے لگا۔ ''آپ جانتی ہیں کہ اب میں کس کا غلام ہوں۔ لہٰذا اب مجھ پر آپ کا کوئی

کار نہیں ہے اور نہ ہی آپ اپنا کوئی حکم مجھ پر چلا سکتی ہیں۔''

''تم جس کے بھی غلام ہو۔ بہرحال غلام ہو۔ اس بات کو مت بھولو کہ تم ایک ید اور غدار اور نمک حرام غلام ہو۔'' ارشاسین بگڑ کر برہمی سے بولی ''تم تو ایک ایسے ں اور کمینے شخص ہو جس کی مثال نہیں ملتی ہے۔''

''آپ جو بھی کہہ لیں اس سے میری ذات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ غلام تو بکنے کے پیدا ہوتا ہے لہٰذا میں بھی بک گیا...... اس میں کون سی نئی اور حیران کر دینے والی بات ۔ میں نے جب تک آپ کا نمک کھایا کبھی نمک حرامی نہیں کی؟'' اس نے کہا۔

''تم یہاں کیوں اور کس لئے آئے ہو؟'' وہ ایک مہارانی کی طرح بڑے وقار مکنت سے بولی۔

''اس لئے کہ میں اپنے نئے آقا کے حکم پر عمل کروں...... انہوں نے جو مشن ہونا ہے اسے پایہ تکمیل تک پہنچاؤں؟''

''کون سا مشن......! کیا مشن......؟'' ارشاسین نے تیز لہجے میں پوچھا۔ ''اس کا نا مشن ہو سکتا ہے؟''

''میرے آقا کا حکم ہے کہ میں آپ کو قتل کر دوں اور آپ کا سر اس کے چرنوں ڈال دوں؟'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میرے قتل سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا......؟'' ارشاسین ذرہ برابر بھی خوفزدہ نہیں ا۔ اس نے بے خوفی سے پوچھا۔

''بہت بڑا فائدہ...... اس نے کہا ہے کہ آپ کے سر کی قیمت منہ مانگا انعام، ب اور شراب، مالنی سے میری شادی کر دی جائے گی۔''

''بالفرض محال تم کسی وجہ سے مجھے قتل نہیں کر سکے......؟ اس ناکامی کی صورت نہیں کیا ملے گا؟'' ارشاسین نے پوچھا۔

''خیر ایسا تو نہیں ہوگا۔ کیونکہ آپ کے زندہ بچ جانے کی صورت میں پھر میں ہیں رہ سکوں گا۔ لہٰذا'' اس کے چہرے کی شگفتگی یکایک درندگی میں بدل گئی۔'' میں

آپ کو ہر قیمت پر قتل کر کے آپ کا سر لے کر اپنے آقا کے پاس جاؤں گا۔'' وہ سفاک لہجے میں بولا۔ ارشاسین پر اس کی ان خوفناک باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ان کی باتوں سے اچھی طرح سے اس بات کا اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ تاہم اس لرزہ خیز تصور سے میری رگوں میں لہو منجمد ہو گیا کہ میری نظروں کے سامنے میری باس کو نہ صرف قتل کر دیا جائے گا بلکہ اس کا سر کاٹ کر بھی لے جایا جائے گا۔

''ارشاسین نے اپنے ملازم شامو کی طرف دیکھا جو ایک طرف بے بسی کے عالم میں کھڑا ہوا تھا۔ ارشاسین اور شامو کی نظروں میں کسی قسم کا جو تبادلہ ہوا اسے دھتو کی تیز نگاہوں نے فوراً ہی تاڑ لیا۔ وہ چوکنا ہو گیا۔ جیسے ہی شامو کے جسم میں جنبش ہوئی تو دھتو نے اسے خونخوار نظروں سے گھورا۔ پھر وہ غرایا۔

''او کتے کی اولاد...... اگر تو نے کوئی حرکت کی تو میں تجھے بھی موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔''

''دھتو!......'' شامو نے گرج کر کہا۔ ''ذلیل...... حرام زادے...... تو کیا سمجھ ہے اپنے آپ کو......؟''

''میں جو سمجھتا ہوں تجھے اس سے کیا...... میں جو اپنا کام انجام دینے آیا ہوں اسے پورا کر کے رہوں گا۔'' دھتو نے جواب دیا۔

''کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنی مالکن کو تیرے ناپاک ہاتھوں سے مرنے دوں گا اخ تھو...... شامو نے بپھر کر فرش پر تھوکا۔ کیا تو مجھے جانتا نہیں ہے کہ میں کون ہوں...... جو اس قسم کی دھمکیاں دے رہا ہے۔''

دھتو کے لبوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے چھرا فضا میں لہرایا۔ پھ اس نے شامو کی طرف حقارت بھری نظروں سے دیکھا۔ ''ابے او...... کرائے کے ٹٹو...... دھتو کا لہجہ استہزائیہ تھا۔ ''تیری اوقات ہی کیا ہے۔ میں تجھ جیسے مرداروں کو چیونٹی کی طرح مسل دیتا ہوں۔ پہلے تو میں نے یہ سوچا تھا کہ تو ایک کتے کی طرح ہے۔ تجھے چھوڑ دوں لیکن اب تیرے خون سے بھی ہاتھوں کو مہندی لگانا ضروری ہو گیا ہے ورنہ مزا نہیں آئے گا

نا ہے کہ کسی کو قتل کرنے میں کتنی لذت ملتی ہے؟''

''کسی غلط فہمی میں مت رہو نمک حرام......؟'' شامو کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی وں میں خون ابلنے لگا۔

''تو مجھے دھمکا رہا ہے؟'' دھتو قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔ ''ایسا تو نہیں کہ تو ھنگ پی رکھی ہو؟''

''تو کیا ذلیل اور حرامی شخص ہے جو میری مالک کا نمک کھا کر بھی نمک حرامی ا ہے؟'' شامو غضبناک ہو کر بولا۔ ''کیا تیری برادری میں بھی تجھ جیسے کتے اور نمک ی پیدا ہونے لگے ہیں۔ مجھے تو بھی حرام کی اولاد لگ رہا ہے۔''

شامو کے آخری جملے نے دھتو کو غضبناک کر دیا۔ وہ شامو کی طرف جھپٹا ہی تھا شاسین کی کانپتی ہوئی آواز گونجی۔

''دھتو!...... ٹھہرو...... رک جاؤ...... میری بات سنو...... خبردار جو تم نے شامو کو گایا؟''

دھتو یک لخت رک گیا۔ اس کے سینے میں سانسیں دھونکنی بن کر چل رہی تھیں۔ نے ارشاسین کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''آپ کیا کہنا چاہتی ہیں جلدی سے تا کہ میں اسے پہلے ذبح کر دوں؟''

ارشاسین نے تھرتھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''تم بتاؤ کہ تمہیں کتنی رقم چاہئے؟ سے سودے بازی کرو......''

''آپ مجھ سے سودے بازی کرنا چاہتی ہیں یا فریب دینا؟'' دھتو نے شامو پر کھتے ہوئے ارشاسین سے پوچھا۔

''میں تم سے ایک ایسا سودا کرنا چاہتی ہوں جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' ین نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ ''تمہیں فریب دینے سے کچھ حاصل نہیں...... میں ا اپنے دشمن کو نیچا دکھانا چاہتی ہوں۔ اس کے علاوہ میری کوئی اور خواہش نہیں ہے۔''

''اگر یہ بات ہے تو میں آپ کی بات کا اعتبار کئے لیتا ہوں۔'' دھتو نے سپاٹ

لہجے میں کہا۔

''تم یہ بتاؤ کہ تمہیں کتنی رقم چاہیے.....'' ارشاسین نے خالص کاروباری
میں پوچھا۔''میں تمہیں تمہارے مالک سے کہیں زیادہ نواز سکتی ہوں۔''

''لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی زندگی کی بھی حفاظت چاہیے۔''
یکا یک سرد پڑ گیا۔اس کے چہرے پر نرمی سی آ گئی۔

''وہ کس لئے.....؟'' ارشاسین نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔''میں تمہیں
دینے کے بعد تم سے کوئی واسطہ نہیں رکھوں گی۔''

''اس لئے کہ میں آپ کا سر نہیں لے گیا تو پھر ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکو
گا۔وہ مجھے پیشہ ور قاتلوں سے مروا دیں گے۔''

''مگر میں تمہیں اتنی دولت دوں گی کہ تم ہندوستان کے کسی کونے کھدرے
اپنی زندگی عیش سے گزار سکتے ہو۔'' ارشاسین بولی۔

''لیکن میری بیوی بچے جو یرغمال بنے ہوئے ہیں۔'' دھتو نے فکرمندی سے
''وہ زندہ نہیں بچ سکیں گے۔ان کا کیا ہوگا؟''

''میں ان سب کی زندگی کی ضمانت دے سکتی ہوں۔'' ارشاسین نے کہا۔''لیکن
تم ان کے لئے اس قدر پریشان کیوں ہو رہے ہو؟ تم مالنی کے لئے بے تاب ہو۔تمہا
زندگی میں کبھی لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں رہی ہے۔تم نے نجانے کتنی ہی غریب اور کم
لڑکیوں کو اغوا کر کے ان کی بے حرمتی کی۔اس کے باوجود انہیں جہاں کہو گے وہاں
دوں گی۔تم میری زبان پر بھروسا کر سکتے ہو اور تم مجھ سے برسوں سے واقف ہو۔''

''آپ مجھے اپنے مالک سے غداری کا کیا انعام دیں گی۔'' اس نے قدر
توقف کے بعد پوچھا۔وہ ارشاسین کی باتیں سن کر سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''دو لاکھ ٹکے۔'' ارشاسین نے جواب دیا۔''تم اس رقم سے ہندوستان کے
بھی صوبے میں جا کر کوئی اچھا سا کاروبار کر سکتے ہو۔''

''اونہہ.....'' دھتو نے حقارت سے منہ بنایا۔''یہ آپ مجھے کیا دان دے

؟میں کیا کوئی بھکاری ہوں؟''

''کیا تمہارے نزدیک دو لاکھ کی رقم کوئی حقیقت نہیں رکھتی.....؟'' ارشاسین
ت سے بولی۔

''بنگلہ دیش کی رقم کوئی قیمت نہیں رکھتی ہے۔آپ مجھے ہندوستانی کرنسی میں دو
ی رقم کی ادائیگی کریں۔'' دھتو نے خالص کاروباری لہجے میں کہا۔''اس کے علاوہ آپ
یک لاکھ روپے انعام کے طور پر بھی دیں گی۔آپ کو منظور ہے۔؟''

''تم بہت زیادہ مطالبہ تو نہیں کر رہے ہو؟'' ارشاسین بولی۔''میرے دشمن نے
ں کوئی بہت بڑی رقم انعام میں دینے کے لئے کہا تو نہیں ہوگا؟''

''اس نے مجھے تین لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا تھا اور پچاس ہزار کی رقم پیشگی
دی تھی۔'' دھتو نے بتایا۔

ارشاسین سوچنے لگی۔وہ چند لمحوں تک گہری سوچ میں ڈوبی رہی پھر اس کی
ے شفاف پیشانی پر لکیریں ابھر آئیں۔وہ چند لمحوں کے بعد گھمبیر لہجے میں بولی۔
ے منظور ہے.....لیکن اس وقت میرے ساتھ ایک مسئلہ ہے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کیا
ں؟''

''کیا مسئلہ.....؟'' دھتو ایک دم سے چونکا۔''مجھے رقم ابھی اور اسی وقت
ئے۔میں پوری رقم لوں گا۔آپ سوچ لیں۔''

''مسئلہ یہ ہے کہ اس وت میرے پاس ڈیڑھ لاکھ موجود ہیں۔یہ ہندوستانی
ا ہے۔میں یہ رقم تمہیں ابھی اور اس وقت دے سکتی ہوں۔''

''لیکن بقایا رقم کا کیا ہوگا.....؟'' اس نے پوچھا۔''میں نے آپ سے پہلے ہی
دیا کہ مجھے ابھی اور اسی وقت پوری رقم چاہیے۔''

''بقایا رقم تمہارے بیوی بچوں کے ساتھ جہاں کہو گے وہاں پہنچا دی جائے
.....اگر تمہیں میری بات پر یقین ہے تو.....'' ارشاسین نے اتنا کہہ کر اپنی بات ادھوری
ی اور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگی۔

''میں آپ کی بات کا یقین کیسے لیتا ہوں۔'' دھتو مکاری سے ہنسا۔ پھر یکا
اس کے تیور بدل گئے۔ ''لیکن ایک بات آپ اچھی طرح سوچ لیں۔ آپ نے مر
ساتھ کوئی چال چلی اور کسی قسم کا فریب کیا تو پھر آپ زندہ نہیں بچ سکیں گی اور آ
کے......''

''دھتو......'' ارشاسین ایک دم سے ہیجانی لہجے میں چیخی اور اس پر سراسیمگ
طاری ہوگئی۔ ''اپنی زبان بند رکھو...... میں نہیں چاہتی کہ تم جہاں بھر کے انکشافات کر
پھرو۔ میں تم سے کیا کہہ رہی ہوں۔ تم دوسری بات کیوں چھیڑ رہے ہو؟''

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھے ہر طرح سے اس بات کا یقین دلایا جا
میرے ساتھ فراڈ نہیں کیا جارہا ہے؟'' دھتو نے کہا۔

''اگر تمہیں میری بات پر اعتبار ہے تو ڈیڑھ لاکھ لے کر چلتے بنو۔ اگر مجھ پر
ہے تو پھر اپنی حسرت پوری کرلو۔'' وہ برہمی سے بولی۔

''بقایا رقم کے لئے میرے ذہن میں ایک بات آرہی ہے۔'' دھتو نے کہا۔
پر عمل کرنے سے آپ کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر جائے گا۔''

''وہ کیا بات ہے......؟'' ارشاسین نے متعجب لہجے میں پوچھا۔ ''وہ منا
بات ہوئی تو اس پر ضرور عمل کروں گی۔''

''آپ شاید اس کا برا مان جائیں گی۔'' دھتو کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکر
ابھر آئی۔

''میں برا نہیں مانوں گی...... جو بات تم کہنا چاہتے ہو بلا تامل کہہ دو۔'' ارش
نے ساری کا پلو شانے پر درست کرتے ہوئے کہا۔

''بقایا رقم میں اس شرط پر چھوڑ سکتا ہوں کہ سفر کی یہ حسین رات آپ میرا
کردیں۔'' وہ ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔

''دھتو......'' ارشاسین کا چہرہ سرخ ہوگیا اور اس کی آنکھوں میں جیسے انگ
دہک اٹھے۔ ''تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟''

''آخر آپ میری بات کا برا مان گئیں نا۔'' وہ بھونڈے پن سے ہنسا۔ ''ٹھنڈے
ے سوچیں۔ میں آپ کو بہت سستا چھوڑ رہا ہوں بلکہ ایک طرح سے مفت میں چھوڑ
ہوں۔ ڈیڑھ لاکھ کی رقم کم نہیں ہوتی ہے۔ یہ میرے لئے مہنگا اور آپ کے لئے مفت کا
دا ہے۔''

''دھتو!...... حرام زادے...... کمینے......'' شامو بھڑک اٹھا۔ ''اگر تو نے پھر ایسی
ری بات زبان سے نکالی تو تیری گدی کھینچ لوں گا۔''

''سنو...... کتے کی اولاد......'' دھتو غرایا 'میں چاہوں تو تم دونوں کو واش روم میں
لر کے تمہاری مالکن کی عزت لوٹ لوں۔ سوٹ کیس سے ساری رقم نکال کر پھر انہیں ذبح
دوں پھر سر لے جا کر انعام حاصل کرلوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا...... تمہاری حسین
ن سے دل بہلاؤں گا۔ یہ بھی کیا چیز ہے۔ جب سے میں نے ایک بار چھپ کر سوئمنگ
شان کرتے دیکھا تب سے نہ تو ایک رات سکون سے سو سکا اور نہ ہی کوئی عورت من بھا
ہے۔ آج جب کہ مجھے ایک سنہرا موقع مل رہا ہے تو کیوں نہ دیرینہ حسرت پوری
وں۔''

''مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے۔'' ارشاسین نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔
لکن تمہیں یہ وچن دینا ہوگا کہ اس بات کا ذکر نہیں کرو گے؟''

''نہ صرف اپنے ماتا پتا بلکہ بھگوان کی سوگند کھا کر وچن دیتا ہوں کہ اس کا کسی
بھی ذکر نہیں کروں گا۔'' دھتو نے جواب دیا۔

ارشاسین نے شامو کو اشارہ کیا۔ ''تم اوپر والی برتھ سے میرا سوٹ کیس اتار کر
والی برتھ پر رکھ دو۔'' ارشاسین نے گہرا سانس لیا ''جب میں رقم دے دوں تب تم
ں کسی ایک واش روم میں جا کر بند ہو جانا۔ جب تک میں دستک نہ دوں باہر نہ آنا۔''

اس دہشت ناک واقعے نے مجھے شل کر کے رکھ دیا تھا۔ فضا کو یک لخت بدلتے
کر میں کسی قدر پرسکون تو ہوگیا تھا لیکن اس بات سے میرا سینہ دھک دھک کر رہا تھا۔
سین نے اپنی جان پر آنے والی آفت سے بچانے کے لئے اپنے آپ کو اس بدمعاش

کی جھولی میں ڈالنا گوارا کرلیا تھا۔ کچھ دیر پہلے دھتو کے آخری نامکمل جملے پر کرتا ہوا م
اسے مکمل کرنے لگا۔ دھتو، ارشاسین کے پتی کے بارے میں کچھ انکشاف کرنے والا تھا
جبھی ارشاسین یکایک ہیجان لہجے میں چیخ پڑی تھی۔ وہ نہیں چاہتی ہوگی کہ اس کی ذا
کے بارے میں کچھ انکشافات ہوجائیں۔ مجھے اس لمحے یہ شک ہوا کہ ارشاسین نے د
کی نظریں بچا کر شامو کو غیر محسوس انداز سے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی اشارہ کیا ہے
مجھے ایسا لگا کہ نظروں کا یہ تبادلہ کسی خوفناک طوفان کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔ میرے سار
جسم پر سنسنی دوڑنے لگی۔

شامو جیسے ہی برتھ کے پاس پہنچا تھا کہ اچانک پوری طاقت سے چیخا۔ ''شا
رک جاؤ...... خبردار جو تم نے کوئی حرکت کی۔''

''کیا بات ہے دھتو!'' ارشاسین نے بڑی ملائمت اور حیران کن لہجے میں ا
مخاطب کیا۔ ''غصہ کیوں ہو رہے ہو؟''

''مجھے فریب دینے اور احمق بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے...... کیا میں کوئی
ہوں جو فریب کارانہ چال کو نہ سمجھوں۔'' دھتو بولا۔

''میں نے تمہاری ہر بات اور ہر شرط مان لی پھر بھی تم مشکوک ہو رہے
ارشاسین نے تیزی سے کہا ''آخر تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں مرجاؤں گا اپنے آقا سے نمک حرامی نہیں کروں گا۔'' اس نے جواب د

''یوں بھی......'' اس نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا ان دونوں کو واش روم میں بند
کروں گا بلکہ قتل کرکے ان کی لاشیں باہر پھینک دوں گا پھر آپ کے ساتھ سہاگ را
مناؤں گا۔ پھر آپ کے سوٹ کیس کی دولت نکال لوں گا۔ آپ کے سوٹ کیس میں آ
سر رکھ کر آقا کی خدمت میں پیش کردوں گا...... آقا سے معاوضہ اور انعام بھی الگ
گا...... پھر وہ قہقہہ مار کر زور سے ہنسنے لگا۔ ''کیسی ہارر فلم اس ڈبے میں چلنے والی ہے۔
بھی نہیں سکتے ہو۔ اس میں سیکس بھی ہوگا۔''

دھتو کو یک لخت پٹڑی سے اترتے دیکھ کر میں جیسے برف کا تودہ بن گیا تھا اور

اس کی باتوں اور خطرناک ارادوں نے میری حالت ایک لاش کی سی کردی۔ میرا دل اچھل
کر حلق میں دھڑک رہا تھا۔ پہلے تو وہ صرف ارشاسین کو قتل کرنا چاہتا تھا لیکن اب میری اور
شامو کی بھی شامت آنے والی تھی۔ اس نے مجھے بھی اس لئے قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا کہ
میں سوتے جاگتے ہوئے تماشا دیکھ رہا تھا اور میں ارشاسین کا آدمی تھا۔ تاہم اس نے ابھی
تک مجھ سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا اس لئے کہ میں ایک خاموش تماشائی تھا۔ وہ شاید اس
لئے مجھے قتل کرنا چاہتا تھا کہ میں اس واردات کا عینی گواہ بن کر اس کے لئے مشکلات پیدا
کرسکتا تھا۔ اب مجھے نظروں کے سامنے موت ناچتی، ہنستی اور قہقہے لگاتی نظر آ رہی تھی۔

اور پھر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ چشم زدن میں یہ سب کچھ کیسے اور کیوں کر
ہوگیا......؟'' شامو جو سوٹ کیس پر ہاتھ رکھے کھڑا ہوا تھا وہ بجلی کی سی تیزی سے گھوما اور
سنناتے ہوئے تیر کی طرح دھتو پر حملہ آور ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا خوفناک چاقو
چمک رہا تھا۔ دھتو پہلے تو بھونچکا سا ہوگیا۔ اس سے پہلے کہ دھتو سنبھلتا اور اپنا بچاؤ کرتا......
شامو نے بڑی سنگ دلی سے اپنا چاقو اس کے پیٹ میں گھونپ کر باہر نکال لیا۔

دھتو کے ہاتھ سے چھرا چھوٹ کر فرش پر گر پڑا اور وہ ایک دل خراش چیخ مار کر
پیٹ کے بل جھکتا چلا گیا۔ شامو نے اسے سانس لینے کی مہلت بھی نہیں دی اور پے در پے
اس کی پیٹھ، گردن اور بازو پر نفرت، حقارت اور طیش سے حملے کرنا شروع کردیئے۔ میں
کوئی کمزور دل کا نہ تھا۔ لیکن میں نے اپنی زندگی میں کسی جانور کی قربانی نہیں دیکھی تھی۔ یہ
منظر کیسے دیکھتا؟ دھتو کی دردناک چیخیں دل دہلا دے رہی تھیں اور وہ خون میں لت پت
ہو رہا تھا۔ شامو جیسے اسے خون میں نہلانے پر تل گیا تھا۔ میں یہ خونیں منظر نہ دیکھ سکا اور
خوف و دہشت سے بے ہوش ہوگیا۔

معلوم نہیں میں کتنی دیر تک بے ہوشی کی حالت میں پڑا رہا۔ جب مجھے ہوش آیا
تو میں نیچے والی برتھ پر لیٹا ہوا تھا۔ ارشاسین مجھ پر جھکی ہوئی تھی۔ وہ میرے بازو کو جھنجھوڑ کر
مجھے ہوش میں لانے کی کوشش کررہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ میرے منہ پر پانی کے چھینٹے بھی
دیئے جارہی تھی۔ اس کے پرشباب گداز جسم سے پھوٹتی ہوئی سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک

میرے حواس پر غالب آ رہی تھی۔

کئی لمحوں تک میری کچھ سمجھ میں نہیں آ سکا کہ میں کہاں ہوں؟ اس وقت میرا دماغ معطل تھا اور اس کے سارے گوشوں میں تاریکی سی تھی۔ پھر جب میری نظر ارشاسین کی پشت پر کھڑے ہوئے شامو پر پڑی تو ذہن کے سارے دریچے جیسے ایک ایک کر کے کھل گئے۔ پھر وہ خونیں واقعہ تازہ ہو گیا۔ میرے رگ و پے میں سنسنی دوڑنے لگی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ارشاسین کی طرف دیکھا۔

''تم بڑے کمزور دل کے آدمی ہو؟'' ارشاسین مسکرائی۔ ''ایک جوان مرد ہو کر بزدلوں کی طرح بے ہوش ہو گئے؟''

میں نے ارشاسین کے اس طنز بھرے لہجے کی پشت پر شیرینی کی آمیزش محسوس کی تھی۔ وہ میرے پاس سے اٹھ کھڑی ہوئی تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میری نظروں کے سامنے کسی عظیم الشان ریاست کی رانی پورے وقار اور تمکنت کے ساتھ کھڑی ہوئی ہے۔ میں اس کے یاقوتی اور ترشے ہوئے لبوں پر ایک دل آویز تبسم دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ خوبصورت آنکھوں میں ایک ایسی فاتحانہ چمک ابھری ہوئی تھی جیسے اس نے کسی ریاست کو اپنی اس دل کش مسکراہٹ سے فتح کر لیا ہو۔ اس کے دہکتے رخساروں کی سرخی کچھ اور تیز ہوئی اور اس کا حسن اور قیامت خیز نظر آنے لگا۔ جس سے وہ ایک حسین بلا کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔

اس کے بشرے پر سکون اور طمانیت دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے اس نے ابھی کچھ دیر پہلے ہونے والے خونیں واقعہ کا ذرہ برابر بھی اثر نہ لیا ہو۔ اس واردات میں کسی انسان کا خون نہیں کیا گیا ہے بلکہ کوئی پرندہ ذبح کیا گیا ہو۔ اس کی یہ کیفیت میرے لئے حیران کن تھی۔

وہ یک لخت پلٹ کر اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔ اس نے برتھ پر رکھا ہوا ناول اٹھایا اور اس کی ورق گردانی کرتی ہوئی وہ صفحہ تلاش کرنے لگی جہاں سے سلسلہ ٹوٹ گیا تھا۔ شامو بھی اپنی جگہ جا کر بیٹھ گیا اور دروازے سے پشت ٹکا کر اونگھنے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا گویا

دونوں کے نزدیک قتل و غارت گری محض ایک کھیل ہے۔ اب یہ بات بالکل صاف اور ح ہو چکی تھی کہ ارشاسین ایک مافیا ہے۔ کوئی بھی مافیا ہو اس کے نزدیک انسانی جان کی ی اہمیت نہیں تھی۔ انسانی لہو پانی سے بھی ارزاں تھا۔

میں نے پورے کمپارٹمنٹ کا جائزہ لیا مگر نہ تو کہیں دھتو کی لاش دکھائی دی اور نہ فرش پر خون تو کیا ایک چھینٹا بھی نظر آیا ہو۔ ایسا لگتا تھا کہ یہاں کوئی خونیں واقعہ پیش نہ آیا ہو۔ وہ جیسے کوئی ڈراؤنا خواب تھا جو میں نے دیکھا تھا۔

گاڑی بڑی تیزی سے چیختی، چنگھاڑتی اور رات کی تاریکی اور خاموشی کا سینہ تی چلی جا رہی تھی۔ میری نیند اڑ گئی تھی۔ اب آ بھی کیسے سکتی تھی۔ اس واردات کی ت میرے سینے پر چٹان کی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا ہ ارشاسین کو اس کی اوٹ سے جی بھر کے دیکھ سکوں۔ وہ ابھی تک اپنی نشست پر بیٹھی پڑھ رہی تھی لیکن میں نے اس کے بشرے سے بھانپ لیا تھا کہ وہ پڑھتے پڑھتے کچھ تی بھی جا رہی ہے۔ اس کا حسین چہرہ جیسے جلنے لگا تھا اس بلب کی طرح جو ایک لمحے کی ح روشن ہو جاتا اور دوسرے لمحے بجھ جاتا ہے یا ان بدلیوں کی طرح جو کبھی چاند پر چھا ہیں اور کبھی چاندان پر...... چہرے پر ایک خوابیدگی سی بھی طاری تھی۔ شہابی رنگت پر دھندی غالب تھی۔ معلوم نہیں وہ کیا سوچ رہی تھی۔

میری بھٹکی ہوئی نگاہیں کبھی اس کے مکھن جیسے پاؤں پر جم جاتیں یا پھر اس کی مرمریں اور بے داغ بانہوں پر...... پھر اس کا حسین چہرہ اور سراپا میری نظروں میں ب ہونے لگتا۔ میں نیند کی دیوی کے انتظار میں دل بہلا رہا تھا۔

معلوم نہیں وہ کون سا سٹیشن تھا۔ اس سٹیشن پر گاڑی رکی تو شامو اتر گیا اور پھر نہ آیا۔ گاڑی چل پڑی تھی۔ میں نے ارشاسین سے پوچھنا مناسب بھی نہیں سمجھا کہ اں اور کس لئے گیا ہے۔ میں نے اس سے دھتو کے متعلق بھی نہیں پوچھا۔ ظاہر ہے م کے سوالات کرنے کی میں جسارت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میری زبان پر شرائط کی مہر لگی ھی۔ تاہم میں نے ارشاسین اور دھتو کی گفتگو سے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ خاندانی دشمنی

نہیں ہے بلکہ دو مافیا کے درمیان ایک جنگ جاری ہے۔ اس لئے ارشاسین کی دشمن مافیا نے اس کے سر کی قیمت مقرر کی تھی۔ وہ اس مافیا کے اشارے پر اسے قتل کرنے آیا تھا لیکن خود لقمہ اجل بن گیا۔

اس کمپارٹمنٹ میں ہم دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ اگر وہ میری باس نہ ہوتی اور یہ خونی واردات پیش نہ آئی ہوتی تو شاید میں اس تنہائی میں ناگ بن کر اس حسین بلا کو ڈس لیتا۔ میرے جذبات اسے دیکھ کر تند ہو رہے تھے۔ وہ کچھ دیر بعد برتھ پر لیٹ گئی تھی اور تھوڑی دیر بعد ہی سو گئی تھی۔ گہری نیند سو رہی تھی۔ اسے نہ تو اس بات کا کوئی ڈر، خوف اور احساس تھا کہ ایک جوان مرد اس تنہائی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور پھر گہری نیند میں اسے کسی بات کا ہوش نہیں رہا تھا۔ ساری کا پلو فرش پر گرا ہوا تھا۔ لباس بھی بے ترتیب سا ہوگیا۔ اس کے جسم کی نمائش میرے لئے ایک امتحان بن گئی تھی۔ میری زبان جیسے خشک ہوگئی تھی۔ مجھے ایسا لگا جیسے وہ کہہ رہی ہو تم مجھ سے اتنے قریب ہو کر اتنی دور کس لئے ہو؟ میں تمہاری باس نہیں ہوں۔ ارشاسین ہوں۔ صرف ایک عورت ہوں۔ پتھر نہیں ہوں۔ اب کوئی شرم، کوئی حجاب، کوئی رکاوٹ، کوئی جھجک نہیں...... میں اپنا سب کچھ تمہیں سونپ دوں گی...... سب کچھ تمہارے حوالے کردوں گی۔ تم سارے بندھن توڑ کر خود کو آزاد کرالو...... کیا تم مجھے پہچانتے نہیں ہو......؟ میں کوئی غیر نہیں ہوں۔ میں تمہاری ہوں، صرف تمہاری...... مجھے اپنی آغوش میں لے لو...... مجھے اندر جذب کرلو...... کیا تم کانپ اٹھو گے کانپ اٹھ، کانپتے رہو گے؟ کانپتے رہو۔ اظہار ہو جانے کے بعد تمہاری ہمت بڑھ جا۔ گی۔ پھر تم کچھ بول نہیں سکو گے۔ گم ہو جاؤ گے۔ پھر میں حالات کے سانچے میں ڈھلے میں کتنی دیر لگے گی؟ تمہیں کٹھ پتلی بنانے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی؟ میں تمہارا ہاتھ کر اپنے پاس بٹھا لوں گی۔ پیار سے میں تمہارے سر کے بال سہلاؤں گی...... اپنی آغو میں کھینچ لوں گی۔ اس کے بعد تم جا ہو گے تو تمہارے ہونٹوں میں اپنے ہونٹ پیوست کردوں گی۔ پھر تمہیں اپنے سینے سے بھینچ لوں گی اور بھینچے رہوں گی۔ وقت گزرتا رہے گا

ھڑی کا کانٹا بھاگتا رہے گا۔ رات بڑھتی رہے گی۔ پھر رات ختم ہوجائے گی۔ صبح جب ڑیوں کی چہکار سنائی دے گی منزل آ جائے گی سفر ختم ہو جائے گا مگر میرے ہونٹ پھر بھی مہارے ہونٹوں میں پیوست رہیں گے۔ میرے ہونٹ کبھی الگ نہ ہوں گے۔ میں چاہتی وں یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔ لیکن یہ تو صرف خیال ہے۔ میں جانتی ہوں تم تھوڑی ہی دیر میں بے چین ہو جاؤ گے۔ بے تاب ہو اٹھو گے۔ مضطرب ہو جاؤ گے۔ گھی کے بھنڈار میں جلتی ئی آگ کے شعلے کی طرح لہراؤ گے۔ سانپ کی طرح پھن جوڑ کر کھڑے ہو جاؤ گے۔ ں وقت کچھ بھی تو کہا نہیں جا سکتا؟ بھوکا شیر غصے کی حالت میں ہرنی پر حملہ آور ہوتا ہے اور ے پکڑ کر اپنے خوفناک خونیں پنجے میں جکڑ لیتا ہے تو اس وقت تک اسے نہیں چھوڑتا جب ک اپنی پیاس بجھا نہیں لیتا۔ اپنی بھوک مٹا نہیں لیتا۔ تم اپنے آپ کو بھوکا شیر سمجھو...... میں ے آپ کو ہرنی...... کیوں؟"

نیند نے مجھے دبوچ لیا تھا ورنہ میرے پراگندہ خیالات اور جذبات شاید مجھے بہکا یتے۔ ارشاسین مجھ سے پہلے بیدار ہو چکی تھی۔ اس نے مجھے جگایا بھی تھا۔ چٹا گانگ شہر ا ریلوے سٹیشن کے قریب ایک درمیانہ درجے کا ہوٹل جس کا نام کا جو تھا اس میں شاسین نے ایک ڈبل بیڈ روم کرائے پر لیا۔ رجسٹر میں اس نے میاں بیوی کا اندراج کیا ۔ میرا نام اس نے گپتا سین لکھا تھا۔ یہ فرضی نام تھا۔ اس نے اپنا نام ارشاسین ہی لکھوایا ۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے مجھ سے کہا کہ میں پہلے نہا لوں پھر وہ نہانے گئی۔ نہانے کے ہم دونوں ناشتے سے فارغ ہوئے تو شامو بھی آ گیا۔ سہ پہر کے وقت ہم دونوں شامو ا رہنمائی میں پہاڑتلی کے ایک بنگلے میں منتقل ہو گئے۔ یہ کرائے کا بنگلہ تھا لیکن بہت بڑا خوبصورت تھا جس میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ ایک اونچی پہاڑی پر بنا ہوا تھا۔

رات کے کھانے سے فراغت پانے کے بعد ارشاسین نے ملاقاتی کمرے میں کر چائے پی پھر اس نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور اپنی خوابگاہ میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر جب وہ اپنے کمرے سے آئی تو اس کے ہاتھ میں خاکستری رنگ کا ایک بڑا سا لفافہ

تھا۔اس نے وہ لفافہ میری طرف بڑھایا۔میں نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لیتے ہوئے اس
کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اس لفافے میں جو چیزیں ہیں انہیں باہر نکال کر میز پر رکھو۔'' اس نے رعونت
سے حکم دیا۔اس لمحے وہ مجھے بڑی پراسرار اور خوفناک دکھائی دی۔ ویسے وہ صبح سے ہی اس
طرح سے دکھائی دے رہی تھی۔اس نے بہت کم گفتگو بھی کی تھی۔

میں نے وہ لفافہ میز پر الٹ دیا۔اس لفافے میں سے ایک آب دار خنجر او
پستول برآمد ہوا۔میں نے چونک کر ان دو چیزوں کو باری باری اٹھا کر حیرت سے دیکھا
جب میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو میں نے پوچھا یہ کس لئے ہے؟''

''آج تمہارا پہلا امتحان لیا جارہا ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔اس کا چہ
بھی سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

''امتحان!......؟'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔کیا امتحان......؟'' میرا دما
چکرا سا گیا۔

''اس امتحان میں تمہیں کسی ایک چیز سے کام لینا ہے۔'' وہ نخوت سے بو
پستول یا خنجر سے...... اس لئے ان میں سے ایک کا انتخاب کرلو۔'' میری زبان پر بہ
سارے سوالات آئے اور دم توڑ گئے۔میں نے کچھ نہیں پوچھا۔صرف مبہوت ہو کر اس
شکل دیکھتا رہا۔

''آج تمہیں ایک حسین اور نوجوان لڑکی کو قتل کرنا ہے۔'' ارشا سین سفا کی
بولی۔''تم اپنی سہولت کے لئے جو ہتھیار چاہو منتخب کرلو۔''

''قتل......؟'' میں اچھل پڑا۔میرے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔می
آواز حلق میں پھنس سی گئی۔

''ہاں قتل...... میں تمہیں اس لڑکی کو قتل کرنے کا حکم دے رہی ہوں۔اس
شادی کرنے کے لئے نہیں کہہ رہی ہوں۔'' اس کے لہجے میں کاٹ تھی۔میں نے حوا

باختہ ہو کر پستول اور خنجر کی طرف دیکھا۔میں اس کے ہر حکم کا پابند تھا اگر مگر والی بات نہ
تھی۔یہ طے ہو گیا تھا۔

''کس لڑکی کو قتل کرنا ہے......؟ وہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟'' میرے حلق
میں گرہیں پڑنے لگیں۔

''ہاں لڑکی کو قتل کرنا ہے۔مرغی یا جانور ذبح نہیں کرنا ہے۔'' اس نے استہزائیہ
لہجے میں کہا۔''وہ لڑکی کون ہے اور کہاں رہتی ہے...... یہ سب کچھ تمہیں شامو اپنے ساتھ
لے جا کر بتا دے گا...... میری یہ بات کان کھول کر اچھی طرح سے سن لو۔اس لڑکی کو کسی
قیمت پر زندہ نہیں بچنا چاہئے۔اگر وہ کسی وجہ سے زندہ بچ گئی تو پھر تم زندہ نہیں رہ سکو
گے......''

میرے سارے جسم میں ایک سرد لہر سنسنی کی طرح نس نس میں اتر گئی۔مجھے اپنی
سماعت پر یقین نہیں آیا تھا۔

میں گم صم اپنی جگہ بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا۔یہ حسین بلا کا حکم تھا جس کی میں سرتابی نہیں
کرسکتا تھا۔میری کیا مجال اور ہمت تھی کہ لب کشائی کرسکوں۔بیک وقت کسی قسم کے
پریشان کن اور خوفناک قسم کے خیالات میرے ذہن میں چکرانے لگے۔میں نے سوچا۔
اس حسین بلا کے جال میں پھنسنے سے تو کہیں بہتر تھا کہ فٹ پاتھوں پر بیٹھ کر بھیک مانگ کر
گزارہ کر لیتا۔بہرحال! میں نے ایک گہرا سانس لیا۔اب تو میں نے اوکھلی میں سر ہی دے
دیا ہے۔ویسے بھی اس مہذب دنیا میں ہزاروں بے گناہ لوگ مختلف حادثوں اور وارداتوں
میں مرتے ہی رہتے ہیں۔اگر ایک لڑکی میرے ہاتھ سے قتل ہوگئی تو اس سے کیا فرق
پڑے گا؟ کون سی قیامت نازل ہو جائے گی؟ زلزلہ تو نہیں آجائے گا؟...... اور پھر بیٹے!
پچیس ہزار کی رقم تمہارے باپ کی تو نہیں تھی؟ وہ تمہیں عیش کے لئے نہیں دی گئی تھی۔یہ
عورت تم سے کوڑی کوڑی وصول کر کے رہے گی......؟ اب تم اس کے ہاتھ سے بچ کر جا بھی
نہیں سکتے ہو۔یہ اچھی طرح سوچ لو۔یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میں نے اپنا مرتعش ہاتھ

خنجر کی طرف بڑھا دیا۔ اس کا انتخاب کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

نصف رات کے قریب شامو مجھے اپنے ہمراہ لے کر قتل گاہ کی طرف چل پڑا۔

گھپ اندھیرے اور گہرے سناٹے میں ہم دونوں خاموشی سے چلے جا رہے تھے۔ وہ مجھ سے چند قدم آگے تھا اور بڑی بے فکری اور بے پروائی سے چلا جا رہا تھا۔ اس کی خاموشی مجھے بری طرح کھل رہی تھی۔ میرے پیروں میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ شامو کا ساتھ دے سکوں۔ اس کے ساتھ ساتھ تیزی سے چل سکوں۔ وہ مجھے بار بار پلٹ کر دیکھ لیتا تھا کہ کہیں میں فرار نہ ہو جاؤں یا کہیں چھپ تو نہیں گیا ہوں۔ شامو جس قدر پرسکون تھا بس اتنا ہی نروس ہو رہا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں ایک مرغی تک ذبح نہیں کی تھی۔ جبکہ کچھ دیر بعد ایک لڑکی میرے ہاتھوں موت کی بھینٹ چڑھنے والی تھی۔ اسے خنجر اور سفاکی سے قتل کرنا تھا۔ محض ایک اچھی زندگی اور دولت کے حصول کی خاطر...... یہی تو دنیا کا دستور تھا کہ اپنی خوشیوں کے لئے دوسروں کا گلا گھونٹ دیں۔ میں ایسا کرنے پر مجبور تھا۔

مجھے اس لمحے ان مغربی طاقت ور ملکوں کا خیال آیا جو آج دنیا میں بڑے مہذب، متمدن، شائستہ اور تعلیم یافتہ کہلاتے تھے اور وہ انسانیت کا دعویٰ کرتے اور سب سے بڑے علمبردار بنتے تھے۔ لیکن وہ کیا کر رہے تھے۔ ایسے چھوٹے اور کمزور ملکوں کو جن کے پاس اسلحہ نہیں تھا اور نہتے تھے ان پر بزور طاقت قبضہ کر رہے تھے۔ انسانیت اور اپنے اصولوں کی خود ہی دھجیاں اڑا رہے تھے۔ ان کے پاس چھوٹے ممالک کے لئے جنگل کا قانون تھا۔ بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کر رہی تھیں۔ ہزاروں لاکھوں کا خون پانی کی طرح بہا دیا تھا۔ ان کے نزدیک جنگ میں ہر چیز جائز تھی۔ تو پھر میرے نزدیک میرے مستقبل کے لئے ایک لڑکی کا قتل جائز تھا۔

لیکن میں اس آورش کا آدمی نہیں تھا۔ میرے دل کے کسی کونے میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر شامو کی کھوپڑی پر دے ماروں؟ اس طرح وہ بے ہوش ہو جائے گا پھر اس کا سر کسی بڑے پتھر سے کچل کر اس کی لاش جھاڑیوں میں ڈال

دوں۔ پھر میں واپس جا کر ارشا سین کو اپنے جذبات کا نشانہ بناؤں پھر اس خنجر سے اس کا خاتمہ کر کے اس کی ساری دولت لے کر فرار ہو جاؤں۔ جھرنا کے گاؤں پہنچ جاؤں پھر جھرنا سے شادی کر کے اپنی ساری زندگی بتا دوں۔ پولیس ساری زندگی میرا سراغ نہ لگا پائے گی۔

میں صرف سوچ ہی سکتا تھا لیکن اس پر عمل کرنا میرے لئے بہت مشکل تھا۔ مجھ میں ایسی ہمت نہیں تھی۔ شامو ایک اونچے پہاڑی ٹیلے پر بنی ہوئی وسیع و عریض کوٹھی کے سامنے پہنچ کر رکا۔ اس کوٹھی کی شان و شوکت بتا رہی تھی کہ اس کا مالک لکھ پتی نہیں بلکہ کروڑ پتی ہے۔ چاروں طرف گھپ اندھیرے میں وہ کوئی جگمگاتے ہوئے چاند کی مانند دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے احاطے میں روشنیوں نے دن کا سا اجالا کر دیا تھا۔ شامو مجھے اس کوٹھی کے عقبی حصے میں لے آیا۔

جب میں نے اپنی سانسوں پر قابو پایا تو شامو نے مجھ سے سرگوشی میں کہا۔ اس کوٹھی کا مالک اور اس کی جوان بیٹی باس کی بدترین دشمن ہے۔ اس لڑکی کا باپ دیش سے باہر گیا ہوا ہے۔ باس اس لڑکی کے خون سے اپنی پیاس بجھانا چاہتی ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ ”کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے باپ کو واپس آنے دیا جائے پہلے اسے ختم کر دیا جائے پھر اس کی بیٹی کو...... میرے خیال میں یہ زیادہ مناسب رہے گا۔“

”کیا مناسب ہے اور کیا مناسب نہیں ہے یہ باس جانتی ہیں۔“ شامو نے کہا۔ ”وہ اس بات کو بالکل بھی پسند نہیں کرتی ہیں کہ کوئی انہیں مشورہ اور رائے دے...... سنو...... اس لڑکی کو قتل کرنے سے تمہیں بہت خوشی ہو گی۔“

”میں کوئی پیشہ ور قاتل تھوڑی ہوں جو اسے قتل کر کے خوشی محسوس کروں؟ میں نے تیز لہجے میں کہا۔

”یہ لڑکی بہت حسین اور پرشباب ہے۔“ شامو کہنے لگا۔ ”جتنی حسین ہے اتنی ہی بدچلن اور بدکار بھی ہے۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری آپ جیسے جوان مرد ہیں وہ تمہیں

دیکھتے ہی تمہاری جھولی میں پکے آم کی طرح گر پڑے گی۔ وہ آپ سے یہ نہیں پوچھے گی کہ تم کون ہو؟ اندر کیسے آئے ہو۔ پھر آپ اس کی محبت اور مہربانی سے فائدہ اٹھانا۔ طوفان گزر جانے کے بعد اسے قتل کرکے آجانا۔“

”لیکن یہ لڑکی کس کمرے میں ہے؟ اس کا کمرہ کون سا ہے؟ میں اس کے کمرے میں کیسے جاؤں؟“ میں نے پوچھا۔

”میں بتاتا ہوں۔“ شامو نے دیوار کی جانب اشارہ کیا۔ ”آپ اس جگہ سے دیوار کی منڈیر پر چڑھ جائیں۔ احاطے میں اترتے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ ذرا بھی آواز اور کوئی آہٹ پیدا نہ ہو۔ سامنے ہی آپ کو سپاری کے درخت کے پاس ایک کمرے کی کھڑکی کھلی دکھائی دے گی۔ اس کوٹھی میں بغیر گرل کی وہی ایک کھڑکی ہے۔ اس کھڑکی کے راستے کمرے میں داخل ہو جائیں۔ اس کمرے کے اندر ایک پلنگ پر سولہ برس کی حسین و جمیل لڑکی جو سو رہی ہوگی اس کو قتل کرنا ہے اور کمرے میں داخل ہوتے ہی اندر سے دروازے کی کنڈی کھول دیں تا کہ اسے قتل کرنے کے بعد آپ زینے سے باہر آسکیں۔ میں آپ کو نیچے والے زینے پر مل جاؤں گا۔“

میں نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔ ”تم نے لڑکی کی عمر اور اس کے حسن کے بارے میں تو بتا دیا...... لیکن اس کا حلیہ نہیں بتایا؟“

”میں نے جو کچھ بتایا کیا وہ کافی نہیں ہے......؟“ شامو نے حیرت سے کہا۔ ”آپ اس کا حلیہ کس لئے پوچھ رہے ہیں؟ کیا کرنا ہے؟“

”کہیں ایسا نہ ہو کہ میں غلطی سے کسی اور لڑکی کو قتل کردوں......؟“ میں نے کہا۔ ”اس لئے حلیہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”اس لڑکی کے دونوں رخساروں پر دو تل موجود ہیں۔“ شامو نے چونک کر جواب دیا ”اچھا کیا آپ نے جو اس کا حلیہ پوچھ لیا۔“

”مگر اس کھڑکی تک پہنچنا بھی تو ایک مسئلہ ہے۔“ میں نے بے چارگی سے

کبھی مجھے اس کا اتفاق نہیں ہوا ہے۔“

”سیوریج لائن کے پائپ کے ذریعے اوپر چڑھنا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔“ شامو نے میری ہمت بندھائی۔ ”حوصلہ کریں۔ یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔“ میں آہستہ سے زمین پر بیٹھ گیا۔ جوتے اتارتے ہوئے اچانک ہی ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں آیا میں نے اس کے پیر پکڑ کر منت کی۔ ”بھائی شامو! کیوں نہ یہ فرض تم خود ہی ادا کردو اور باس سے میرا نام لے دو...... میں تمہیں اس کے عوض ایک بڑی رقم نذر کرنے کے لئے تیار ہوں۔ پانچ ہزار کی رقم...... یہ بہت بڑی رقم ہے۔ بولو منظور ہے؟“

شامو نے فوراً ہی جھک کر بڑے ادب سے میرے ہاتھ اپنے پیروں سے الگ کئے۔ ”آپ تو ابھی سے ہمت ہار رہے ہیں؟“

”کیا کروں...... میں نے کبھی قتل نہیں کیا...... معلوم نہیں آئندہ کتنے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے۔ یہ پہلا قتل صرف پہلا امتحان نہیں ہے بلکہ ایک طرح سے ریہرسل بھی ہے۔ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو قتل کرنا نہایت ہی آسان ہوتا ہے۔“ شامو بولا۔

شامو نے جیسے میرے سینے میں زہریلا خنجر اتار دیا تھا۔ میں ہراساں اور بھونچکا سا ہو گیا پھر میں نے لرزاں آواز میں پوچھا۔

”شامو! یہ تم کیا کہہ رہے ہو......؟ کیا مجھے تن تنہا سینکڑوں آدمیوں کو قتل کرنا ہوگا......؟“

”جی ہاں......“ شامو نے اپنا سر ہلایا۔ ”اس لئے تو آپ کا انتخاب کیا گیا ہے؟ آپ سے یہی کام لیا جاتا رہے گا۔“

”کیا......؟“ میں اچھل پڑا۔ اسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگا۔ ”تم سچ کہہ رہے ہو شامو!......“

شامو نے میرے قریب آ کر سرگوشی کی۔ اس کا لہجہ بے حد پراسرار سا تھا۔ ”اب

آپ کو مالکن کے دشمنوں سے بہت ہوشیار اور چوکنا رہنا ہوگا...... کیوں کہ دھتو سے کہیں زیادہ خطرناک بدمعاش مالک کے دشمن ہیں۔ جب ان کے علم میں یہ بات آئے گی کہ آپ مالکن کے خاص ملازم ہیں تو آپ کی زندگی اور جان خطرے میں پڑ جائے گی۔"

میں نے ٹپٹا کر شامو کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ میرے جی میں وہ خیال آیا جو کچھ دیر پہلے آیا تھا کہ سب سے پہلے اس کو ہلاک کردوں۔ ارشاسین سے بھی نجات پانے کا بھی یہی راستہ تھا لیکن اس وقت میں شامو کو قتل نہیں کرسکتا تھا کیونکہ وہ میرے سامنے چوکنا کھڑا ہوا تھا۔ بعد میں اسے ختم کرنے کے بعد ارشاسین کو بھی موت کی نیند سلا سکتا تھا۔ اسی خیال کے ذہن میں آتے ہی میرے پورے وجود میں سنسنی پھیل گئی۔ کئی لمحوں کے بعد میرے حواس قابو میں آئے تو میں نے سوچا کہ مجھے بعد میں ان دونوں کے قتل کی تدبیر کرنا ہوگی۔ مجھے بہرصورت سب سے پہلے اس لڑکی کو قتل کرنا تھا۔ اس لڑکی کو قتل کرنے کے بعد ہی میں ان دونوں کو اپنے اعتماد میں لے سکتا تھا پھر اس کے بعد اپنے منصوبے پر عمل کرسکتا تھا۔

میں شامو کے کندھے پر چڑھ کر دیوار کی منڈیر تک جا پہنچا اور پھر بڑی آہستگی سے احاطے میں اتر گیا۔ کوٹھی میں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ میں پسینے میں نہایا ہوا ڈگمگاتے قدموں سے سیوریج کی پائپ لائن کے پاس پہنچا اور سپاری کے درخت کے نیچے رک کر کئی لمحوں تک اس کھڑکی کا جائزہ لیتا رہا جس کی نشاندہی شامو نے کی تھی۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ میں پائپ کے سہارے بہت احتیاط سے آہستہ آہستہ چڑھتا ہوا کھڑکی تک پہنچا۔ پھر اس کی چوکھٹ پکڑ کر آہستہ سے اندر کمرے میں اتر گیا۔ میں نے دیوار سے پشت ٹکا کر اپنی سانسوں پر قابو پایا۔ اس میں چند لمحے لگ گئے پھر میں کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

یہ خوبصورت سا کمرہ کشادہ ہوادار اور قیمتی سازوسامان سے آراستہ تھا۔ اس کمرے کے ایک گوشے میں آبنوسی لکڑی کی لمبی چوڑی مسہری دکھائی دے رہی تھی جس پر لگی ہوئی تائی لون کی مچھردانی پنکھے کی ہوا سے لہرا رہی تھی۔ کمرے میں زیرو پاور کا بلب

روشن تھا جس کی ملگجی روشنی کے باعث یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ مسہری پر محوخواب کوئی مرد ہے یا عورت؟

میں نے اپنی پتلون کی پچھلی جیب سے خنجر نکالا۔ پھر دھڑکتے دل کے ساتھ مسہری کی جانب بڑھا۔ فرش پر بیش قیمت قالین بچھا ہوا تھا۔ پھر بھی میں نے حتی الامکان احتیاط برتی کہ کوئی آہٹ نہ ہونے پائے۔ میری ذرا سی بے احتیاطی مجھے جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے لے جاسکتی تھی۔ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا مسہری کے پاس پہنچا اور اپنا تھرتھراتا ہوا بایاں ہاتھ آگے بڑھا کر مچھردانی کا کونا الٹ دیا۔ میری نگاہ سب سے پہلے اس لڑکی کے سرخ رخساروں پر چمکتے ہوئے ان دونوں تلوں پر پڑی جو اس کے حسن کو دوبالا کرنے میں نمایاں تھے۔ وہ واقعی بہت حسین لڑکی تھی۔

کئی لمحوں تک میں اپنی جگہ مفلوج سا ہو کر کھڑا رہا جیسے اس لڑکی نے مجھ پر کوئی منتر پڑھ کر پھونک دیا ہو۔

☆......☆......☆

مجھ میں اتنی سکت بھی نہیں رہی کہ اپنی جگہ سے جنبش کرسکوں۔ میں پتھرائی آنکھوں سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کی عمر بمشکل سولہ برس کی رہی ہوگی۔ اس کے رس بھرے ہونٹوں پر ہلکا سا دلآویز تبسم تھا۔ وہ گہری نیند میں ڈوبی ہوئی شاید کوئی سندر سپنا دیکھ رہی تھی جس کا حسین عکس اس کے چہرے پر بکھرا ہوا تھا۔ وہ خود بھی اپنے کسی چاہنے والے کا سندر سپنا ہوگی۔ وہ پھول سے بھی نازک' ریشم سے بھی ملائم اور چاند سے بھی زیادہ حسین تھی۔ اس پر بلا کی معصومیت اور بھولپن چھایا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر میں یہ تک فراموش کر بیٹھا' میں یہاں کس مقصد سے آیا ہوں؟ اس وقت میری جگہ اگر کوئی شقی القلب شخص ہوتا ت وہ بھی اس نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی لڑکی کی بے حرمتی کرکے اس کے سینے میں خنجر نہیں اتار سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ یہ خنجر اپنے ہی سینے میں اتارلوں۔

شامو نے مجھے اس لڑکی کے بارے میں بتایا تھا کہ یہ آوارہ' بدچلن اور بدکار لڑک ہے لیکن میرا دل اس بات کو کسی طور ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ یہ لڑکی ہرگز ہرگز ایسی نہیں ہوسکتی تھی۔ نہ ہی اوشاسین کی دشمن...... البتہ اس کا باپ ہوسکتا تھا کیوں کہ سانپ کا بچ سنپولیا ہوتا ہے۔ اس لیے اوشاسین اس کا سر میرے ہاتھوں کچل دینا چاہتی تھی اور وہ اا کے باپ سے کسی بات کا انتقام لے رہی تھی۔

میں عجب شش و پنج کے عالم میں کھڑا ہوا تھا۔ بار بار میری آنکھوں کے سا ایک دھندسی چھا جاتی۔ اس پوتر اور معصوم لڑکی کی بے حرمتی کرکے ہلاک کرنے کا تصو اتنا لرزہ خیز تھا کہ میرا دل کانپ کر رہ گیا۔ اس لمحے میرے ذہن سے یہ خوف نکل گیا ک

سین میری اس حکم عدولی پر مجھے سزائے موت بھی دے سکتی ہے۔ میں نے لمحے کے سوچا کہ موت سے کیا ڈرنا؟ آدمی مرنے کے لیے پیدا ہوا ہے اور اسے کسی دن مرنا ہوتا اور پھر وہ ایک ہی بار آتی ہے اور اس کی تکلیف سہہ لینا کچھ ایسا مشکل بھی نہیں ہوتا۔

معاً لڑکی نے سوتے سوتے کسمسا کر کروٹ بدلی۔ وہ کالے رنگ کی نائٹی میں جس میں سے اس کا جسم یوں چھلک رہا تھا' جیسے کانچ کی صراحی میں سے شراب چھلکتی ۔ میرے جسم میں خون کی گردش تیز ہوگئی۔ حسن کی کرشمہ سازیاں واضح تھیں اور جیسے ں انگ انگ میں بھری تھیں اور اس کے جسم کے نشیب و فراز مجھے جیسے دعوت گناہ دے تھے۔ واقعی اس کے پرشباب گداز جسم میں ایسی کشش' جاذبیت اور دلکشی تھی کہ میرے ت میں ہلچل سی پیدا ہوگئی تھی۔ کوئی بھی مرد اس لڑکی کے بھرپور بدن کو دیکھ کر اپنے ت کو قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ میں نے اس کی بے حرمتی کا خیال دل سے نکال دیا۔ کہ اسے قتل کرنا ضروری تھا ورنہ میں موت کی نیند سو جاتا' اس لیے میں چونک کر اس م کے طلسم سے نکل آیا۔ پھر میرا ہاتھ جس میں خنجر تڑپ رہا تھا' وہ فضا میں بلند ہوگیا۔ کے ساتھ میں نے اپنی پشت پر آہٹ سی محسوس کی۔ اس سے پہلے کہ میں پلٹ کر اس خطرے کا سامنا کرتا کسی نے بجلی کی سی تیزی سے میرا خنجر والا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لں نے پوری قوت سے مزاحمت کرتے ہوئے پلٹ کر دیکھا تو میری آنکھیں پھٹی کی رہ گئیں۔

"شامو......! تم......؟" بے ساختہ میری زبان سے نکلا اور میں بھونچکا سا ہو کر دیکھ رہا تھا۔

"شش!" شامو نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"تم...... مگر......" میں نے بولنا چاہا تو اس نے جھٹ سے میرے منہ پر ہاتھ رکھ

"بس...... چپ چاپ نکلیں چلیں......" شامو نے سرگوشی میں بہت ہی آہستگی

سے کہا۔ اس لمحے میں نے دیکھا اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی ہے۔

میں حیرانی کے عالم میں کمرے سے اس کے ساتھ نکلا۔ چند لمحوں کے بعد ہم دونوں کوٹھی سے باہر تھے۔ راستے میں ہی میں نے کئی بار شامو کی طرف دیکھا۔ وہ چپ چاپ اور لٹا لٹا سا نظر آ رہا تھا۔ اس کی خال خال ویران آنکھوں میں وحشت سی برس رہی تھی مگر چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ وہ نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ وہ جو کچھ بھی سوچ رہا تھا' اس کے چہرے سے بالکل بھی ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔

''شامو!'' میں نے کہا۔ ''میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں؟ کیا تم اس کا سچ جواب دو گے؟''

''کیوں نہیں......'' اس نے افسردگی سے سر ہلایا۔ ''آپ جو کچھ پوچھنا چاہیں پوچھیں...... میں آپ کی ہر بات کا جواب دوں گا۔''

مجھ سے چوں کہ رہا نہ گیا تھا اس لیے میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ ''شامو! تم نے اس لڑکی کی جان کس لیے بچائی؟ وہ تو باس کی دشمن ہے؟''

شامو چلتے چلتے یک لخت رک گیا اور اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑی افسردگی سے کہا۔

''میں بھی اتنی ہی عمر کی بیٹی کا باپ ہوں...... مجھے یک بہ یک یوں محسوس ہوا مسہری پر میری بیٹی سو رہی ہے۔''

''تم ایک نوجوان بیٹی کے باپ ہو......؟'' میں نے اس کے افسردہ چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے پوچھا۔

''ہاں......'' اس نے سر ہلایا۔ ''میری ایک ہی بیٹی ہے۔ وہ اکلوتی اولاد ہے۔ میں اس سے بہت پیار کرتا ہوں۔ بیٹی بھی عجیب چیز ہوتی ہے۔ اس سے جدائی مجھ پر شاق گزرتی ہے۔ میں اسے جتنا چاہتا ہوں شاید ہی کسی اور کو چاہتا ہوں گا۔ وہ بھی بہت چاہتی ہے۔ ایک باپ کے لیے بیٹی سے بڑی انمول اور نایاب دولت کوئی نہیں۔

میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔''

''اب میں اپنے باس کو کیا جواب دوں گا۔'' میں نے اندرونی مسرت کو دباتے ہوئے کہا۔ ''تم نے مجھے اسے قتل کرنے سے روک دیا؟''

میں دل میں بہت خوش ہو رہا تھا کہ ایک سنگین جرم کے ارتکاب سے بچ گیا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اب اوشا سین مجھے کوئی سزا نہیں دے سکتی تھی کیونکہ اس لڑکی کو قتل کرنے سے روکنے کی ساری ذمے داری شامو پر آ گئی تھی۔''

''آپ اس بات کی کوئی چنتا نہ کریں۔ میں باس کو سمجھا دوں گا۔'' اس نے مجھے دلاسا دیا۔ ''لیکن آپ یہ بتائیں کہ آپ نے اس لڑکی کو آلودہ کیوں نہیں کیا......؟ وہ ایسی حسین اور بے انتہا پرکشش تھی۔ اس کا ابلتا شباب اور جسم کے نشیب و فراز پاگل کر دینے والے تھے؟''

''جانے کیوں وہ لڑکی مجھے اس قدر معصوم اور پوتر لگی کہ میرا دل نہیں چاہا کہ میں صاف و شفاف آئینے پر کوئی خراش ڈال دوں۔ اس کا جسم اور اپنا وجود بھی میلا کروں۔ تم نے مجھ سے کہا بھی تھا کہ وہ ایک بدکار اور بدچلن لڑکی ہے۔ اس کی کمزوری جوان اور خوب صورت مرد ہیں۔ اس کی کالی راتیں جوان مردوں کے ساتھ بسر ہوتی ہیں لیکن نجانے کیوں اسے آلودہ کرنے کو دل نہیں چاہا۔''

''تمہاری زندگی میں کیا کبھی کوئی عورت نہیں آئی؟ تم نے کبھی کسی لڑکی کو آلودہ نہیں کیا؟'' شامو نے پوچھا۔

میں نے ایک پل کے لیے دل میں سوچا کہ اسے کرن کے بارے میں بتا دوں۔ کرن خود ہی میری جھولی میں آ گری تھی۔ پھر اس وقت دور ہو گئی جب میں بے روزگار قلاش ہو گیا۔ وہ پھر میری جھولی میں آ گری جب میری جیب گرم ہو گئی۔ اس کی نفرت پھر سے محبت میں بدل گئی۔ میں نے اسے بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ اس سے کچھ حاصل نہ تھا۔ وہ میرے بارے میں جانے کیا سوچتا' شاید مجھے ہی دوش دیتا۔

"نہیں......" میں نے سر ہلایا۔ "بے بس لڑکیوں سے دلچسپی نہیں رہی اور نہ ان کے پیچھے کبھی بھاگا۔ میں ان سے بہت دور رہا ہوں۔"

"آپ ایک قابل تعریف اور مثالی انسان ہیں۔" شامو نے جواب دیا۔ "آپ کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اس واقعے سے آپ کی بات کی سچائی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ نے اس جوان لڑکی کو چھوا نہیں۔ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ غلاظت کی دلدل میں گر جاتا۔"

بنگلے پر پہنچ کر شامو اوشاسین کے کمرے میں چلا گیا اور میں اپنے کمرے میں آ کر ڈرا اور سہما سا بیٹھا رہا۔ طلبی کا ایک دھڑکا سا لگا ہوا تھا۔ اس نے اندر جا کر اوشاسین سے جانے کیا کچھ کہا کہ میری طلبی نہیں ہوئی اور نہ مجھ پر کوئی عتاب نازل ہوا۔ وہ خاصی دیر تک اس کے کمرے میں رہا۔ اوشاسین نے اس پر جیسے سوالات کی بوچھاڑ کر دی ہوگی یا وضاحت سے دریافت کیا ہوگا۔ اس نے کس طرح سے اوشاسین کی تسلی کی' کیا کہا، یہ اس نے مجھے نہیں بتایا اور نہ ہی میں نے پوچھنے کی ضرورت محسوس کی۔ نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ کیوں کہ سانپ بھی مر گیا تھا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی تھی۔ میں گہری نیند سو گیا۔

میں بہت دیر تک سوتا رہتا اگر اوشاسین مجھے آ کر نہ جگاتی۔ وہ شامو سے کہہ کر بھی جگا سکتی تھی لیکن اس کا آ کر جگانا میرے لیے خوف اور پریشانی کا سبب بن گیا۔ دل بہت تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میں یہ سمجھا کہ وہ شامو کی باتوں کی تصدیق کرنے کے لیے آئی ہے۔ میری پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ میں صرف اتنا ہی کہہ سکا "آپ......"

"لگتا ہے کہ رات تم بہت دیر سے سوئے؟" اوشاسین نے میرے چہرے کی طرف دیکھا۔ "جلدی سے تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آ جاؤ۔"

وہ اتنا کہہ کر چلی گئی لیکن اپنی مہک چھوڑ کر چلی گئی۔ میں نے لمحے کے لیے دل میں سوچا کہ......کاش! یہ عورت سفاک' بے رحم اور حسین بلا نہ ہوتی۔ مافیا نہ ہوتی۔ کتنا اچھا

ہوتا۔ اسے شاید کوئی راج کمار اپنی مہارانی بنا لیتا۔

جب میں تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا تو وہ میرا انتظار کر رہی تھی۔ اس وقت وہ سفید براق ساڑھی اور بلاؤز میں تھی۔ اس کے لمبے لمبے بال شانے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کا یہ دلکش روپ بڑا انوکھا بھی تھا۔ میں ناشتے کے دوران اسے مختلف حیلے بہانوں سے دیکھتا رہا۔ ناشتے سے فراغت پانے کے بعد وہ بولی۔ "آج تم شامو کے ساتھ جا کر چٹاگانگ شہر کی سیر کر آؤ......شام تک لوٹ آنا۔"

جانے کیوں مجھے یہ بہت پراسرار سا معلوم ہوا۔ وہ اس بہانے مجھے بھیج کر شاید اپنے گروہ کے آدمیوں کو کسی سلسلے میں میٹنگ کے لیے بلا رہی ہے۔ وہ نہیں چاہتی ہے کہ مجھے اس کی ہوا بھی لگے۔ اس نے مجھے ابھی تک اپنے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ جانے کیوں......

میں شامو کے ساتھ نکل گیا۔ اس نے ایک ٹیکسی کر لی تھی جس میں ہم دوپہر تک شہر اور اس کے بازاروں میں گھومتے رہے۔ دوپہر کے وقت ایک ہوٹل میں کھانا کھایا اور پھر پہلا فلم شو سات بھائی......؟ کا دیکھا۔ واپس پہنچے تو دن ڈوب چکا تھا۔

رات کے کھانے سے فراغت کے بعد ہم تینوں بنگلے کے باہر کچھ دیر چہل قدمی کرتے رہے۔ اوشاسین نے دن بھر کی تفریح کے بارے میں دریافت کیا۔ پھر اوشاسین اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلی گئی۔ میں اور شامو کچھ دیر چبوترے پر بیٹھے رہے۔ مجھے شامو پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ کیوں کہ میں نے سیر و تفریح کے دوران اس سے غیر محسوس انداز سے کئی بار اوشاسین کے بارے میں کریدنے کی کوشش کی لیکن اس نے پھر اپنا کائیاں پن دکھایا۔ وہ بہرا' گونگا سا بنا رہا۔ جب کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت گھل مل گئے تھے۔

میں نے اس سے اچانک دھتو کے بارے میں پوچھا۔ "کیا وہ پیشہ ور قاتل تھا......؟"

''ہاں۔'' شامو نے سر ہلایا۔ ان پیشہ ور قاتلوں کا کوئی دھرم نہیں ہوتا ہے۔ صرف پیسہ دھرم ہوتا ہے۔ لیکن تمہیں اس کا خیال کیوں آرہا ہے؟''

''اس لیے کہ اس کے دل میں بالکل بھی رحم نہیں تھا۔ باس ایک عورت ہیں۔ وہ ان کا سر کاٹ کر لے جانے آیا تھا' کیا وہ ایسا کرتا؟''

''ہاں.....'' شامو کہنے لگا۔ ''اگر میں اسے قتل نہیں کر دیتا تو وہ ہم تینوں کو قتل کر دیتا..... کسی کو قتل کر دینے میں ایک پیشہ ور قاتل کے دل میں صرف خون بہانے کی خواہش کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ ایک تیز اور خوفناک مسرت بھی محسوس ہوتی ہے۔ پھل جھڑی کی طرح سرخ سرخ خون فوارے کی شکل میں ابلنے لگتا ہے تو قتل کرنے والے کو کتنی تسکین ملتی ہے اور زہر کھلا کر مارنے کے بعد مقتول کا چہرہ اور ہونٹ نیلے پڑ جاتے ہیں تو وہ منظر بھی کتنا حسین ہوتا ہے۔ ایک قاتل ہی اس سے محظوظ ہوتا ہے۔''

اتنا کہہ کر ایک دم سے شامو کھڑا ہو گیا' کہیں میں اس سے مزید سوالات نہ کرنا شروع کر دوں۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ میں اس سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کس کی ایما پر کس لیے ارشا سین کو قتل کرنے آیا تھا۔ آخر ایسی کیا دشمنی تھی ارشا سین کے دشمن کو ارشا سین سے......

''مجھے نیند آرہی ہے اور میں سونے جارہا ہوں۔'' شامو نے ایک لمبی جمائی لی۔ ''دن بھر گھومنے سے میں بہت تھک گیا ہوں۔''

شامو اتنا کہہ کر اندر سرونٹ کوارٹر کی طرف بڑھ گیا لیکن میں چبوترے پر بیٹھا رہا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں نے نشیب کی طرف دیکھا۔ اس کے دامن میں بہت ساری جھونپڑیاں اور کچے پکے مکان بنے ہوئے تھے۔ یہ غریبوں کی آبادی تھی۔ جانے کیوں میں نے سوچا کہ اس آبادی کا ایک چکر لگا آؤں۔ کسی کی دکان اور جھونپڑی سے روشنی جھانک رہی تھی۔ اس آبادی سے قدرے ہٹ کر ایک ہوٹل تھا۔ اس وقت چائے پینے کی خواہش بھی ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا' اس ہوٹل سے چائے پی کر آؤں تو طلب بھی

پوری ہو جائے گی۔

میں نے گیٹ بند کیا اور اس ہوٹل کی طرف چل دیا۔ وہ ہوٹل کھلا ہوا تھا۔ اس میں دو ایک گاہک بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے۔ اس نے ریڈیو سیلون کا اسٹیشن لگا رکھا تھا جس میں سے ہندوستانی فلمی نغمے نشر ہو رہے تھے۔ میں کوئی بیس منٹ بیٹھا اور چائے پیتے ہوئے فلمی نغمے سنتا رہا۔ میں نے تین کپ چائے پی۔ اس ہوٹل کی چائے بہت عمدہ تھی۔ جب دیکھا رات کے گیارہ بج رہے ہیں' ہوٹل سے نکل گیا۔

میں اس آبادی کی ایک ویران اور اندھیری گلی سے گزرتے ہوئے ٹھٹک کر ایک مکان کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ دو سائے ایک جھونپڑی کے دروازے پر کھڑے تھے۔ ان میں ایک مرد اور ایک لڑکی تھی۔ مرد تالا کھول رہا تھا۔ جانے کیوں مجھے دونوں مشکوک سے لگے۔ وہ دونوں اس جھونپڑی کے اندر چلے گئے۔ پھر مرد نے دروازہ بند کر لیا۔ ایک تجسس مجھے اس جھونپڑی کی جانب لے گیا۔ وہ بے آواز ادھر ادھر دیکھتا ہوا اس جھونپڑی پر پہنچا تھا۔ پھر میں نے چٹائی کی دیوار میں درز دیکھا تو اس میں سے اندر جھانکا۔

مرد نے دیا سلائی جلا کر لالٹین جلائی۔ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔ وہ گہرے نیلے رنگ کی ساڑھی اور سفید بلاؤز میں تھی۔ دیکھنے میں وہ نہایت پروقار نظر آرہی تھی مگر کس گھرانے کی لڑکی ہے جو اس طرح رات گزارتی ہے؟ اگر اچھے خاندان کی بھی ہے تو فاحشہ ہے اور آوارہ ہے۔

مرد نے ایک سگریٹ سلگایا اور خاموش کھڑے کھڑے کش لینے لگا۔ اس کے چہرے پر وحشت تھی۔ وہ غصے کی حالت میں دکھائی دے رہا تھا۔ لڑکی نے دھیرے سے کہا' تو اس کی رسیلی آواز کمرے کے گہرے سکوت میں لہرائی۔

''سنو! اس طرح کتنے دن کام چلے گا..... اس عرصے میں لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا؟''

مرد نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے لالٹین اٹھا کر میز پر رکھ دی

اور بے چینی سے چکر کاٹنے لگا۔ پھر یکا یک وہ کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے قدرے تیز و تند لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے تمہیں یہاں لے کر آیا ہوں۔ بولو...... ٹھیک جواب دو گی۔''

لڑکی اچانک سہم گئی۔ اس نے تشویش کی نظروں سے مرد کو دیکھا۔ ''تم اس طرح کیوں بول رہے ہو؟ مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔''

''ڈر لگ رہا ہے؟'' مرد نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔ ''مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش نہ کرو......'' اس کا چہرہ سخت اور بھیانک ہو گیا۔

''بانی فلمز کے پروڈیوسر کے ساتھ تمہارا کیا رشتہ ہے......؟ کیا میں یہ بات پوچھنے کا حق رکھتا ہوں...... بولو؟''

لڑکی یوں کراہ اٹھی جیسے ملک الموت اس کی روح قبض کرنے آیا ہو۔ ''تم یہ بات کیوں اور کس لیے پوچھ رہے ہو؟'' میں نے تو تمہیں......''

''چپ رہو......'' جیسے یکا یک بجلی کڑکی۔ مرد نے کہا۔ ''مجھے تم نے نظر انداز نہیں کیا مگر شانی صاحب کے ساتھ رات گزارنا کیا ستی ساوتری کی نشانی ہے۔''

''تم سے کس نے کہا......'' وہ اپنا پاؤں پٹخ سیدھی ہو گئی۔ ''سچ سچ بتاؤ...... تمہیں کس نے بتایا؟''

مرد نے جھٹ پتلون کی جیب سے ریوالور نکال لیا اور اسے لڑکی کے قریب لا کر کرخت لہجے میں کہا۔

''اگر تم نے مجھ سے جھوٹ بولنے اور فریب دینے کی کوشش کی تو ابھی تمہیں ختم کر دوں گی۔ سمجھیں......''

لڑکی خوف و دہشت سے کانپنے لگی۔ اس کا چہرہ سفید ہو گیا اور وہ جیسے بلبلا اٹھی۔ پھر وہ جیسے بے خوفی سے کہنے لگی۔

''جب تم جاننا ہی چاہتے ہو تو مجھے بتانے میں کوئی عذر نہیں...... تمہاری بات صحیح

ہے۔ صرف شانی صاحب کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سارے لوگوں کے ساتھ میں نے راتیں گزاری ہیں۔ مگر کیوں...... اس لیے کہ باپ اپاہج' بھائی بیکار...... میری ہی کمائی سے میرا خاندان ابھی تک زندہ ہے...... لیکن میں تو خراب نہیں تھی؟ اداکاری کو ایک معزز پیشہ ہی سمجھ کر یہ لائن اپنائی تھی۔ میں تو باعزت زندگی ہی گزارنا چاہتی تھی مگر کامیاب نہ ہو سکی...... میری آخری کوشش بھی ناکامیاب ہو گئی...... تم کس کس کی باتیں سنو گے......؟ کن کن باتوں پر دھیان دو گے......؟ چاروں طرف جتنے بھی لوگ ہیں سبھی آوارہ عیاش' اوباش ہیں' عیاش ہیں' انہیں خوش کیے بغیر مجھے کون کام دے دیتا؟ میں نے تم پر اعتماد کیا مگر آج تم بھی مجھے پستول کی گولی کا نشانہ بنانا چاہتے ہو......؟ لیکن تم نے کبھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر بھی دیکھا ہے کہ تم کیا ہو......؟ کیا تم انہی لوگوں میں سے ایک نہیں ہو......؟''

مرد غصے سے کانپنے لگا۔ لڑکی نے جلتی پر تیل گرا دیا تھا۔ اس نے کڑک کر کہا۔

''چپ رہو...... بکواس بند کرو۔''

''نہیں...... نہیں...... میں چپ نہیں رہوں گی۔ میں تمہاری گولی سے نہیں ڈرتی ہوں۔ اس طرح مرنے سے مجھے کوئی دکھ نہیں ہوگا۔ تم مجھے گولی مار سکتے ہو مگر اس سے پہلے کیا میں تم سے یہ پوچھ سکتی ہوں کہ تمہارا مجھ پر کیا حق ہے؟ تم کہہ سکتے ہو کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو مگر میں اس بات پر یقین نہیں رکھتی۔ تم لوگ جسم کے پجاری ہو...... ہوس کے بندے ہو...... آج مجھے اپنے جال میں پھانسا ہے کل کسی اور کو پھنسا لو گے۔ میں جانتی ہوں...... تم میری بات کو جھٹلا ہی نہیں سکتے......'' چند لمحوں کے بعد وہ خاموش ہو گئی۔ پھر شکست خوردہ لہجے میں بولی۔ ''پھر بھی اگر تم مجھے گولی مارنا چاہتے ہو تو مارو۔ شوق سے مارو...... میں وعدہ کرتی ہوں کہ شور نہیں مچاؤں گی...... چیخوں گی نہیں مارو۔''

مرد کی شکل اور بھی بگڑ گئی مگر اس کی سختی ختم ہو گئی۔ اس نے ریوالور ایک طرف پھینک دیا اور دوڑ کر لڑکی کے پاس چلا آیا اور اسے سینے سے بھینچ کر کہنے لگا۔

''نہیں...... نہیں...... جان تمنا! میں تمہیں نہیں مار سکتا...... میں تمہیں ماروں بھی کیسے......؟

میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ غلطی تم نے نہیں کی......
دونوں یہ لائن چھوڑ دیں گے۔ میں کوئی کاروبار کروں گا‘ محنت مزدوری کروں گا۔ تم وعدہ ک
گی کہ تم بھی یہ لائن چھوڑ دو گی؟ مجھے تمہاری ضرورت ہے اور تمہیں میری...... ہم دونوں ا
الگ دنیا بسائیں گے۔ بولو منظور ہے‘ تم مجھے قبول کرو گی؟“

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے بغیر رہ سکتی ہوں؟ جی سکتی ہوں؟...... نہیں..
تم نہ ملے تو میں مرجاؤں گی۔“

پھر وہ لڑکی مرد کے چوڑے چکلے سینے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ پھر بو

”میں بھی تو یہی چاہتی تھی۔“

مرد نے اس کا چہرہ اٹھا کر بے تابانہ انداز میں اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں
پیوست کر دیئے۔ دونوں اس حالت میں کچھ دیر تک رہے۔ پھر دونوں بہکنے لگے۔
غلاظت کی دلدل میں کود گئے۔ یہ منظر ایسا تھا کہ میرے سارے بدن میں خون کی روانی
ہوگئی اور خون کی ایک تیز رو جیسے میرے دماغ پر چڑھ گئی۔ لالٹین کی لو بڑھی ہوئی تھ
کمرے میں صاف اور اجلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میرے سارے بدن میں سنسنی بھر
میری دونوں آنکھیں دھندلا سی گئیں۔ مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی اور میرے
میں لطیف سی گدگدی ہونے لگی۔ میں نے سوچا یہ بڑی معیوب سی بات اور گھٹیا حر
ہے۔ میں وہاں سے ہٹ گیا۔ پھر میں نے اپنے پراگندہ احساسات تمام طاقت جمع کر
قابو میں کرنے کی کوشش کی اور پھر میں بنگلے کی طرف خراماں خراماں چلنے لگا۔ رات
تاریکی گہری ہوتی جا رہی تھی۔

میں سوچنے لگا کہ عورت بھی کیا چیز ہے؟ ساری کائنات کا حق عورت ہی
ہے۔ عورت کے کتنے روپ میں؟ کتنے پہلو ہیں؟ اس کا ہر روپ اور ہر پہلو جدا اور
ہے۔ وہ ایک زہریلی ناگن کی طرح ہے...... حسین بلا ہے...... مافیا ہے...... محبت کا سر
ہے...... جب وہ انتقام لینے پر آتی ہے تو بے حد خطرناک ہو جاتی ہے۔ کوئی اس کے ا

سے بچ نہیں سکتا...... جھرنا...... کرن...... اوشاسین اور یہ لڑکی...... اس آبادی میں اسی شہر
میں اور دنیا میں جانے کتنی ایسی کہانیاں جنم لیتی ہیں جو ایک عورت کے گرد گھومتی ہیں۔

میں نے بنگلے میں داخل ہو کر گیٹ بند کیا اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔
چند قدم چل کر ٹھٹک کر رک گیا۔ اوشاسین کی خواب گاہ کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے
پاس ہی اس کا پلنگ تھا جس کے بستر پر وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کے پلکوں کے دریچے
بند تھے۔ وہ بے ترتیب سی تھی۔ آڑھی‘ ترچھی اور تہری پڑی تھی۔ اس کا لباس بھی بے ترتیب
تھا۔ اس کا سراپا ناگن کی طرح ڈستا ہوا سا تھا۔ میں جہاں کھڑا تھا وہاں اندھیرا تھا۔ میں
اندھیرے کی آغوش میں تھا۔ کمرے میں دودھیا نائٹ بلب کی جو ملگجی روشنی تھی‘ اس میں
اس کا حسن و شباب اور گداز جسم اور قیامت ڈھا رہا تھا۔ یہ ایک ایسی عورت تھی جس میں
ایک پکے پھل کا سا رسیلا پن تھا۔ اس کا جسم بستر پر جھرنے کی طرح بہہ رہا تھا۔ میں بہت
دیر تک اسے دیکھتا رہا لیکن اس خوف سے اپنے کمرے میں چلا آیا کہ کہیں شامو نہ آ جائے
اور وہ جاگ نہ جائے۔ میری چوری پکڑی گئی تو نہ جانے میرا کیا حشر کیا جائے؟ کیا سزا دی
جائے...... لیکن میں بستر پر دراز ہو کر اس کا تصور میں کھویا رہا۔ پھر سو گیا۔

دوسرے دن ناشتے سے فراغت پانے کے بعد اوشاسین نے ایک مہر بند لفافہ
میرے حوالے کیا۔ میں نے وہ لفافہ لے کر اوشاسین کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”میں اس لفافے کا کیا کروں...... ؟ کیا یہ کسی کو پہنچانا ہے؟“

”جانتے ہو اس لفافے میں کون سا راز ہے...... ؟“ اس کی تیز نظریں میرے
چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔

”میں کیسے بتا سکتا ہوں...... ؟“ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور اپنے کاندھے
سے اچکا کر رہ گیا۔

”اس لفافے میں اس ملک کے صدر کا تختہ الٹ کر اسے قتل کر دینے کا منصوبہ
موجود ہے۔“ اس نے بتایا۔

میرے سارے بدن میں سنسنی بھر گئی۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا میں اس منصوبے کو
پڑھ کر انہیں کوئی رائے دوں؟''

''نہیں ...... نہیں۔ یہ لفافہ جگدیش نامی ایک شخص تک بڑی رازداری اور احتیاط
سے پہنچانا ہے۔'' وہ بولی۔

''جو حکم ......'' میں نے سر ہلایا۔ اس کے علاوہ میرے لیے کیا حکم ہے۔''

''اور ہاں ...... ہر قدم پر تمہیں چوکنا رہنا ہوگا ...... کیوں کہ دشمن ہماری گھات
میں لگے ہوئے ہیں۔'' یہ بات کہتے ہوئے وہ بڑی پراسرار اور خوفناک سی دکھائی دے رہی
تھی۔ ''معمولی سی غلطی بھی ہمیں لے کر ڈوب سکتی ہے۔''

''یہ جگدیش صاحب کون ہیں جنہیں یہ لفافہ پہنچنا ہے......؟'' میں نے کہا۔
''میں تو انہیں جانتا بھی نہیں ہوں۔ وہ کہاں ملیں گے؟''

''جگدیش اپنا ہی آدمی ہے۔'' اوشاسین نے قدرے توقف کر کے کہا۔ ''وہ پدما
نامی ایک لانچ میں تنہا تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔ اگر جگدیش کی جگہ کوئی اور آدمی ملے تو فوراً
ہی لفافہ چاک کر کے پانی میں بہا دینا۔ اگر تم کسی وجہ سے دشمن کے ہاتھ لگ جاؤ اور وہ تم
سے پوچھ گچھ کریں تو اپنا منہ بند رکھنا۔ اگر تم نے زبان کھولی تو پھر ہم میں سے کوئی بھی زندہ
نہیں بچ سکے گا۔''

میں نے اثبات میں آہستہ سے گردن ہلا دی۔ ''آپ بے فکر رہیں۔ میں آپ
کی ہدایت کا ہر طرح سے خیال رکھوں گا۔''

پھر اوشاسین نے مجھے جگدیش کی تصویر دکھائی۔ وہ ایک دیو قامت اور کریہہ شکل
سا آدمی تھا۔ اس کی شناخت میرے لیے کیا کسی بھی شخص کے لیے مشکل نہ تھی۔ اس کی
تصویر ایک بار دیکھ لینے کے بعد اسے نہ صرف ہزاروں میں بلکہ برسوں کے بعد شناخت کیا
جا سکتا تھا۔ جب میں نے اس کی صورت اچھی طرح ذہن نشین کر لی تو اوشاسین نے مجھ
سے اس کی تصویر لے کر اپنے پرس میں رکھ لی۔

شامو جب مجھے جٹی (بندرگاہ) کی طرف لے جا رہا تھا' تب میں سوچ رہا تھا کہ
شاسین کیا پڑوسی ملک کی ایجنٹ ہے؟ شاید وہ را کی ایجنٹ ہے۔ پڑوسی ملک نے بنگلہ دیش
ے صدر کے قتل کا منصوبہ اس لیے بنایا ہے کہ اس ملک میں ایک سنگین بحران ہوتا کہ وہ اس
ے فائدہ اٹھا سکے۔ پڑوسی ملک کی تنظیم بنگلہ دیش میں زیر زمین بہت سرگرم تھی۔ وہ تخریب
ری کرواتی رہتی تا کہ بدامنی سے فائدہ اٹھا سکے۔

شامو مجھے ہمراہ لے کر ٹرمینل پر پہنچا۔ اس نے وہاں سے اشارہ کر کے پدما لانچ
ائی جو ایک فرلانگ دور پانی کی سطح پر ڈول رہی تھی۔ اس لانچ تک سفر کرنے کے لیے
ے کشتی میں سفر کرنا تھا۔ شامو نے ایک کشتی کرائے پر حاصل کی اور مجھے اس میں سوار
رادیا۔ وہ خود ٹرمینل پر کھڑا رہا۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ سکی کہ آخر اس لفافے کو اس
راہتمام کے ساتھ جگدیش کے حوالے میری توسط سے کیوں کیا جا رہا ہے۔ یہ لفافہ وہ
ں کہیں بھی آسانی سے وصول کر سکتا تھا۔ اسے ڈاک سے بھی بھیجا جا سکتا تھا۔

اوشاسین نہ صرف پراسرار تھی بلکہ اس کے سارے کام بھی پراسرار اور عجیب و
یب نوعیت کے تھے۔ مجھے آم کھانے سے مطلب تھا' پیڑ گننے سے نہیں ...... اس کے
وہ مجھے اپنے کام سے کام رکھنا تھا۔ اوشاسین جو بھی کرے اپنی بلا سے مجھے اس سے کوئی
ں نہ تھی۔ میں صرف اس کا ہر حکم بجا لانے کا پابند تھا۔ لفافہ متعلقہ شخص کو پہنچانا میری ذمہ
ی تھی اور میں اسے پورا کر رہا تھا۔

جب کشتی لانچ کے قریب پہنچی تو میں کشتی والے کی مدد سے لانچ کے عرشے پر
ھ گیا۔ میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر عرشے پر کوئی نظر نہیں آیا۔ وہ ویران اور
ملان پڑا تھا۔ جب مجھے لانے والی کشتی دور نکل گئی تو پھر میں نے آواز دی۔

''جگدیش صاحب ...... جگدیش صاحب ......! آپ کہاں ہیں؟ اوپر تشریف
ں۔ میں آپ کے لیے اوشاسین کا ایک پیغام لایا ہوں۔''

میری آواز عرشے پر گونج کر رہ گئی مگر کسی جانب سے مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔

جب تھوڑی دیر تک کوئی جواب نہ آیا تو میں آہستہ آہستہ زینے کی جانب بڑھا۔ میں یہ
کہ شاید اندر تک میری آواز نہیں پہنچی۔ جگدیش صاحب اندر کسی کمرے میں موجود ہو
گے، مگر لانچ پر جو گہرا سناٹا مسلط تھا، اس سے ایسا لگتا تھا کہ لانچ کے اندر ہی کوئی موجود نہ
ہے۔ صرف میں اکیلا یہاں موجود ہوں۔

میں سیڑھیاں اتر کر ایک ہال نما کمرے میں آ گیا جو خالی پڑا تھا۔ اس میں نہ
کوئی سازوسامان تھا اور نہ فرنیچر...... اس کے عین سامنے ایک کمرہ تھا، جس کا دروازہ اند
سے بند تھا۔ جگدیش صاحب شاید اس میں سو رہے تھے۔ اس لیے میں نے آگے بڑھ کر
دستک دی۔ دوسری جانب یعنی دائیں ہاتھ پر بھی ایک کمرہ تھا اور اس کا دروازہ بھی بند تھا۔
میں لڑکھڑاتے قدموں سے اس کمرے کی جانب بڑھا۔ جانے کیوں یہاں کا ماحول بڑا
پراسرار اور خوفناک سا دکھائی دیا۔ مجھے ایک وحشت سی ہونے لگی۔ دل کہنے لگا۔ یہاں سے
بھاگ جاؤ، چلے جاؤ......

دفعتہً اس کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور میں چونک کر کئی قدم پیچھے ہٹ
گیا۔ اس کمرے سے چار افراد نہایت تیزی سے باہر آئے اور انہوں نے مجھے گھیر لیا۔ میں
پوری طرح ان کے نرغے میں آ گیا۔ ان میں سے ایک شخص جو اپنے چہرے مہرے سے
انتہائی خطرناک دکھائی دے رہا تھا، اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا کر استہزائیہ نظروں
سے دیکھتے تحقیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"آپ جگدیش صاحب کے لیے کیا تحفہ لائے ہیں......؟ ذرا ہم بھی تو دیکھیں
چندا......؟"

میں اس اچانک اور غیر متوقع صورت حال کے لیے قطعی طور پر تیار نہیں تھا۔
ویسے ادشاسین نے مجھے بتایا تھا کہ شاید دشمن جو گھات میں ہے وہ پہنچ جائے لیکن میں
اس بات کو ذہن سے نکال دیا تھا۔ میں نے بہ مشکل تمام اپنے حواس پر قابو پایا۔ گو میرا
سینے میں دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ان کے تیور اچھے نہیں تھے۔ ان میں جگہ

ل کا کوئی شخص نہیں تھا، تاہم میں نے اپنے جسم کی ساری طاقت جمع کی اور حوصلہ پیدا
نے کی کوشش کی۔ میں یہی سمجھا کہ یہ لوگ شاید جگدیش کے ساتھی ہیں کیوں کہ صدر کو
کرنے والے شریف اور مہذب لوگ نہیں ہو سکتے ہیں۔ پیشہ ور قاتل ہی یہ کام کر سکتے
۔ یہ پیشہ ور قاتل ہی دکھائی دے رہے تھے۔

میں نے ان چاروں کی شکلیں باری باری دیکھتے ہوئے پھنسی پھنسی آواز میں
کہا۔ "جگدیش صاحب کہاں ہیں؟"

"جگدیش صاحب؟" اس نے طنزآمیز ہنسی سے جیسے میرا تمسخر اڑایا اور اپنے
ھیوں کی طرف دیکھا۔ اس کے ساتھی بھی تمسخرانہ انداز میں میری جانب دیکھ رہے تھے۔
شخص دوبارہ میری طرف پلٹا۔ پھر اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
بلدیش صاحب آرام فرما رہے ہیں...... معلوم نہیں وہ کب تک آرام فرمائیں گے؟"

اس کے لہجے میں ایسی چبھن تھی کہ میں سناٹے میں آ گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ
روں بدمعاش میرے باس کے دشمن ہیں اور انہوں نے مل کر جگدیش صاحب کو ٹھکانے
دیا ہے۔ جب وہ میرے گرد اپنا گھیرا تنگ کرنے لگے تو میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور
ش آواز میں کہا۔ "ایک منٹ صبر کریں۔ میں جگدیش صاحب کا تحفہ آپ لوگوں کی
ت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

میری اس بات کا ان لوگوں پر خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ اپنی جگہ رک گئے۔ وہ
ے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہے تھے۔ پھر میں نے بڑے اطمینان سے اپنی جیب سے لفافہ
لا۔ یہ ہے وہ تحفہ جو میں جگدیش صاحب کے لیے لایا ہوں۔"

"تحفہ تو بہت شان دار، قیمتی اور اہم معلوم ہوتا ہے۔ لاؤ، مجھے دے دو۔" اس
عاش نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔

"کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ یہ تحفہ تم سب میں برابر تقسیم کر دیا جائے؟" میں نے
فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب......؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔ وہ میری بات سمجھا نہیں تھا۔
"یہ کس طرح تقسیم ہو سکتا ہے؟"

"اس طرح......" میں نے لفافے کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اسے بتایا۔

میں لفافہ چاک کرنے والا تھا کہ ان میں سے ایک بدمعاش نے میرا ارا
بھانپ لیا۔ وہ بجلی کی طرح مجھ پر جھپٹا۔ اگر میں عجلت سے کام نہ لیتا تو لفافہ ان کے ہاتھ
لگ جاتا۔ میں نے بغیر کسی تاخیر کے اس لفافے کے پرزے کر ڈالے اور کھڑکی سے با
پھینک دیا۔

پھر ان چاروں نے مجھے نرغے میں لیتے ہوئے دبوچ لیا۔ اور انہوں نے مل
میرے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا' اسے شاید میں زندگی بھر نہ بھول پاؤں۔ وہ انسان نہ
درندے تھے۔ ان کے پاس چاقو نہ تھے۔ وہ مسلح نہ تھے۔ ان کے پاس کوئی مہلک ہتھیار
تھا۔ اگر ہوتا تو پھر وہ مجھے ہلاک کر دیتے۔ میں ان کے ہاتھوں' لاتوں اور جوتوں کی ضر
برداشت نہ کر سکا اور بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔ بے ہوش ہوتے ہوتے میرے ذ
میں ایک ہی بات تھی کہ میں موت کے منہ میں جا رہا ہوں۔

جب وہ بڑی سفاکی سے میری درگت بنا رہے تھے' اس دوران مجھے اس بات
ذرہ برابر بھی امید نہیں تھی کہ میں ان بدمعاشوں کے ہاتھوں زندہ بچ جاؤں گا۔ یہ خ
آشام بھیڑیے تھے۔ ان چاروں نے مل کر جس بے رحمی سے میری درگت بنائی تھی' وہ
میرا دل ہی جانتا تھا۔ کچھ دیر بعد مجھے ہوش آیا تو میں بہت دیر تک یہی سوچتا رہا کہ آخر
لوگوں نے مجھے زندہ کیوں چھوڑ دیا۔

پوری طرح ہوش میں آنے کے بعد میں نے درد سے کراہتے ہوئے آنکھ
کھولیں تو میری نگاہ سب سے پہلے لانچ کی چھت پر پڑی۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ کیا
واقعی زندہ ہوں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ میری آتما پرواز کر چکی ہو اور میں ایک لاش کی ط
پڑا ہوا ہوں لیکن جب میرے انگ انگ سے درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں تو پھر زندگی کا اح

میں زندہ تھا۔ موت کے منہ سے نکل آیا تھا لیکن تکلیف کی شدت اس حد تک ناقابل
اشت تھی کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو درد کی ایک شدید لہر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ میں
محسوس کیا کہ مجھ میں اتنی سکت بھی نہیں ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت کر سکوں۔ جوڑ جوڑ درد
ر رہا تھا۔ ان حرام زادوں نے ہڈی پسلی ایک کر دی تھی۔ نہ مجھ میں اتنی طاقت رہی تھی کہ
چیخ کر کسی کو اپنی مدد کے لیے بلا سکوں لیکن چیخنا بھی فضول تھا۔ کیوں کہ میں لانچ میں
تھا۔ میری چیخیں کون سنتا۔ اس حالت میں مجھے نہ جانے کب تک پڑے رہنا تھا۔ شاید
وقت تک جب تک شامو میری خبر گیری کرنے نہیں آ جاتا۔ یا پھر اس لانچ کا مالک۔

اچانک عرشے پر آہٹ سنائی دی اور میں اس خیال سے لرز گیا کہ وہ بدمعاش
بھی موجود ہیں اور شاید اس انتظار میں ہیں کہ ہوش میں آنے کے بعد دوبارہ میری
اج پری کر کے مجھے سورگ میں پہنچا دیں۔ شامو ہوتا تو وہ مجھے آوازیں دیتا۔ ان درندوں
خیال آتے ہی مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔ میں نے دل میں سوچا کہ اب انہیں سب
ھ صاف صاف بتا دوں گا۔

یوں بھی میں اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ اس ملک کے صدر کو قتل کر دیا جائے
ر اس کا تختہ الٹ دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ملک میں بدامنی پھیلتی اور ہنگاموں کا
سلہ شروع ہو جاتا۔ نہ جانے مجھے کیوں یہ یقین ہو گیا تھا کہ اوشا سین کوئی غیر ملکی ایجنٹ
ے اور میرے ملک کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔ میں ایک انسانیت پسند ہونے کے ناتے
ی طرح بھی یہ بات گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ یہ ملک تخریب کاروں اور شر پسندوں کے
وں کھلونا بن کر رہ جائے۔

میں نے آنکھیں بند کر کے سانس روک لی تا کہ وہ مجھے مردہ سمجھ کر واپس چلے
ئیں۔ پیروں کی چاپیں بہ تدریج میرے قریب تر معدوم ہو گئیں۔ میں نے اندازہ
یا کہ وہ دو افراد ہیں۔ مجھے موت کے منہ میں پہنچانے کے لیے ایک ہی بدمعاش کافی تھا۔

چند ثانیوں کے بعد میں نے اپنے نتھنوں میں ایک عجیب سی مہک محسوس کی۔ یہ کسی عطر یا پھول کی نہیں ہوسکتی۔ مجھے اس لمحے اپنی سانسوں پر قابو پانا دشوار سا لگ رہا تھا۔ اس مہک نے میرے پورے وجود میں فرحت کی لہر دوڑا دی۔ میں آنکھیں کھولنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کسی کا نرم و نازک سر میرے سینے پر جھک آیا۔ کوئی کان لگا کر میرے دل کی دھڑکنیں سن رہا تھا۔ اس کا سر کا خوشگوار لمس مجھے حیات نو بخشنے لگا۔ میں اپنی ساری تکلیف اور درد بھول گیا۔ میں نے محسوس کرلیا تھا کہ یہ سوندھی سوندھی خوشبو کسی عطر یا پھول کی نہیں بلکہ کسی پھول جیسے جسم کی ہے۔ میں عورت کے بدن کی خوشبو پہچانتا تھا لیکن یہ عورت کون ہوسکتی ہے؟ کہیں ان بدمعاشوں کی ساتھی تو نہیں...... انہوں نے اب عورت کا کارڈ استعمال کرنے کے بارے میں سوچا ہوگا۔ وہ عورت کی مدد سے بہت کچھ مجھ سے معلوم کرسکتے تھے۔ یہ ایک زبردست ہتھیار تھا' جس سے مرد نہیں بچ سکتا ہے۔

میں نے چند ثانیوں کے بعد اپنی آنکھیں کھول دیں۔ گھٹاؤں جیسے کالے کالے بال میرے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ گرم گرم سانسوں کی مہک میرے چہرے کو جھلسا رہی تھی۔ اس عورت کو دیکھا تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ اوشا سین تھی۔

میرے جسم میں حرکت محسوس کرکے اوشا سین نے اپنا سر اوپر اٹھایا لیکن ایسا کرتے وقت میں نے اس کے ہونٹ اپنے رخساروں پر محسوس کیے۔ شاید یہ میری غلط فہمی تھی۔ معاً میری نگاہ شامو پر پڑی جو ایک طرف مودب کھڑا ہوا کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔ اس کی پشت ہماری طرف تھی۔ اوشا سین میرے پاس ہی دوزانو ہوکر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سر جھٹک کر بالوں کو پیچھے کیا۔ جب اس نے میری نگاہ اپنے گلے کے نیچے محسوس کی تو وہ گلابی سی ہوگئی اور اس نے فوراً ہی ساڑھی کا پلو اٹھا کر سینے اور شانے پر درست کیا۔

اوشا سین کی آنکھوں میں ایک انجانا سا خوف جھانک رہا تھا۔ وہ کچھ متفکر اور پریشان سی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے پیشانی پر بکھرے بالوں کو ہٹاتے ہوئے اپنائیت کے لہجے میں پوچھا۔ ''تم ٹھیک تو ہو......''

''ٹھیک ہوں......اور آپ کے سامنے ہوں۔ دیکھئے لیجئے۔'' میں نے شوخی سے جواب دیا۔

''ان بدمعاشوں نے تمہیں بہت زیادہ نقصان تو نہیں پہنچایا......'' اوشا سین متفکر سی ہوکر بولی۔ ''اب کیسے ہو؟''

اگر ان بدمعاشوں کے دو چار ہاتھ' لاتیں اور جوتے پڑ جاتے تو پھر شاید میں زندہ نہ رہتا۔'' میں نے پھر شوخی سے کہا۔

''مجھے بہت افسوس ہے کہ ان درندوں نے تمہارے ساتھ زیادتی اور تشدد کیا۔'' اوشا سین افسردگی سے بولی۔

''مجھے اس بات کی سزا ملی کہ میں نے وہ لفافہ چاک کرکے ان کے منہ پر دے مارا تھا۔'' میں نے بتایا۔ ''آپ کا حکم بجالایا۔''

''تمہاری یہ حالت دیکھ کر مجھے کتنا دکھ ہوا میں بتا نہیں سکتی......'' اوشا سین نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''کاش اس کا اندازہ مجھے ہو جاتا......مجھ سے بڑی بھول ہوئی کہ میں نے تمہیں پستول یا چاقو نہیں دیا۔ اسلحہ ہوتا تو تم اپنا بچاؤ کرسکتے تھے۔''

''مگر اس سے کیا ہوتا......میں نے کبھی پستول یا چاقو چلانا تو درکنار کبھی اسے ہاتھ میں پکڑا تک نہیں......'' میں نے کہا۔

''میں تمہاری ثابت قدمی سے بہت متاثر ہوئی ہوں۔ تم نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر اس راز کی حفاظت کی......'' اوشا سین بولی۔

''میں نے آپ کا حکم اپنا فرض سمجھ کر ادا کیا۔ جان بھی چلی جاتی تو افسوس نہ ہوتا۔'' میں نے سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں اس کے صلے میں ایک بہت بڑا انعام دوں گی۔'' اوشا سین نے میری آنکھوں میں جھانکا۔ ''ایک انمول اور اچھوتا انعام......''

میں نے انعام کی خواہش یا دولت کے لالچ میں اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگائی

اور نہ ہی اس میں میری کوئی غرض پوشیدہ تھی؟“

”شامو!“ اوشاسین نے پلٹ کر اسے آواز دی۔ جب وہ پلٹا تو اوشاسین نے
کوئی اشارہ کیا۔ وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

”تم ہر لحاظ سے انعام کے حق دار ہو......“ اوشاسین کہنے لگی۔ ”تمہیں انعام
دوں تو یہ بہت غلط بات ہوگی۔“

شامو باہر جا چکا تھا۔ میں نے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا۔ ”کیسا انعام......
آپ کا سراہنا ہی میرے لیے بہت بڑا انعام ہے۔“

”آخر اس عظیم کارنامے پر جتنا بڑا انعام بھی دیا جائے اس کے مقابلے میں
بھی نہیں ہے؟“ اوشاسین نے جواب دیا۔

اوشاسین نے اتنا کہہ کر اپنے پاس رکھے ہوئے پرس میں سے رومال نکالا
میرے ہونٹوں کے گوشوں پر پھیلے ہوئے خون کو صاف کرنے لگی تو مجھے یقین نہیں آیا۔
میں تو آیا اس کے سڈول اور گورے گورے خوبصورت ہاتھ کو چوم لوں لیکن میں ا
جسارت نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے دل میں نجانے کیا تھا کہ وہ میرے زخم پر جمے خو
صاف کررہی تھی۔

”مجھے تم جیسے ہی ایک نوجوان کی ضرورت تھی‘ جو میرے راز کا امین بن سکے
میرے لیے ہر قسم کا بلیدان دے سکے...... اور پھر اپنے دعوے کا پاس رکھنے کے لیے ا
جان بھی داؤ پر لگا دے؟ کیا ایسا شخص کسی بڑے اور انمول انعام کا مستحق نہیں ہے؟“

اس کی تیکھی تیکھی نظریں میرے دل میں اترنے لگیں۔ وہ مجھے اور بھی خو
صورت دکھائی دینے لگی۔

میں نے اوشاسین کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن میرے دل کے کسی کو
میں یہ سوال ابھر آیا کہ آخر وہ کیا انعام ہے جو وہ مجھے دینا چاہتی ہے۔ میں اسے چ
چاپ دیکھتا رہا۔ اس کے ہاتھ کے لمس میں جیسے کوئی امرت تھا‘ جس سے میرے زخمو

تکلیف دور ہوتی جارہی تھی۔ وہ مسیحا بنی ہوئی تھی۔ میرے جذبے اور بلیدان نے اس کے
دل پر بہت اثر کیا تھا اس لیے وہ میری تیمارداری کررہی تھی۔

اوشاسین نے قدرے توقف کے بعد اپنا ہاتھ روک کر مجھ سے پوچھا۔ ”کیا تم
میرے لیے ایک اور بلیدان دے سکتے ہو......؟“

اس کی خوب صورت آنکھوں پر ابر سا چھا گیا اور اس کے چہرے پر کرب لہر بن
کر دوڑ گیا۔

”میں نے اپنا وجود آپ کے ہاتھوں بیچ دیا ہے؟“ میں نے ایک گہرا سانس
لے کر آہستہ سے جواب دیا۔ ”بس آپ حکم دیں...... میں آپ کے ایک اشارے پر مر مٹنے
کے لیے تیار ہوں۔ ایک نہیں دس بار بلیدان دے سکتا ہوں۔“

”لیکن بلیدان تمہاری اپنی ذات تک محدود ہوگا......؟ شاید تمہارا وجود ریزہ ریزہ
ہو جائے گا؟“ وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

پھر وہ کہیں کھو سی گئی۔ اس کی آنکھیں نجانے کیا سوچنے لگی تھیں۔ پھر وہ چند
ثانیوں کے بعد افسردگی سے کہنے لگی۔

”تمہیں اپنے ارمانوں‘ جذبوں اور احساسات کا خون کرنا ہوگا...... پھر تمہاری
زندگی میں شاید ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اس بلیدان پر تمہیں پچھتاوا ہو اور تم ایک اذیت
ناک کرب کی آگ میں جلتے رہو؟“

میں نے تحیر زدہ ہو کر پوچھا۔ ”آپ مجھ سے کیسا بلیدان چاہتی ہیں......؟ میں
نے کہا تھا کہ میں ہر قسم کا بلیدان دینے کے لیے تیار ہوں۔“

”میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں......“ اوشاسین نے بکھرے ہوئے لہجے میں
کہا۔ ”تم سے شادی کر کے گھر بسانا چاہتی ہوں۔“

”کیا......؟“ میں بھونچکا سا ہو گیا۔ ”یہ آپ...... آپ...... مجھ سے شادی کرنا
چاہتی ہیں؟“ میری زبان لڑکھڑائی۔

"کیا تم مجھے ایک پتنی کے روپ میں قبول کرسکو گے......؟ میں جس طرح چاہوں گی ویسی زندگی ساتھ گزار سکو گے؟"

"آپ میری پتنی بنا چاہتی ہیں......؟" مجھ پر سکتہ سا چھا گیا۔ لیکن میں اندر ہی اندر خوشی سے پھولا نہیں سمایا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اپنے خوشی کے جذبات اور احساسات کا اظہار کس طرح سے کروں؟"

اوشاسین نے مجھے بت کی طرح خاموش پا کر کہا "تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا...... تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"لیکن......" میں نے حیرت اور تذبذب سے اس کی طرف دیکھا۔ نجانے کیوں میری زبان گنگ سی ہوگئی تھی۔

"شاید تمہیں میری بات کا یقین نہیں آ رہا اور تم اس بات پر حیران ہو رہے ہو کہ میں تم سے کس لیے شادی کرنا چاہتی ہوں؟" اوشاسین بولی۔

"جی ہاں۔" میں نے اثباتی انداز میں سر ہلایا تھا۔ اس نے گھنیری پلکیں جھکا کر ایک گہری سانس لی۔ "مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں کوئی سندر سپنا دیکھ رہا ہوں؟"

"میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میں تم سے کیوں اور کس لیے شادی کرنا چاہتی ہوں؟"

وہ ٹھہری ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ "میں دنیا کی خوش نصیب ترین عورت سمجھی جاتی ہوں کیوں کہ میرے پاس بے پناہ دولت ہے۔ وہ کتنی ہے میں بتا نہیں سکتی۔ اس لیے کہ میں نے کبھی اس کا حساب نہیں کیا۔ زندگی کی ساری آسائشیں میرے قدموں میں لوٹتی رہتی ہیں۔ میرے پاس کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے۔ میں ایک خواب ناک زندگی کی مالک ہوں......لوگ مجھ پر اور میری زندگی پر رشک کرتے ہیں......لیکن دوسری جانب شاید ہی مجھ جیسی کوئی بدنصیب عورت ہوگی جو اتنی بڑی دنیا میں تنہا ہے۔ کنواری لڑکیاں اور شادی شدہ عورتیں میرے بے مثال حسن و جمال اور شباب کو بڑی خوش قسمتی سمجھتی ہیں لیکن میرے نزدیک یہ حسن وشباب کسی عذاب سے کم نہیں ہے......اس طرح دولت بھی ایک دیمک

ہے جو انسان کو اندر ہی اندر بری طرح چاٹ لیتی ہے۔ حسن، جوانی اور دولت کی فراوانی میرے لیے سوہانِ روح بن گئی ہے۔ میں نے جسے بھی اپنا ہم سفر بنانا چاہا اسے محض حسن، جسم اور دولت کے حصول کا بھوکا پایا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں محبت کی رمق بھی نہیں پائی۔ کوئی بے غرض اور بے لوث اور مخلص نہیں پایا۔ میری آتما مرد کی محبت کے لیے بے چین رہی اور تڑپتی رہی تھی۔

میں چاہتی تھی کہ اپنی ساری دولت محتاجوں اور غریبوں اور ضرورت مندوں میں بانٹ دوں اور پھر ایک عام عورت بن کر زندگی گزار دوں۔ میرا پتی مجھے اپنی محنت مزدوری کی کمائی کھلائے مگر کوئی بھی شخص اس ایثار اور بلیدان کے لیے تیار نہیں ہوا۔ نفسیاتی مریض سمجھ کر میرا مذاق اڑایا جانے لگا۔ شاید اس لیے کہ آج ہر شخص دولت کے اندھے جنون میں مبتلا ہے۔

اوشاسین نے توقف کرکے میرے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کا دل گرفتہ انداز تھا۔ اس کے تمتماتے ہوئے رخساروں پر کرب پھیلنے لگا۔ پھر وہ خودکلامی کے انداز میں کہنے لگی۔ جب میں ہر طرف سے مایوس اور ناامید ہوگئی تو میں نے اپنی زندگی کا ایک عجیب وغریب فیصلہ کیا۔ اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ میں نے اپنے دل میں تہیہ کرلیا کہ میں کسی ایسے مرد سے شادی کروں گی جو مخلص اور قلاش ہوگا......لیکن بے غرض ہوگا۔ اوباش، عیاش اور بدکار نہ ہوگا......اس کی زندگی میں کوئی عورت نہیں آئی ہوگی۔ ہوس پرست نہ ہوگا۔ وہ کسی ایسی لڑکی کو آلودہ نہیں کرے گا جو مجبور یا بدچلن ہوگی۔ میں اسے سہارا دے کر آزماؤں گی......اس کا ساتھ دوں گی۔ اپنی آخری سانسوں تک اس سے نباہ کروں گی......لیکن یہ راہ آسان نہیں تھی۔ جب مجھے اس سنگلاخ راستے پر تنہا چلنا دشوار لگا تو میں نے اپنے پرانے خاندانی ملازم شامو کا انتخاب کیا۔ اسے اعتماد میں لیا۔

اوشاسین نے توقف کرکے گہرا سانس لیا اور پھر بولی۔ "بلآخر میں نے اس دشوار گزار اور ٹیڑھے میڑھے راستے پر چلتے ہوئے تمہیں پالیا۔ میں نے قدم قدم پر تمہاری

آزمائش کی۔ تمہیں کڑی دھوپ میں لا کھڑا کیا۔ بھٹی میں جھونک دیا تا کہ تمہیں کندن بنا سکوں۔"

اوشاسین نے بڑی آہستگی سے اپنا سر میرے سینے پر رکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں نے بھی اپنی منزل پالی ہو۔

چند ثانیوں کے بعد وہ سسک کر بولی۔ "کیا تم ایک بدنصیب اوشا کو اپنانا پسند کرو گے......؟ مجھے ٹھکراؤ گے تو نہیں......"

میرے بازو گو کہ شل سے تھے لیکن اس لمحے نجانے ان میں کہاں سے توانائی آ گئی۔ میں نے اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ "میں ساری زندگی آپ کا غلام بنا رہوں گا...... آپ کی محبت میرے لیے دولت ہے۔ میں حسن اور جسم کا پجاری نہیں محبت کا بھوکا ہوں۔"

"اب تم مجھے آپ نہ کہو......" اوشاسین میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

"میں تمہاری باس نہیں پتنی ہوں۔ داسی ہوں۔"

"اوشا!" میں نے اس کے چہرے سے بکھرے بالوں کو ہٹاتے ہوئے کہا۔ "سچ سچ بتاؤ...... کہیں میں سپنا تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔"

"تم اس حقیقت کو سپنا کیوں اور کس لیے سمجھ رہے ہو؟" اس کے چہرے کا طول وعرض میری نظروں کے سامنے بڑھتا گیا۔

"اس لیے کہ تم بلا کی حسین ہو...... ایک حسین بلا...... لیکن ایسی بلا جس کی محبت ہر کوئی نہیں پا سکتا......"

"میں تمہیں بتاتی ہوں کہ یہ سپنا نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے۔" پھر اوشاسین نے اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں سے پیوست کر دیئے۔

میرے زخم پوری طرح مندمل ہونے میں دس دن لگ گئے۔ اوشاسین نے مجھے چٹاگانگ کے سب سے بڑے اور مہنگے اسپتال میں علاج کے لیے داخل کرایا تھا۔ وہ دس

ن تک رات دن میری پٹی سے لگی رہی تھی۔ لیکن اس نے درمیان میں میرے قدرے بہتر نے پر بھی مجھے من مانی کرنے نہیں دی تھا۔ وہ ایک بہترین نرس ہی نہیں تھی بلکہ ایک پتنی طرح میرا ہر طرح سے خیال رکھا تھا۔

اس اسپتال میں بہترین نگہداشت، علاج، اوشاسین کا قرب اور اس سے شادی رنے کے خیال نے دس دنوں میں مجھے پوری طرح صحت یاب کر دیا لیکن میں راتوں کو چتا تھا کہ کہیں یہ سپنا تو نہیں ہے؟ ایک امیر کبیر عورت مجھ سے شادی کر کے گھر بسانے لیے جو کہہ رہی ہے وہ فریب تو نہیں ہے...... وہ ایک حسین بلا ہی نہیں بلکہ مافیا بھی ے۔ بے حد خطرناک عورت بھی ہے۔ کہیں وہ مجھ سے اس بہانے اس لیے تو شادی نہیں کر ی ہے کہ اپنا آلہ کار بنا لے......! پھر میں نے سوچنا بند کر دیا...... میں ذہنی طور پر اس بات تیار تھا کہ آگے جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں محبت کے دیے تے دیکھے اور اس کی محبت میں کھوٹ محسوس نہیں ہوتا تھا۔

اسپتال سے ڈسچارج ہونے کے تیسرے دن ہم دونوں نے کورٹ میں جا کر ل میرج کر لی۔ پھر وہاں سے اسی پدما لانچ میں آ گئے جس میں بدمعاشوں نے میری ردست خاطر مدارت کی اور مجھے اسپتال میں داخل کرانے کی نوبت آ گئی۔ اسی لانچ کو ن کی طرح سجایا ہوا تھا اور اس کے کمرے کو حجلہ عروسی بنایا گیا تھا۔ سب کچھ شامو نے یک فرم کو ٹھیکہ دے کر بنوایا تھا جو ڈیکوریشن کا کام کرتی تھی۔

رات دس بجے شامو رخصت ہو گیا۔ لانچ گھاٹ سے ذرا ہٹ کر کھڑی تھی۔ مو کے رخصت ہونے کے بعد لانچ میں صرف میں اور اوشا رہ گئے تھے۔ جب میں حجلہ سی کی طرف بڑھا، میرے ذہن میں جھرنا اور کرن پہلے کی طرح آ کھڑی ہوئیں لیکن ب اوشا کو بیاہنے کے بعد ان سے جیسے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ ان کی تصویریں من کے نہاں نے میں جیسے دھندلی پڑ گئی تھیں اور پھر مجھے کرن سے اس لیے بھی کوئی دلچسپی اور محبت لگ رہی تھی اس کی محبت میری جیب اور ملازمت سے مشروط رہی تھی۔ میں یہ جانتا تھا کہ

جھرنا کو میرا کوئی انتظار نہ ہوگا۔ اس نے شاید کسی سے شادی کر کے گھر بسا لیا ہو۔ اتنا عرصہ بیت گیا شاید مجھے بھول گئی ہو۔

میں نے دھڑکتے دل اور شیریں سپنے کا تصور لیے حجلہ عروسی میں قدم رکھا تو اوشا لمبا سا رنگین گھونگھٹ نکالے، بنگال کے روایتی انداز سے میرے انتظار میں اپنی صراحی دار گردن جھکائے کھڑی ہوئی تھی۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو وہ ایک دم ہی اس شاخ کی طرح مہکی جو پھلوں کے بوجھ سے لدی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر وہ میرے پیروں پر آ گری۔ میں یہی سمجھا کہ وہ میرے پیروں کو چھو رہی ہے میں اسے شانے سمیت اٹھانے کے لیے جھکا تو وہ یک لخت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میں نے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور پھر اس کے چہرے پر سے گھونگھٹ الٹ دیا۔ اس کی آنکھوں پر پلکوں کی چلمن پڑی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور پلکیں اور ہونٹ تھرتھرا رہے تھے۔ میرے ہونٹوں نے اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے صاف شفاف موتیوں کو جذب کر لیا۔ پھر چند لمحوں تک اس کے تھرتھراہٹ ہونٹ میرے ہونٹوں سے پیوست رہے۔

''اوشا!'' میں نے بڑے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا بات ہے جان تمنا! تم رو رہی ہو؟ کیا مجھ سے شادی کر کے پچھتاوا ہو رہا ہے؟''

اوشا نے اپنی تھرتھراتی پلکیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ ''نہیں...... تمہیں پا کر جتنی خوشی ہو رہی ہے تم سوچ بھی نہیں سکتے......''

''پھر یہ قیمتی موتی کیسے؟'' میں نے کہا کیا ملن کی یہ رات آنسو بہانے کے لیے ہے؟ کیا یہ خوشی اور محبت کی رات نہیں ہے؟''

''مجھے اپنے وہ لوگ یاد آ گئے جن سے میرا رشتہ ناتا ہے۔ کوئی بھی میری ان خوشیوں میں شریک نہیں ہے۔''

جب اوشا کسی قدر نارمل ہوئی تو غم کی گھٹائیں چھٹ گئیں۔ رات کا تیزی سے

گزرتا ہوا یہ حصہ گلے شکوے اور باتوں میں ضائع کرنے کے لیے نہیں تھا۔ یہ رات تو ایک ذات کو دوسری ذات کا جزو بنانے کیلئے تھی۔ ارمانوں اور خواہشوں کی رات تھی۔ ایک رنگین سپنا ایک کمرے میں بکھرا ہوا تھا۔ سہاگ کی، ملن کی اور ایک دوسرے میں کھو جانے کی رات تھی۔ میں اس ایک رات میں اتنا کچھ سمیٹنا چاہتا تھا کہ دل میں کوئی حسرت باقی نہ رہے اور پھر میں نے اس میں اتنی محبت، گرم جوشی اور خود سپردگی محسوس کی کہ کرن میں بھی نہیں تھی۔ وہ اپنا سب کچھ تج دینا چاہتی تھی۔ وہ ایک آندھی اور طوفان بن گئی۔ وہ ایک ایسے آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑی، جس میں لاوا نجانے کتنی صدیوں سے پک رہا تھا۔ وہ محبت کی بھوکی تھی۔ مجھے بھی ایسی ہی محبت کی ضرورت تھی۔ اس کے والہانہ پن اور وارفتگی نے مجھے جیسے بن مول خرید لیا تھا اور پھر صبح ہونے تک ہم دونوں محبت کے ایک ایسے بندھن میں بندھ گئے تھے کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتی تھی۔ ایک ایسی سرشاری ملی جو میں نے کبھی نہیں پائی تھی۔

لیکن میں نے ایک بات محسوس کی۔ شاید وہ میرا واہمہ ہوا۔ اس رات کوئی دو تین مرتبہ میں نے اپنی بانہوں میں آغوش میں جھرنا کو محسوس کیا۔ اوشا کی جگہ جیسے جھرنا نے لے لی ہو۔ حالاں کہ اس وقت میں نے جھرنا کو یاد نہیں کیا اور نہ ہی وہ میرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ اس وقت صرف اوشا تھی۔ ملگجی اندھیرا تھا۔ میں نے جب بھی حیلے بہانے سے روشنی کر کے دیکھا تو جھرنا نہیں اوشا ہی تھی۔ یہ اسرار میری سمجھ میں نہیں آیا۔

☆......☆......☆

اگلے ہی روز ہم دونوں رنگامائی کے پرفضا مقام پر ہنی مون منانے پہنچ گئے۔ رنگامائی بہت ہی خوبصورت پہاڑی علاقہ تھا۔ قدرت کے حسین اور رنگین اور دل میں اتر جانے والے نظاروں سے بھرا ہوا تھا۔ ہنی مون منانے کے لیے اس سے اچھا مقام کوئی نہیں تھا۔ جب ایک حسین اور بھرپور جوان عورت کا قرب ہو تو وہ جگہ کیسی ہی کیوں نہ ہو بہت ہی حسین ہو جاتی ہے۔ ایک عورت کی طرح......

عالم بے خودی میں ایسا محسوس کرتا کہ بستر پر اوشا نہیں جھرنا موجود ہے۔ اوشا جیسے جھرنا بن گئی۔ تب جھرنا کی یاد تازہ ہو جاتی اور وہ مجھے بہت یاد آتی۔ جب میں بے خودی کی کیفیت سے نکل کر آتا تو یہ دیکھتا کہ وہ جھرنا نہیں اوشا ہے۔

ایسا متعدد بار ہوا تھا اس لیے میں اوشا کو جھرنا سمجھ جاتا اور جھرنا جھرنا کہہ کر مخاطب کرتا۔ اوشا کی میرے جواب سے تسلی ہو گئی تھی۔

دوسری طرف نہ جانے کیوں کرن کا بجھا بجھا سا چہرہ میری نظروں میں ابھر آتا تھا۔ میں نے اسے بھلا دینے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اور تقریباً اسے اس لیے ہی بھلا دیا تھا کہ اس کی نفرت اور ہتک آمیز رویہ یاد آ جاتا تھا' لیکن کبھی کبھی اس کا خیال افسردہ سا کر دیتا تھا۔

ایک ماہ کا عرصہ پلک جھپکتے گزر گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اوشا سین کا معمہ حل نہیں ہو سکا۔ وہ میری پتنی بن کر بھی میرے لیے پراسرار ہی بنی رہی۔ میں نے اسے کتنی بار ٹٹولا اور پوچھا کہ...... وہ کون ہے اور اس کا تعلق کس خاندان سے ہے؟ مگر ہر بار اس نے میرے سوالوں کو بڑی خوبصورت سے ہنس کر ٹال دیا۔ جب میں شدید اصرار کرتا تو وہ کہتی۔

''تم یہ سب کچھ جان کر کیا کرو گے......؟ کیا تمہارے لیے یہ خوشی کی بات نہیں ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں اور سدا چاہتے رہیں گے...... تم میری دولت ہو اور میں نے تمہیں اپنی آتما کا ہی نہیں جسم کا مالک بھی بنا لیا ہے۔ اب میں تمہاری صرف تمہاری ملکیت ہوں۔''

میں اس کی بات سن کر چپ ہو جاتا لیکن میرا دل نہیں مانتا۔ اس ایک ماہ کے عرصے میں ایسی کوئی بات اور واقعہ پیش نہیں آیا جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ کوئی مافیا یا پڑوسی ملک کی ایجنٹ ہو۔ وہ مجھے اپنی آلہ کار بنا کر کوئی کام لینے والی ہو۔ کسی مشن پر شاید بھیج دے۔

میں نے اسے اکثر تنہائی میں کسی گہری سوچ میں غرق' متفکر اور پریشان سا پایا تھا اور پھر وہ کبھی کبھی اس قدر افسردہ اور ملول سی ہو جاتی تھی کہ کسی کونے کھدرے م پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ دو ایک مرتبہ ایسے موقعے پر میں پہنچا۔ میرے لاکھ پوچھنے پر بھی وہ جواب نہ دیتی تو میں الجھ سا جاتا۔ جانے کیوں میرے دل میں یہ کھٹک سی ہوتی تھی کہ وہ مجھ ے کوئی خاص بات چھپا رہی ہے۔ ایک آدھ بار میرے ذہن میں یہ خیال سا آیا کہ کہیں رہ کسی اور مرد سے محبت تو نہیں کرتی......؟ لیکن اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ مجھ سے شادی کس لیے کرتی؟ ایک حسین اور دولت مند عورت کے راستے میں سماج کبھی دیوار نہیں بنتا نہ ن سکتا تھا۔ وہ اس مرد سے شادی کر کے گھر بسا سکتی تھی۔ کئی دنوں تک مجھے یہی شبہ رہا کہ وہ ھ سے شادی کر کے اپنے محبوب سے انتقام لے رہی ہے لیکن جب اوشا اپنی محبت کا شدت ے اور خود سپردگی سے اظہار کرتی تو میرا یہ شبہ دور ہو جاتا اور میں سوچتا کہ کوئی اور ہی بات ہے۔ آج نہیں تو کل اس کا علم ہو جائے گا۔

اس نے مجھ سے ٹوٹ کر محبت کی تھی۔ وہ ہر طرح سے میرے آرام کا خیال رکھتی ی۔ شامو کی موجودگی کے باوجود اپنے ہاتھوں سے میرے کپڑے دھوتی' ان پر استری رتی۔ اپنے ہاتھوں سے مجھے اپنی اور میری پسند کی ڈشیں پکا کر کھلاتی۔ جب کبھی وہ کسی ام چٹاگانگ جاتی تو میرے لیے جانے کیا کیا خرید کر لے آتی...... جب میں اسے فضول بچی پر ٹوکتا تو وہ برا ماننے کی بجائے ہنس کر کہتی۔

''میں تمہیں ہر وقت خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم خوش رہا کرو۔ غیریت نہیں برتا رو۔ تم اور میں جدا جدا نہیں ہیں۔''

شامو بھی ایک سنگ دل اور چٹان کی طرح تھا۔ میں نے اوشا کے بارے میں نے کے لیے سر پھوڑ لیا تھا لیکن اس نے اوشا کے بارے میں ایک لفظ بھی اگلنا گوارا نہیں ا۔ کبھی کبھی میں اس کی خاموشی پر بری طرح جھنجلا جاتا۔ میرا جی کرتا کہ اس کا گلا گھونٹ ں یا پھر اپنا ہی گریبان چاک کر کے پاگلوں کی طرح ویرانے کی طرف نکل جاؤں۔ میری

سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ شامو کیوں اس قدر رازداں بنا ہوا ہے۔

کوئی ایک ماہ کے بعد اوشا نے میرے ہاتھ پر دس ہزار کی رقم رکھی۔

''یہ رقم کس بات کی ہے......؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا تمہارے لیے کوئی چیز خرید کر لانا ہے؟''

''یہ تمہاری پہلی تنخواہ ہے۔'' وہ دل کش انداز سے مسکرائی۔ ''یہ میں اپنے پرا معاہدے کی رو سے تمہیں دے رہی ہوں۔''

''تو گویا میں تمہارا زرخرید شوہر ہوں؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں ا جواب دیا۔ ''اس لیے تم مجھے یہ رقم دے رہی ہو؟''

''میں نے تمہیں زر سے نہیں محبت سے خریدا ہے...... تم میرے پتی دیو ہوا میں تمہاری داسی ہوں۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''لیکن تم یہ بول رہی ہو کہ میں پہلے ہی تمہارا ہزاروں کا مقروض ہوں۔ میں وہ قرض ابھی نہیں اتارا ہے۔'' میں نے تلخی سے کہا۔

''تم میرے نہیں بلکہ میں تمہاری مقروض ہوں۔ میں نے تم سے محبت کا قرض ہے۔'' اوشا نے میرے گلے میں اپنی مرمریں بانہیں حمائل کر دیں۔

''اوشا...... پلیز...... مجھے تم شرمندہ نہ کرو۔ میں نے تم سے محبت کی ہے اور ا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں قرض ادا نہ کروں۔''

اوشا مضطرب اور بے چین سی ہو گئی۔ ''تم میرا مطلب نہیں سمجھے...... میرا یہ مق نہیں ہے۔ آخر تمہیں جیب خرچ بھی چاہیے نا؟''

''میں تمہاری محبت میں کھو کر سب کچھ فراموش کر بیٹھا...... میں یہ بھول گیا مجھے سنسار چلانا ہے۔ لہٰذا اب معاملہ دوسرا ہے۔ ہم نے محبت کا سودا نہیں کیا...... جسم کا نہیں کیا...... یہ ہماری آتماؤں کا ملاپ ہے۔ ہم ایک مضبوط ازدواجی بندھن میں جکڑ ہیں۔ اب تم میری داسی نہیں میری پتنی ہو...... میرا فرض بنتا ہے کہ اپنے بازوؤں سے ک

کھلاؤں جیسا کہ تم شاید چاہتی بھی ہو۔''

اوشا کی سانسیں الجھنے لگیں۔ ''سنو میرے پتی ورتا!...... تم اس دیش کے حالات سے واقف ہو۔ یہ دیش کس قدر نازک حالات سے گزر رہا ہے۔ روز بہ روز بے روزگاری بڑھتی جا رہی ہے۔ مہنگائی میں الگ اضافہ ہو رہا ہے۔ آئے دن کتنی ہی فرمیں دیوالیہ ہو رہی ہیں۔ ٹھنڈے دل سے سوچو ذرا کہ ان حالات میں تمہیں ملازمت کہاں اور کیسے مل سکتی ہے۔ تمہیں بیکاری کا تلخ تجربہ بھی تو ہے۔''

''میں کوشش کروں کہ مجھے کوئی سی بھی نوکری مل جائے۔ ایک ایسی نوکری جس سے یہ چھوٹا سا سنسار چل سکے۔'' میں نے کہا۔

''اگر تمہیں میری نوکری ناگوار ہو تو ایک مشورہ دوں؟'' اوشا نے پلکیں جھپکائیں۔ ''اس میں تمہاری بہتری ہے۔''

''میں تم سے کوئی مالی امداد قبول نہیں کروں گا۔'' میں نے کہا۔ ''تم مجھے کیا مشورہ دینا چاہتی ہو؟''

''تم ایسا کرو کہ یہاں ایک درمیانہ درجے کا ہوٹل خرید لو اور اس میں ایک جنرل اسٹور بھی کھول لینا۔'' اوشا نے کہا۔

''تم ہوٹل خریدنے کی بات کر رہی ہو جب کہ میں ایک سائیکل تک خرید نہیں سکتا ہوں۔'' میں نے تلخی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''یہاں جو لکڑی سے بنے ہوئے ہوٹل ہیں وہ ارزاں قیمت پر مل جاتے ہیں۔ اس کے لیے زیادہ سرمائے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ تم سرمائے کی فکر نہ کرو' اس کے لیے پریشان نہ ہو...... میں تمہیں سرمایہ فراہم کروں گی۔'' وہ مجھے محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

''تاکہ زندگی بھر کے لیے میں تمہارا محتاج ہو کر رہ جاؤں......؟'' میری آواز اُڑنے لگی۔ ''نہیں اوشا! مجھے ملازمت تلاش کرنے دو۔''

"تم اس انداز سے کیوں سوچ رہے ہو......؟ کیا میں تمہاری پتنی اور دکھ درد کی ساتھی نہیں ہوں؟" اوشا شکایتی لہجے میں بولی۔

"اس طرح تو نہ صرف میری انا مجروح ہوگی بلکہ میں ساری زندگی کے لیے ناکارہ اور نکما پتی ہوکر رہ جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"پھر تم ایسا کرو کہ مجھ سے قرض لے لو......" اوشا کی آواز بھرا سی گئی۔ میری بات سے اس کے دل کو گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ "تمہیں مجھ سے قرض لینے میں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے......تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کر دینا۔ اس طرح تمہاری انا اور خودداری بھی مجروح نہیں ہوگی۔"

میں نے تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد بادل نخواستہ ہامی بھرلی۔ اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ملازمت کے مقابلے میں یہ بزنس بہتر تھا۔

دوسرے دن ہی گھاٹ کے پاس واقع وہ ہوٹل خرید لیا گیا جس پر کئی دنوں سے "برائے فروخت" کی تختی لگی ہوئی تھی۔ گو وہ ہوٹل بہت ہی سستا ملا تھا لیکن مرمت طلب تھا۔ اس کی مرمت اور درستگی میں ایک ہفتہ لگ گیا اور اس کے رنگ و روغن پر خاص رقم خرچ ہوگئی۔ اس کے علاوہ نیا فرنیچر بھی خریدنا پڑا۔ اس میں جو فرنیچر تھا وہ استعمال کے کی قابل نہ تھا۔ اس کام سے فراغت پانے کے بعد میں نے شامو کی مدد سے جنرل اسٹور کے سامان کی ایک فہرست بنائی اور اس کی خریداری کے لیے شامو کو ہمراہ لے کر چٹاگانگ چلا گیا۔

میں اور شامو سامان کی خریداری کر کے دوسرے دن ہی واپس پہنچ سکے۔ اوشا کو بہت خوش دیکھا تو میں یہ سمجھا کہ وہ اس لیے خوش ہورہی ہے کہ میں ہوٹل اور جنرل اسٹو کھولنے والا ہوں۔ لیکن یہ میری خوش فہمی تھی۔ میں نے ایسی بے پناہ خوشی اور سرشاری کی کیفیت اس پر اس عرصے میں کبھی طاری ہوتے ہوئے نہیں دیکھی تھی۔ اس کا چہرہ دمک دمک کر گلابی ہوا جا رہا تھا۔ جب میں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بڑی خوب صورا

ے جواب دیا تھا۔ اس کی پشت پر کوئی اور بات تھی جو وہ مجھ سے چھپا رہی تھی۔ کسی وجہ سے انا نہیں چاہتی تھی۔

میرے دل کے کسی کونے میں شک کا زہریلا سانپ کنڈل مار کر بیٹھ گیا۔ میں ے دو ایک مرتبہ شامو کے ساتھ پراسرار انداز میں سرگوشی کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ جیسے ا اسے کچھ ہدایات دے رہی ہو۔ پھر وہ کسی کام سے شامو کو چٹاگانگ بھی بھیج دیتی تو وہ ح جا کر شام لوٹ آتا تھا۔ میں نے اس سے کئی بار کہا تھا کہ وہ گھریلو کام کاج کے لیے وئی ملازمہ کیوں نہیں رکھ لیتی۔ رنگامائی میں چکمہ اور لگ قبیلے کی قومیں بستی تھیں۔ عورتوں رلڑکیوں کی بہتات تھی۔ اس کے علاوہ بنگالی لڑکیاں بھی مل جاتی تھیں' لیکن اوشا نے یہ لہ کر نہیں رکھا کہ وہ چور اچکی ہوتی ہیں۔ ان کا کام بھی ٹھیک نہیں ہوتا اور ان میں نفاست م کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ میری غیر موجودگی میں نجانے ایسی کیا بات ہوگئی تھی اس کے تیور رانداز بھی بدل کر رہ گئے تھے۔

گو کہ اوشا نے میرے دل میں ایک نامعلوم شبہے کو جنم دے دیا جس سے وسوں اور اندیشوں کے زہریلے ناگوں نے میرے دل و دماغ کو ڈس لیا تھا لیکن میں نے پنے بشرے سے اس پر اپنے اندرونی اضطراب اور دلی کیفیت کو ظاہر ہونے نہیں دیا۔ رے سینے میں خلش پھانس کی طرح گڑ گئی تھی۔ میں نے اسے سینے سے نکالنے کی بہت وشش کی لیکن میں ناکام رہا۔ وہ اور اندر گڑتی چلی گئی۔

رات کھانے کی میز پر بھی وہ پورے موڈ میں تھی اور بات بات پر لطیفے سنا رہی ی۔ اسے لطیفے بہت یاد تھے۔ کبھی میں نے اسے اس قدر موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔ میں نے ل کے قہقہوں میں پوری طرح ساتھ تو دیا تھا لیکن میرے قہقہے اور ہنسی بڑی کھوکھلی' بے بان اور ویران اور اس انداز کی تھی جسے وہ محسوس نہ کر سکی۔ میرا دل اندر سے بجھا ہوا اور لک کے سانپ نے اسے جکڑ رکھا تھا تو میں کیسے دل کھول کر ہنس سکتا تھا۔ میں نے دل ے اس کے پکائے ہوئے کھانوں کی بھی تعریف کی تو اس کی خوشی جیسے دوچند ہوگئی تھی۔

ہم دونوں نے چاندنی رات کا لطف اٹھانے کے لیے بڑی دیر تک بوٹنگ بھی کی تھی۔ ہم دونوں ایک ایسے اونچے ٹیلے پر چڑھ گئے تھے جہاں سے چاندنی کا نظارہ بہت اچھی طرح کیا جاسکتا تھا۔ میرے دل میں ایک شک یہ پیدا ہوا تھا کہ اس کا روٹھا ہوا محبوب شاید اس کی تلاش میں یہاں آیا ہوگا۔ وہ شاید ملک سے باہر چلا گیا تھا۔ اس لیے اس نے مایوس اور دلبرداشتہ ہوکر مجھ سے شادی کرلی۔ میری غیرموجودگی میں ان دونوں نے فائدہ اٹھایا ہوگا جس کے باعث اوشا سرشار ہوئی جارہی ہے۔ میں نے اپنا شک دور کرنے کے لیے اسے بازوؤں میں بھرلیا۔ اس نے بڑی گرمجوشی اور خودسپردگی سے میری محبت کا جواب دیا۔ رات کمرے میں ہم دونوں نے جاگ کرگزاری۔ وہ دن بھر کی تھکی ماندی تھی۔ پھر بھی اس نے کسی بات سے انکار نہیں کیا اور نہ ہی اس کے والہانہ پن اور وارفتگی میں کوئی کمی آئی۔

اگر وہ اپنے محبوب کے ساتھ غلاظت کے دلدل میں گری ہوئی ہوتی تو وہ مجھے قریب آنے بھی نہیں دیتی اور حیلے بہانے کردیتی۔

گوکہ ایک طرح سے یہ بات صاف ہوچکی تھی کہ کوئی اس کا محبوب نہیں ہے اور اس نے میری غیرموجودگی میں نہ اپنا وجود میلا کیا اور نہ ہی بستر...... تاہم میں نے دل میں تہیہ کرلیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہوجائے میں ہر قیمت پر اس کی اس بے پایاں خوشی کا راز معلوم کرکے رہوں گا۔ میں اب ہر قیمت پر پراسرار اوشا سین کی شخصیت کا معما حل کرکے اس کا اصل چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر نجانے کتنے چہرے سجا رکھے تھے۔ آخر وہ ہے کون......؟ اس کا تعلق کس خاندان اور کس مافیا سے ہے۔ اس نے اس قدر حسین اور امیر کبیر ہوتے ہوئے مجھ جیسے ایک اجنبی شخص سے شادی کیوں اور کس لیے کی ہے؟

دوسرے دن مجھے موقع نہیں ملا کیوں کہ ہوٹل کی صفائی کروانا اور دکان میں سامان رکھنا تھا۔ حسب معمول ہم رات گئے تک جاگتے رہے۔ اوشا مجھ پر اس قدر مہربان' وارفتہ اور فیاض عورت بن کر ٹوٹ پڑی تھی کہ شادی کی پہلی رات جیسا طوفان آگیا تھا۔

طوفان کی اس شدت نے میرا دل صاف کردیا تھا۔ اس ایک ڈیڑھ ماہ کے دوران شاید ہی کوئی ایسی رات گزری ہو کہ ہم دونوں جذبات کی موجوں پر بہتے ہوئے دور تک نکل نہ گئے ہوں۔ وہ روز ہی بدلی بن کر مجھ پر برستی اور میں خوب خوب سیر ہوتا اور میں اپنی قسمت پر رشک کرتا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میں دنیا کا سب سے خوش قسمت ترین شخص ہوں۔

صبح جب میں بیدار ہوا تو میں تھکن سے چور اور نڈھال تھا اور میرا سارا بدن اور جوڑ جوڑ ٹوٹ رہا تھا اور پلکیں بھاری ہوئی جارہی تھیں۔ میرے دل و دماغ پر پرانی شراب کا سا خمار چھایا ہوا تھا اور ایسی غنودگی طاری تھی کہ بستر چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کبھی میری ایسی مدہوشی کی کیفیت نہیں ہوئی تھی' تاہم جب میں نے پورے کمرے میں دھوپ پھیلی ہوئی دیکھی تو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ پھر میں نے اپنے سر کو دوتین بار جھٹکا۔ پھر میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا تو اچھل پڑا۔ اس میں ایک بج رہا تھا۔ آج خلاف توقع نہ جانے کیا بات ہوگئی تھی کہ میں اتنی دیر تک نیند کی آغوش میں مدہوش سا رہا۔ حالاں کہ اس سے پہلے صبح نو دس بجے اٹھ جایا کرتا تھا۔ ہم دونوں روزانہ ہی رات کے آخری پہر سو پاتے تھے مگر کبھی نو بجے کے بعد بیدار نہیں ہوتے تھے۔ اس سے پہلے ہی جاگ جاتے تھے۔ میں گہری نیند سو بھی رہا ہوتا تو اوشا کے لب مجھے جگا دیتے تھے لیکن آج دن کے ایک بجے تک نیند نے مجھے اپنی آغوش میں سمیٹ رکھا ہوا تھا اور اوشا نے مجھے جگایا بھی نہیں تھا جو میرے لیے تعجب کی بات تھی۔

میں نے تکیہ پر گردن گھما کر اوشا کی طرف دیکھا وہ بستر پر موجود نہیں تھی۔

اس میں حیرت کی بات نہ تھی۔ میں سمجھا کہ وہ نہا رہی ہوگی۔ پہلے تو خیال آیا کہ میں واش روم کا دروازہ کھول کر دیکھ لوں۔ چوں کہ مجھ پر ایک نشہ سا چھایا ہوا تھا' اس لیے بستر سے نہیں نکلا۔ میں نے کتنے ہی لمحوں تک اپنے کان واش روم کی طرف لگائے رکھے لیکن اس میں سے پانی گرنے کا شور سنائی نہیں دیا۔ میں نے برآمدے کی طرف نظر ڈالی کیوں کہ اوشا نہانے کے بعد برآمدے میں کھڑی ہوکر اپنے بال خشک کیا کرتی تھی مگر آج

برآمدہ بھی سنسان پڑا ہوا تھا۔ پھر میں نے دیوار میں نصب اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا تاکہ شامو کو بلا کر اس سے اوشا کے بارے میں دریافت کروں۔ پانچ منٹ...... دس منٹ...... اور پھر پندرہ منٹ گزر گئے لیکن شامو نہیں آیا...... میرا ماتھا ٹھنکا تو میں ہڑبڑا کر بستر سے نکل آیا۔ میرا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ تھکن اور نڈھال پن بھی یک لخت ختم ہو گیا۔

دو ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا تھا کہ اوشا نے بہت ہی سویرے کسی کام سے شامو کو چٹاگانگ بھیج دیا اور نہانے اور تیرنے کے لیے عقبی حصے میں آ گئی۔ اس کے عقبی حصے میں جو ایک بہت اونچا ٹیلا تھا جس میں ایک ہوٹل تھا' وہ مقفل تھا۔ لہٰذا یہاں آسانی سے اور نہایت آزادی سکون اور اطمینان سے نہایا جا سکتا تھا۔ ادھر سے کوئی موٹر بوٹ نہیں گزرتی تھی کیوں یہ راستہ نہیں تھا۔ وہ یہاں آ کر آزادی کے جھولے میں بڑی دیر تک تیرتی اور نہاتی رہتی۔ میں بھی اس موقعے سے فائدہ اٹھاتا۔ ہم دونوں نہاتے اور تیرتے رہتے۔ میں نے یہاں آ کر دیکھا کنارے نہ تو اس کے کپڑے تھے اور نہ ہی پانیوں میں وہ تیرتی اور نہاتی ہوئی دکھائی دی۔

پھر میں نے حیرت اور سراسیمگی کے عالم میں بنگلے کا کونا کونا چھان مارا۔ میرا یہ خیال تھا کہ کیوں کہ وہ دو دن سے بہت خوش تھی اور اس پر ایک عجیب سی سرشاری طاری تھی' شاید وہ میرے ساتھ کوئی شرارت نہ کر رہی ہو اور مجھے تنگ کر کے لطف اٹھا کر محظوظ ہو رہی ہو گی۔ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ اوشا اور شامو گدھے کے سر کے سینگ کی طرف غائب تھے۔ میں بھونچکا سا ہو گیا۔ کتنی ہی دیر تک سناٹے کی حالت میں کھڑا رہا۔ یہ دونوں آخر گئے کہاں...... معاً مجھے اوشا کے کپڑے اور سوٹ کیس کا خیال آیا۔ میں سنسناتے ہوئے تیر کے مانند اپنے کمرے میں پہنچا۔ اور پھر الماری کھولی تو اس میں اوشا کے کپڑے کی ایک دھجی تک بھی موجود نہ تھی' البتہ ہزار اور پانچ سو اور سو سو ٹاکا کے نوٹوں کی گڈیاں میز پر پڑی ہوئی تھیں۔ پھر مجھے ایک اور خیال آیا تو میں نے کمرے کی کھڑکی کے پاس جا کر باہر جھانکا۔ ڈاک پروف ایک موٹر بوٹ تھی۔ دوسری موٹر بوٹ نہیں تھی۔ اس موٹر بوٹ سے شامو اور

اوشا چلے گئے تھے۔

میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میرا سر چکرایا تو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ پھر میں کٹے ہوئے شہتیر کے مانند اپنے بستر پر آ گرا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ کیا معاملہ ہے؟ یہ کون سا کھیل ہے جو میرے ساتھ پراسرار انداز سے کھیلا گیا۔ کیوں اور کس لیے......؟ میں جتنا سوچتا گیا اتنا ہی الجھتا بھی گیا۔ پھر میں یک بارگی اپنی پوری قوت سے ہذیانی لہجے میں چیخا۔

''اوشا...... اوشا......! شامو......! شامو......!'' میری آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔

اوشا کی بے پایاں مسرتوں کا سربستہ راز مجھ پر کھل گیا تھا۔ میرا قیاس درست ثابت ہوا تھا۔ کل شاید اس کا روٹھا ہوا محبوب اسے تلاش کرتا ہوا یہاں تک آ پہنچا تھا۔ میں نے اکثر یہ بات محسوس کی تھی کہ اوشا جب بھی کسی کام سے چٹاگانگ شہر جاتی تھی تو کچھ اداس اداس سی نظر آتی تھی مگر جب وہ لوٹ کر آتی تو بہت مسرور سی دکھائی دیتی تھی۔ میں تو یہ سمجھتا اور اپنے دل کو فریب دیتا رہا تھا کہ وہ میری عارضی جدائی کی وجہ سے اداس ہو جاتی ہے اور جب وہ شام واپس آتی ہے تو ملاپ کا احساس اسے خوش و خرم کر دیتا ہے...... لیکن آج سب کچھ عیاں ہو گیا تھا۔ وہ اپنے محبوب کے ساتھ فرار ہو گئی تھی اور میں کف افسوس ملتا رہ گیا تھا۔

اس منصوبے کے تحت اس نے مجھے خوب صورتی اور چالاکی سے بے وقوف بنایا تھا۔ وہ ساری رات مجھ پر ضرورت سے زیادہ مہربان رہی تھی۔ اس نے ایسی فیاضی کا مظاہرہ کیا تھا کہ ایک گھریلو عورت سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ سونے سے قبل وہ مجھے دودھ یا چائے بنا کر پلاتی تھی۔ وہ باورچی خانے سے دودھ بنا کر لائی اور اس میں بے ہوشی کی دوا ملا کر پلا دیا تھا۔ اس لیے میں دیر تک سوتا رہا تھا۔

میرا ذہن مفلوج ہو گیا تھا مجھے کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا۔ اگر اس کے دل میں

کوئی اور بسا ہوا تھا تو اسے اتنی دور جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس نے مجھے تماشا کیوں بنایا؟ مجھ سے شادی کر کے اس پر فضا مقام پر رہ کر زندگی بسر کرنے کا منصوبہ کیوں اور کر لیے بنایا؟ میں نے اس کے لیے اسے مجبور نہیں کیا تھا اور نہ میری یہ ہمت تھی کہ میں اسے ایسا کوئی مشورہ دوں۔

اوشا کی پراسرار اور عجیب و غریب شخصیت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں اس کے متعلق جتنا سوچتا اتنا ہی الجھتا جا رہا تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی کسی عورت کے بارے میں تو سنا تھا اور نہ پڑھا تھا۔ وہ بڑی گہری عورت ثابت ہوئی تھی۔

میں نے پہلے ہزار ہزار کے نوٹوں کی گڈی اٹھا کر دیکھی۔ وہ بیس عدد نوٹ تھے۔ پھر پانچ پانچ سو کے نوٹوں کی گڈی دیکھی اس میں چالیس نوٹ تھے۔ سوسو کے ج نوٹ تھے وہ دو ہزار کی رقم تھی۔ وہ پچاس ہزار کی رقم چھوڑ گئی تھی۔ اس پچاس ہزار کی رقم جواز میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ وہ کس لیے چھوڑ گئی ہے۔ بڑی دیر تک سوچ بچار کے بع میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ایک طرح سے مجھے رشوت اور لالچ دے گئی ہے کہ میں اس تعاقب نہ کروں اس کا خیال چھوڑ دوں...... اسے دل کے ہر گوشے سے نکال پھینکوں۔ و چاند اور آسمان کے تاروں کی طرح میری دسترس سے باہر ہو چکی تھی۔ اسے تلاش کر سے کچھ حاصل نہ تھا۔ اب وہ مجھے کبھی مل نہیں سکتی تھی۔ کیوں کہ اب اسے اس کی منزل چکی تھی۔ اس کی اصل منزل تم نہیں کوئی اور تھا۔

میرے دل پر ایک ایک کر کے جانے کتنے چرکے لگتے رہے تھے۔ میرے سارے جسم میں وحشت اور غصے سے جھنجلاہٹ ہونے لگی۔ نس نس میں لہو ابل رہا تھا۔ میں اس لمحے اس قدر شدید طور پر جذباتی ہو گیا تھا کہ کسی نتیجے اور فیصلہ پر پہنچ نہیں پا رہا تھا۔ ایک شدید اذیت تھی جس نے مجھے اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ میرا وجود ریزہ ریزہ ہو رہا تھا۔

میں نے اپنے دل کے نہاں خانوں کی اتھاہ گہرائیوں میں جھانک کر دیکھا تو اس

کے ہر گوشے میں اوشا کے نقش ثبت نظر آئے۔ اس لمحے اس کے بغیر مجھے اپنی زندگی ادھوری اور نامکمل سی محسوس ہونے لگی کیوں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی ذات کا جزو بن گئے تھے اور اس کے علاوہ میں نے کبھی کبھی راتوں میں اس میں جھرنا کا حسین عکس پایا تھا۔

اب مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ...... میں اس کے بغیر اس کڑی دھوپ میں اپنی زندگی جاری نہیں رکھ سکوں گا۔ آخر وہ میری پتنی تھی۔ جائز پتنی...... اس نے کورٹ میں سول میرج کی تھی۔ اس کے پاس قانونی کاغذات بھی موجود تھے جو میں نے کسی وجہ سے اس سے نہیں لیے تھے۔ میں ان کاغذات کو رکھ کر کرتا بھی کیا۔ کیوں کہ وہ میری اپنی ملکیت تھی۔ دنیا کی کسی طاقت کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ میری آتما کو مجھ سے جدا کر دے۔ مجھ سے چھین لے۔ میرے وجود پر دہکتا ہوا انگارہ رکھ دے۔

اوشا کی جدائی اور اس کے ہرجائی پن کا یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنی محبت اور گرم جوشی سے چاہنے والی عورت مجھے فریب دے جائے اور میری آنکھوں میں دھول جھونک دے۔ نہ جانے وہ کون لٹیرا تھا جو میری خوشیوں کو بے رحمی سے روند کر اور پامال کر کے چلا گیا...... لیکن اس نے ایک لاکھ کی رقم جنرل اسٹور کے سامان اور ایک لاکھ کی رقم ہوٹل کی کراکری کے لیے بھی دی تھی۔ گو کہ یہ قرض تھا۔ میرے پاس اس میں سے تیس ہزار کی رقم بچ گئی تھی۔ اس رقم سے نہ تو میرا غم کم ہوا اور نہ ہی مجھے کوئی خوشی ہوئی۔

میں بہت دیر تک سوچوں کے گرداب میں پھنسا اس حسین بلا کے بارے میں سوچتا رہا۔ صرف سوچنے سے تو میں اپنی کھوئی ہوئی منزل نہیں پا سکتا تھا۔ مجھے خود چل کر اپنی منزل تلاش کرنا تھی۔ اس کے بغیر تو میں اوشا کو کیا اپنے آپ کو بھی پا نہیں سکتا تھا اور پھر اوشا جیسی حسین بلا کو پانا چنداں مشکل نہیں تھا۔ اس کا حلیہ بتانے سے کوئی بھی جس نے ایک بار اس کی صورت دیکھی ہو وہ اس کے بارے میں بتا سکتا تھا کیوں کہ وہ تھی بھی تو ایسی حسین کہ اسے جو ایک بار دیکھ لے ایک لمبے عرصے تک نہ بھولے۔

معاً مجھے اوشا کی ایک بات یاد آئی۔ وہ اکثر شرارت آمیز لہجے میں شوخی سے

کہتے ہوئے میری آنکھوں میں جھانکتی۔

"تم مجھ سے اتنی گرم جوشی اور محبت جتاتے ہو...... سچ سچ بتاؤ میں تمہارا امتحان محبت لوں تو کیا تم اس آزمائش میں پورا اتر سکو گے؟"

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ میری محبت کا امتحان لے رہی ہو......؟ یا وہ مجھے دہکتی ہوئی آزمائش کی بھٹی میں جھونک کر چلی گئی تھی۔

میں نے ایک بھروسے کے ملازم کو ہوٹل کی ذمے داریاں سونپ دیں۔ اس ہوٹل کے کچھ پرانے ملازمین نے مجھ سے رابطہ کیا تو میں نے انہیں رکھ لیا تھا۔ وہ نہ صرف تجربہ کار تھے بلکہ دیانت دار اور محنتی بھی تھے۔ اوشا اور شامو کے خیال میں ان سے بہتر ملازم نہیں مل سکتے تھے۔ میں اوشا سین کی تلاش میں چٹا گانگ پہنچا۔ پہاڑتلی کا بنگلہ جو شامو نے کرائے پر لیا تھا۔ اس سے اوشا کے بارے میں معلوم کیا تو اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر میں پدما لانچ کے مالک سے ملا۔ اس نے بتایا کہ اسے اوشا کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ شامو نامی جس شخص نے تین دن کے بعد لانچ کرائے پر لی اسے اس کے متعلق بھی کچھ زیادہ معلوم نہیں ہے۔ پھر میں نے چٹا گانگ شہر کا چپا چپا چھان مارا مگر اس کا کوئی سراغ کہیں نہیں ملا۔ پھر ڈھاکہ اور کھلنا شہر میں جا کر اسے تلاش کیا۔ اس کا نہ ملنا تھا نہ ملی۔ پھر میں دو ماہ بعد رنگامائی واپس آیا کہ شاید اسے میری محبت کی کشش کھینچ لائی ہو مگر وہاں مایوسی کے اندھیرے نے میرا استقبال کیا۔ اوشا تو کیا شامو نے بھی پلٹ کر میری خبر نہیں لی جس پر مجھے حیرت سے زیادہ دکھ ہوا تھا۔

پھر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ میں بھی اوشا سے انتقام لوں۔ وہ میری پتنی ہوتے ہوئے بھی مجھے اچانک اور کوئی وجہ بتائے بغیر چلی گئی ہے' لہٰذا اب میں اس کا پابند ہوں اور نہ غلام...... اب مجھے بھی اس بات کا ادھیکار ہے کہ میں کسی دوسری لڑکی یا کرن سے شادی کرلوں۔ اپنا بستر بازاری عورتوں سے میلا کرتا ہوں۔ چکمہ اور مگ قبیلے میں حسین اور نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ اس قوم کی لڑکیاں پستہ قد

درمیانہ قد کی ہوتی تھیں۔ ان پر جاپانی عورتوں کا دھوکہ ہوتا تھا۔ ان میں جسم فروشی معیوب بات نہ تھی۔ پھر ایک خیال اور آیا کہ کیوں نہ میں جھرنا کے پاس چلا جاؤں۔ جھرنا بہت حسین ہے اور اب میرے پاس اتنی رقم ہے کہ وہاں جا کر جھرنا سے شادی کر کے گھر بسا سکتا ہوں۔ پھر یہ سوچا کہ...... اگر جھرنا نے مجھ سے شادی نہیں کی اور اس نے کسی اور سے شادی کرلی ہو تو میں کیا کروں؟

اوشا کے حسن و شباب اس کے پرشباب گداز جسم' محبت' گرم جوشی اور خود سپردگی کا جادو کوئی معمولی نہ تھا جو اتنی جلدی اتر جاتا۔ اور پھر وہ بے حد پرکشش بھی تھی۔ لہٰذا میں نے دل سے کرن اور جھرنا کا خیال اور مقامی لڑکیوں سے بستر میلا کرنے کا بھی خیال نکال دیا۔ میں نے کوئی ایک برس تک اس کی تلاش جاری رکھی۔ اس دیش کا کون سا ایسا شہر' گاؤں' قریہ اور کونا تھا' جہاں میں نے اس کا کھوج نہ لگایا ہو۔ میرے اندازے کے مطابق اس نے یورپ یا امریکہ کے کسی شہر میں جا کر اقامت اختیار کرلی تھی۔ یوں بھی وہ ایک مافیا تھی۔ اس نے مجھ سے شادی اس لیے کی تھی کہ وہ بغیر مرد کے رہ نہیں سکتی تھی۔ وہ ایک عیاش عورت تھی۔ وہ شادی کی آڑ میں اپنی راتیں کالی اور رنگین کرتی رہی تھی۔ پھر میں تھک ہار کر واپس رنگامائی واپس آ گیا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ آخر میں کب تک اور اسے کہاں کہاں تلاش کرتا رہتا۔

میں نے اپنی ساری توجہ کاروبار پر مرکوز کردی تاکہ اپنے آپ کو مصروف رکھوں۔ اس طرح سے میرا غم اور دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ میں نے اپنے ہوٹل اور جنرل اسٹور کا نام بھی اس بے وفا کے نام پر رکھ دیا۔ اس سے اچھا نام کیا ہوسکتا تھا۔

نہ جانے کیوں مجھے اب بھی یہ امید تھی کہ وہ ایک روز ضرور واپس آئے گی۔ میں ہر روز شہر سے آنے والی بسوں' کوچز اور کاروں میں اوشا کا چہرہ تلاش کرتا تھا۔ گھاٹ پر جا کر کپتائی سے آنے والی مسافر لانچوں میں جھانکتا اور پھر شام ہوتے ہی کھلی سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہتا۔ اس کے علاوہ پندرہ دن میں ایک بار چٹا گانگ جا کر ریلوے اسٹیشن'

ٹرمینل اور ایئر پورٹ بھی جا کر مسافروں میں اسے تلاش کرتا۔ وہ ایک ایسا سپنا بن گئی تھی جو کبھی پورا ہوتا نہیں لگتا تھا۔

دو برس کا عرصہ میں نے اس کی یاد میں بڑے کرب، اذیت اور وحشت سے گزار دیا تھا۔

میں نے اوشا کے علاوہ کچھ اور نہیں سوچا اور نہ سوچنا چاہتا تھا۔ جب کبھی بھی میں مندر پوجا پاٹ کے لیے جاتا تھا تو بھگوان سے جو پرارتھنا کرتا تھا تو صرف اور صرف اوشا کے لیے کہ مجھے دوبارہ اس سے ملا دے۔ رات جب میں سونے کے لیے بستر پر دراز ہوتا تو دیر تک نیند نہیں آتی۔ کیوں کہ مجھے اس کا چندن سا بدن، پرشباب بدن کا گداز، اس کی محبت، گرم جوشی، خود سپردگی اور وارفتگی نہ صرف بہت یاد آتی تھی بلکہ ان کی یاد بے چین کیے دیتی تھی، تڑپاتی تھی، اس کے جسم کی سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک بستر میں محسوس ہوتی تھی۔

میں اکثر جذباتی ہو کر سوچتا ڈیڑھ برس گزر گیا۔ پھر ڈیڑھ برس اور گزر جائے گا...... پھر دو برس اور بیت جائیں گے۔ اس طرح تو دو دو برس کر کے صدیاں گزر جائیں گی...... پھر میری زندگی کا آخری دن آ پہنچے گا مگر کیا اوشا پھر بھی نہیں آئے گی...... کیا وہ اپنے ہاتھوں سے میری سمادھی پر پھول نہیں چڑھائے گی...... ؟ میری آتما کو مر کر بھی چین نہیں ملے گا۔

اس رات میں ہوٹل کے ایک کمرے میں بستر پر لیٹا ہوا اوشا کے تصور میں گم تھا، کھڑکی کی سلاخوں کے پیچھے پورا چاند مسکرا رہا تھا۔ میرے کمرے میں چاندنی کھل کر برس رہی تھی۔ وہ بھی تو اس چاند کی طرح حسین تھی۔ نہ جانے وہ کہاں اپنی دودھیا کرنوں سمیت اوجھل ہو گئی تھی...... ؟ اس کا بدن بھی تو دودھیا چاندنی کے منجمد دریا کی طرح تھا۔ میرے پاس آج صرف اس کی یادیں ہی رہ گئی تھیں...... ان بیتے دنوں کی پرچھائیاں ہر سو پھیلی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اس کی مہک میری سانسوں میں بسی ہوئی تھی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ میری آغوش میں ہو۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اس کے دل کی دھڑکنیں سن رہا

ں۔ نہ جانے کب تک سنتا رہوں گا...... اس کے شیریں لب میرے ہونٹوں سے پیوست ں۔ آخر ایک روز یہ بھی ایک سپنا بن کر رہ جائے گا۔

میری نگاہ غیر اختیاری طور پر دروازے کی طرف اٹھ گئی۔ کیوں کہ راہ داری میں ں ہلکی سی چاپ ابھری تھی۔ چند ثانئے بھی نہیں گزرے تھے کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ئی۔ میں ایک جھٹکے سے بستر سے نکل آیا۔ دستک کا یہ انداز اس سے پہلے میں نے نہیں سنا ا۔ میرے ہوٹل کے ملازمین اور ملازمان کسی اور طریقے سے دستک دیتے تھے۔ بعض قات کوئی حسین اور جوان لڑکی ہی بستر میلا کرنے کے لیے آتی تو اس کا یہی انداز ہوتا ا۔ جبکہ میں ایسی عورتوں کی طرف دیکھتا اور سوچتا بھی نہیں تھا۔ میں نے چوکی دار کو منع کیا ا تھا کہ ایسی لڑکیوں کو رات کے وقت اندر اور میرے کمرے پر آنے نہیں دیا جائے۔ نہ مسافروں کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اپنے ساتھ کسی لڑکی یا عورت کو وقت گزاری ے لیے لے آئیں۔ کیوں کہ بیشتر مرد سیاح یہاں آ کر مقامی لڑکیوں کے ساتھ وقت زاری کرتے تھے۔ اس بات کی کوئی قانونی اجازت نہیں تھی لیکن ہوٹل کے ملازمین بخشش ران عورتوں کی جانب سے رقم حاصل کرنے کی غرض سے چوری چھپے کمروں میں پہنچا یتے تھے۔ انہوں نے اس گھناؤنے دھندے کو اپنی آمدنی کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔

میرا دل ایک انجانے احساس سے دھڑکنے لگا۔ میں دروازے کی طرف تیزی ے بڑھا۔ میں نے اس لمحے سوچا کہ اگر یہ عورت واقعی بہت حسین اور نوجوان ہوئی، اس کا لق چکمہ یا مگ قبیلے سے ہوا تو اس کے ساتھ وقت گزاری کر لوں گا۔ اب میرے لیے ب عورت کے بغیر رات گزارنا ناممکن اور ناقابل برداشت بھی ہوتا ا رہا تھا۔ میں دازے سے دو قدم پر رک گیا تاکہ جو بھی عورت ہے وہ اندر آ جائے۔ اس سے دروازے بات کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے مرتعش لہجے میں پوچھا۔

"کون ہے...... ؟ دروازہ کھلا ہوا ہے...... اندر آ جاؤ......"

دروازہ بڑی آہستگی سے کھلا۔ میں نے اس جانب اپنی نگاہیں مرکوز کر رکھی تھیں

کہ دیکھوں کیسی عورت ہے اور کس عمر کی ہے؟ آسمان پر مسکراتا ہوا چاند میرے کمرے میں اتر آیا تھا۔ دہلیز پر اوشا کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی اوشا کو دیکھا۔ یہ سپنا نہیں تھا اور نہ ہی کسی اور عورت پر اوشا کا دھوکا ہوا تھا۔ میں اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا تھا۔

اس ڈیڑھ برس کے عرصے میں اس میں بڑی تبدیلی آ گئی تھی۔ اس کے جسم میں پہلے سے کہیں زیادہ دلکشی، گداز اور رس پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سا نکھار، حسن کا دبدبہ اور ملکوتی وقار چھایا ہوا تھا۔ رخساروں کی گلابی رنگت اور فروزاں تھی۔

اوشا بے تابانہ اپنی مرمریں بانہوں کے خنجر فضا میں پھیلا کر میری جانب کوندا بن کر لپکی۔ میں بھی اپنی ذات کو فراموش کر کے جنونی انداز سے اس کی طرف بڑھا اور اس پر ایک وحشی درندے کی طرف ٹوٹ پڑا اور اسے بھنبھوڑنے لگا۔ ساری رات ہم طوفانوں کی زد میں رہے۔ اس پورے چاند کی رات ہم دونوں ایک دوسرے کا پیکر تراشتے رہے۔

میں نے اوشا سے شکایتی لہجے میں کہا۔ ''اوشا! یہ تم نے مجھ سے کیا کھیل کھیلا...... اگر تم یہاں کچھ دن نہ آتیں تو میری سمادھی ہوتی؟''

اوشا نے جھٹ سے اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔ پھر چند ثانیوں بعد بولی۔ ''بھگوان کے لئے ایسی بات زبان سے نہ نکالیں؟''

''بھگوان کیلئے بتاؤ کو یہ سب کچھ کیا تھا......؟'' میں نے اس کے ریشمی بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ ''مجھ سے کوئی بات نہ چھپانا؟''

اوشا نے مجھے اپنے خاندان کی سیاست، رنجشوں اور باہمی جھگڑوں کے دردناک واقعات کی ایک لمبی کہانی سنائی جس کے باعث اسے اچانک اور چپکے سے مجھے چھوڑنا پڑا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو میری جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ اس بات کا وقت نہیں تھا کہ مجھے اعتماد میں لیا جائے اور پھر میں اسے جانے نہیں دیتا۔ اس طرح ایک نئی آفت کھڑی ہو جاتی۔

اس ڈیڑھ برس کے عرصے میں اس کے دل پر کیا بیتی وہ ایک الگ اور کرب
کہانی تھی۔ دکھوں سے بھری ہوئی ایک دردناک کہانی جسے سن کر میرا دل خون کے آنسو
ا تھا۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا کہ اس پھول جیسی عورت پر کیا کچھ بیت گیا، جس کا تصور
ہیں کیا جا سکتا۔ اس پر کالے جادو کا عمل بھی کیا گیا تھا اور بلاؤں اور چڑیلوں سے اسے
، ہراساں بھی کیا گیا تا کہ وہ خوف و دہشت سے مرجائے۔ اس نے ایک سادھو اور
ت جی کی مدد سے ان سے نجات پائی تھی۔ اب اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

لیکن مجھے اوشا کی زندگی پیاری تھی مگر مجھے اس کے خاندان کی کسی سیاست اور
چپقلش سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ مجھے صرف اور صرف اوشا کی ذات سے دلچسپی تھی۔
لی المناک کہانی اور ملن نے میرے دل کی ساری کثافت دھو دی تھی۔ مجھے اپنی منزل
ہ مل گئی تھی۔ میرے گھر کے آنگن میں وہی چاند اتر آیا تھا جس کے دم سے اجالا تھا۔
نے سوچ لیا تھا کہ میں پیار کی ایک ایسی مضبوط دیوار بناؤں گا کہ اوشا اسے تا زندگی کبھی
ئک نہ سکے۔ وہ اس میں محصور ہو کر رہے۔

میں نے اس کا بلاؤز دودھ میں بھیگا ہوا دیکھا تو اس سے متعجب لہجے میں پوچھا۔
اتم نے بچے کو جنم دیا تھا......؟''

''ہاں......'' اوشا نے جواب دیا۔ ''میں نے تمہارے بچے کو جنم دیا تھا۔ جب
یہاں سے گئی تھی تب میری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ جب میں نے اپنا طبی معائنہ کرایا
چلا کہ میں امید سے ہوں۔ جب بچہ ہوا تو وہ صرف دو دن زندہ رہا۔'' اتنا کہہ کر وہ
ے پڑی۔

''وہ کیسے مر گیا......؟'' میرے دل پر چوٹ لگی۔ وہ میرے بچے کی ماں بنی اور
پر مر گیا۔

''دشمنوں نے جو جادو کیا تھا۔ اس نے میرے بچے کی جان لے لی لیکن میں
نے مرتے بچی۔'' وہ زخم خوردہ لہجے میں بولی۔

"مجھے بچے کے مرنے کا جتنا دکھ ہے اس سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ تمہاری زندگی سلامت رہی۔ اب تم اس بچے کا غم نہ کرو۔"

"تم نہیں جانتے کہ میری ممتا اس کے لیے کتنا تڑپتی ہے......" وہ لرزیدہ آواز میں بولی۔ "وہ مجھے بہت یاد آتا ہے۔ وہ بالکل تمہاری طرح تھا۔"

"بھگوان نے چاہا تو ہمیں وہ اور بھی سندر اور گول مٹول سا بچہ دے گا۔" میں نے اسے دلاسا دیا۔ "تم اس بات کی چنتا نہ کرو۔"

میں نے وہی بنگلہ کرائے پر لے لیا جہاں ہماری خوشبو، سرگوشیوں کی لطیف آواز اور سرسراہٹ سی بسی ہوئی تھی۔ شامو بھی اوشا کے ساتھ ہی لوٹ آیا تھا۔ ایک بار پھر پہلے جیسے رات دن تیزی سے گزرنے لگے لیکن اب ان میں پہلے سے کہیں زیادہ شدت تھی۔ اگرتم جوشی اور والہانہ پن تھا۔ جب دو دل بچھڑ کر ملتے ہیں تو جذبات کی چاندی دیوانگی کی آگ میں پگھلنے لگتی ہے۔ پھر ہم دونوں اسی طرح سے ہنی مون منانے لگے جیسے کل ہی بیاہ اور ملن ہوا ہے۔ ملن کی یہ راتیں رنگین، حسین اور بڑی انوکھی بھی تھیں۔

میں ہوٹل اور دکان کے کاروبار سے زیادہ اوشا کی ذات میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ میں نے اس کے گرد پیار کی مضبوط دیوار بنانا شروع کردی مگر ڈیڑھ ماہ کا عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ دیوار مسمار ہوگئی...... دیوار مسمار نہیں ہوئی تھی بلکہ میں ایک طرح سے مسمار ہوگیا تھا۔

ہوا یہ تھا کہ اوشا ڈیڑھ برس پہلے کی طرح ایک بار پھر شامو کے ساتھ اچانک غائب ہوگئی تھی۔

اب اسے تلاش کرنا فضول، بے سود اور وقت کا ضیاع تھا۔ وہ ایک لاینحل معما تھی۔ تاہم اس کا اس مرتبہ اچانک غائب ہو جانا میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ ایک خیال میرے ذہن میں آیا کہ کہیں وہ واقعی کوئی بلا تو نہیں ہے جو ایک حسین عورت کے روپ میں آ کر اپنی ہوس کی پیاس بجھا کر چلی جاتی ہے۔ پھر کسی اور جوان مرد کی آغوش گرم کرتی ہو۔

لین اس کا اس مرتبہ صرف ڈیڑھ ماہ میں غائب ہو جانا میرے لیے حیران کن اور دکھ کا عث بھی تھا لیکن نجانے کیوں میرا دل اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ وہ کوئی بلا ہے۔

میں نے یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دی کہ شاید وہ پھر ڈیڑھ برس کے بعد چلی ئے گی۔ مگر چھ ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ میری حالت پاگلوں جیسی ہوگئی تھی۔ مجھے کسی چیز ی بات کا ہوش نہیں رہا تھا۔ میں اس بنگلے میں پڑا رہتا کیوں کہ یہاں ایک سکون ملتا تھا۔ ں یہاں اوشا کے لہجے کی کھنک، مترنم ہنسی اور دبی دبی سرگوشیاں سنتا رہتا تھا...... ہر لمحے ں کی مانوس آہٹ گونجتی تھی۔ یہ کیفیت مجھ پر کئی دنوں تک طاری رہی اور پھر وقت کا مرہم ہتہ آہستہ میرے زخم مندمل کرنے لگا۔ پھر میں نے ہوٹل اور دکان کے کاروبار پر پوری ہ مرکوز کردی۔

میں نے ایک برس کا عرصہ جس کرب اور اذیت سے ایک ایک دن کرکے کاٹا یہ را دل اور میرا بھگوان ہی جانتا ہے۔ ایک روز میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا اپنی اداسی دور رنے کی غرض سے حسابات کی جانچ پڑتال میں مصروف تھا کہ کوئی میری میز کے قریب آ ر کھڑا ہوا۔ میں نے چونک کر سر اٹھایا تو میرے ہاتھ سے قلم چھوٹ کر گر پڑا۔ میرے منے شامو کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں اور ہونٹوں پر ایک خوش گوار مسکراہٹ پھیلی ہوئی ا اور اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔

میں شامو کو دیکھتے ہی اس طرح اچھل پڑا جیسے میں نے اس کی آنکھوں میں اوشا کس دیکھ لیا ہو، جیسے مجھے ہفت اقلیم کی دولت سے بڑھ کر کوئی انمول دولت مل گئی ہو۔ میرا غ خوشی سے ماؤف ہوا جا رہا تھا اور اس کا جیسے کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔

"شامو...... تم......؟" میں فرط مسرت سے چیخ پڑا۔ "یہ کہیں میں خواب تو نہیں رہا ہوں؟"

شامو نے جواب دینے میں تامل کیا۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں میری حیرت،

جذباتی کیفیت اور بکھرے ہوئے تاثرات کو پڑھ رہی تھیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے میری آنکھوں میں جھانکا۔ یہ آپ کو یقین کیوں نہیں آ رہا ہے۔ میں آپ کا خادم شامو ہوں۔"

"لیکن اب یقین آ گیا۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہیں اچانک سامنے دیکھ کر ایسا لگا خواب دیکھ رہا ہوں؟"

پھر اس نے سرگوشی کے انداز میں مجھ سے کہا: "سرکار! مالکن آپ کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی ہیں۔"

"کہاں ہے تمہاری مالکن!......" میں نے بے تابی سے پوچھا اور میری نس نس میں خون رقصاں ہو گیا۔

"آپ کی پتنی بنگلے پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں؟" شامو نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔ "جلدی سے چلیے......"

"لیکن وہ ہوٹل پر کس لیے نہیں آئیں......؟ تم انہیں یہاں لے آتے......؟ پہلے وہ ہوٹل ہی پر تو آئی تھیں؟" میں نے کہا۔

"وہ چوں کہ لمبے سفر کے باعث بہت تھکی ہوئی تھیں' اس لیے وہ بنگلے پر پہنچ گئیں۔ انہوں نے بھیجا ہے کہ میں آپ کو لیتا آؤں؟"

میں شامو کے ہمراہ ہواؤں میں اڑتا اور اس سے گفت وسوال کرتا ہوا گھاٹ پر پہنچا۔ تھوڑی دیر کی مسافت صدیوں کی بن گئی تھی۔ شامو نے میرے ہر سوال کا جواب بہت محتاط ہو کر دیا کرتا تھا لیکن اس سے میری تسلی نہیں ہوئی۔ میں نے اس بات کا اس لیے خیال نہیں کیا کہ اب جب کہ اوشا واپس آ گئی ہے تو اس سے کچھ پوچھنا فضول ہی ہے۔ یوں بھی وہ ایک نمبر کی کائیاں ہے۔

جب میں نے جنگلے پر پہنچ کر اپنی خواب گاہ میں قدم رکھا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ مجھ پر جیسے کوئی بجلی آ گری تھی۔ اس کمرے میں اوشا نہیں تھی۔ اس میں چار آدمی جیسے میرے شاہانہ استعمال کے لیے موجود تھے۔ وہ اپنے چہرے مہرے اور وضع قطع

انداز اور تیور سے چھٹے ہوئے بدمعاش دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے چہروں پر پیشہ ور قاتلوں جیسی سفاکی تھی اور ان کی آنکھوں سے درندگی جھانک رہی تھی۔ وہ چاروں پستول' خوفناک قسم کے چاقوؤں اور زہریلے خنجروں سے مسلح تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مجھے سفاکی سے موت کی نیند سلانے کے لیے آئے ہیں۔ مجھے اس لانچ کے بدمعاش یاد آ گئے لیکن وہ مسلح نہیں تھے۔ دہشت سے میرا بدن لرزنے لگا۔ جدوجہد پانے کی ہر کوشش میری ناکام رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ میں غش کھا کر گر جاؤں گا۔ میں میز کا سہارا نہ لیتا تو یقیناً گر پڑتا۔

پھر میں نے بجلی کی سی سرعت سے پلٹ کر شامو کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر کمینگی برس رہی تھی اور آنکھوں میں ایک وحشیانہ سی چمک تھی۔

"ششش......شامو!......؟" میں ہکلایا۔ "یہ سب کچھ کیا ہے؟ تم......؟"

"ہاں میں شامو ہی ہوں۔" اس نے آگے بڑھ کر میرا گریبان پکڑ لیا۔ "مجھے غور سے دیکھو...... میں شامو کی روح نہیں ہوں...... تم کوئی خواب نہیں دیکھ رہے ہو...... آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھو...... مجھے چھو کر دیکھو...... میں شامو ہی ہوں۔"

مجھے شامو کی یہ حرکت بڑی عجیب اور ناقابل یقین سی لگی۔ حیرت سے زیادہ دکھ ہوا۔ اس کا یہ انداز' تیور اور بدتمیزی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ میرے ساتھ بدمعاشی سے پیش آ سکتا ہے۔ میرا گریبان اس نے اس طرح پکڑ لیا تھا جیسے میں اس کا جانی دشمن ہوں اور وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کسی قاتل کی طرح گھور رہا تھا۔

"شامو......!" میں نے بڑے دکھ اور حیرت سے کہا۔ "یہ تمہیں کیا ہو گیا؟ تم مجھ سے اس طرح سے پیش کیوں آ رہے ہو؟"

"بکواس بند کرو۔" وہ غرایا۔ "تمہیں زیادہ بک بک کرنے کی ضرورت نہیں...... تم دو کوڑی کے انسان ہو۔"

''میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم مجھ سے نفرت اور حقارت سے باتیں کر رہے ہو؟'' میری آواز گلے میں رندھ گئی۔ میں نے متوحش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں جو بھی ہوں اور جیسا بھی ہوں' تمہاری مالکن کا پتی ہوں۔ پھر بھی تم مجھے دو کوڑی کا کہہ رہے ہو؟''

''ہاں میں جانتا ہوں...... تم میری مالکن سے پہلے کیا تھے......؟ ایک بھکاری سے بھی بدتر...... تمہیں ایک وقت کا کھانا بھی نہیں نصیب نہیں تھا۔''

''تم کس لیے آئے ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو......؟ تم لوگوں کو کس لیے لے کر آئے ہو؟ کیا مجھے ختم کرنے کے لیے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں کیوں اور کس لیے آیا ہوں تمہیں بتاتا ہوں۔'' اس نے میرے گریبان کو ایک جھٹکا دیا۔ پھر اسے چھوڑ دیا۔ پھر اس نے اپنی جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا۔ اسے میری نظروں کے سامنے لہرایا۔ ''اس پر دستخط کر دو۔'' اس کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا۔

میں نے تحیر زدہ نظروں سے اس کاغذ کی طرف دیکھا۔ ''یہ کیا ہے......؟ اس پر تم کس لیے میرے دستخط لینا چاہتے ہو؟''

شامو کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کرخت لہجے میں بولا۔ ''یہ طلاق نامہ ہے۔ جائیداد نامہ نہیں ہے۔''

''طلاق نامہ......؟'' میری آنکھیں وحشت سے پھیلنے لگیں۔ ''وہ کس لیے...... طلاق کس لیے......؟''

''اس کاغذ پر لکھا ہوا ہے کہ میں اپنی پتنی کو طلاق دے رہا ہوں۔ اپنی خوشی اور مرضی سے...... اب ہم دونوں کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں اور نہ ہی میں کل اس پر اپنا کوئی حق جتاؤں گا۔ ہم اس کاغذ پر تمہارے دستخط لینے آئے ہیں۔''

شامو اتنا کہہ کر مجھے کسی وحشی درندے کی طرح گھورنے لگا۔ میرا جسم' دل اور

سانسیں جیسے ساکت ہو کر رہ گئی تھیں۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو مجھے یوں لگا جیسے میری زبان پر فالج گر گیا ہو۔ میری آنکھوں کے سامنے دھند چھانے لگی۔ میں خوفزدہ نظروں سے شامو کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے چہرے پر درندگی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ کسی روز مجھے اس غیر متوقع اور لرزہ خیز حادثے سے دوچار ہونا پڑے گا اور میری ہستی ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ میری آتما کو بے رحمی سے کچل دیا جائے گا۔

میں نے بہ مشکل اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے اٹک اٹک کر کہا ''مگر...... تم کون ہوتے ہو جو مجھ سے طلاق لینے آ گئے...... طلاق اس طرح نہیں دی جاتی ہے۔ اس کے کچھ قانونی طریقے بھی ہوتے ہیں اور ہمارے دھرم میں اس طرح سے......''

''میں خود نہیں آیا ہوں بلکہ مالکن نے مجھے تم سے طلاق حاصل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ انہوں نے یہ قانونی کاغذ تیار کروا کے دیا ہے اور کہا ہے کہ میں اس پر تمہارے دستخط لے آؤں۔ میں دھرم اور قانون نہیں جانتا ہوں۔ میں صرف مالکن کے حکم پر عمل کرنا جانتا ہوں۔''

شامو نے جیسے میرے سینے میں دل کی جگہ پر جیسے کوئی خنجر پوری طاقت سے گھونپ دیا تھا۔ اگر وہ میرے دل میں خنجر اتار دیتا تو اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی اس کے اس انکشاف سے ہوئی تھی۔ اس نے میرے دل کے جیسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔

''نہیں...... نہیں......'' میں اپنی پوری قوت سے چیخ پڑا۔ ''تم جھوٹ بول رہے ہو......؟ تم مجھے دھوکا دے رہے ہو......؟ تم کسی کے اشارے پر مجھ سے میری اوشا کو چھیننا چاہتے ہو...... شاید تم بھی اس بدمعاش کی طرح میری اوشا کے دشمن سے مل گئے...... غدار اور نمک حرام ہو گئے ہو...... تم سے ایسی امید نہیں تھی ذلیل...... کمینے......'' اس نے دوبارہ میرا گریبان پکڑ لیا تھا۔ میں نے جنونی کیفیت سے اس کا ہاتھ اپنے گریبان سے الگ کر دیا...... پھر میں نے ہیجانی لہجے میں پوری طاقت جمع کر کے چیختے ہوئے کہا۔ ''نکل جاؤ یہاں سے...... دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے...... ورنہ میں تمہارے منہ پر

تھوک دوں گا۔"

"میں یہاں سے خالی ہاتھ جانے کے لیے نہیں آیا ہوں۔" شامو کی آنکھوں میں انگارے چٹخنے لگے۔ "تم مجھے کچھ بھی کہہ لو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے' لیکن تم یہ اچھی طرح سے جان لو اور سمجھ لو کہ میں تمہارے دستخط لیے بغیر کسی قیمت پر یہاں سے نہیں جاؤں گا......"

میں نے بڑے سکون اور اطمینان سے باری باری ان مسلح بدمعاشوں کے چہروں پر نظر ڈالی تو مجھے خود حیرت ہوئی تھی۔ انہیں بھی جیسے یقین نہیں آیا تھا ان کی گھورتی ہوئی خوفناک اور لال لال آنکھیں مجھے جیسے کھا جانے پر تلی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک گہرا سانس لیا اور شامو کی طرف دیکھا جو میری حرکات وسکنات پر نظریں رکھے ہوئے تھا۔ میں نے بے خوفی سے کہا۔

"اگر میں اس کاغذ پر دستخط نہیں کروں تو......؟" میرے لبوں پر ایک مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اس صورت میں جو نتیجہ نکلے گا اس کے ذمے دار تم ہو گے......؟" شامو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اس کاغذ پر دستخط نہیں کروں گا۔" میں نے بھی سپاٹ لہجے میں اس سے تکرار کی۔

"تم دستخط نہیں کرو گے......؟ دستخط تم کیا تمہارا باپ بھی کرے گا۔ تمہاری ہی ہٹ دھرمی فضول اور بیکار ہے۔" وہ زہر خند بولا۔

"تم میں اگر اتنی ہمت ہے تو مجھ سے دستخط کروا کر دیکھ لو...... دنیا میں کوئی ایسا مائی کا لال نہیں ہے جو مجھ سے دستخط کروا لے؟" مجھ میں نہ جانے کہاں سے اتنی ہمت آ گئی تھی کہ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جسارت سے کہا۔

"مجھ سے بڑا مائی کا لال کون ہو سکتا ہے؟" شامو قہقہہ مار کر بڑے زور سے

ہنسا۔ "پھر یہ میرے ساتھی تمہارا دماغ درست کرنے کے لیے آئے ہیں۔ تم نے شاید سنا ہو گا کہ جب سیدھی انگلی سے گھی نہیں نکلتا ہے تو پھر ٹیڑھی انگلی سے نکالا جاتا ہے۔"

"سنو شامو......!" میں نے ٹھنڈے دل سے کہا۔ "تم اور تمہارے یہ چاروں کتے مجھے خوف زدہ کر کے دستخط کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔"

شامو کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ہمارے پاس دوسرا راستہ بھی ہے جو نہایت آسان ہے۔ اس راستے پر چلنے سے تم سے خود بخود نجات مل جائے گی۔ ہم دستخط کی زحمت سے بھی بچ جائیں گے......"

اس کے لہجے میں جانے کیا بات تھی کہ میں کانپ کر رہ گیا۔ ایک سرد لہر میری ریڑھ کی ہڈی کو چھوتی ہوئی پور پور میں اتر گئی۔ وہ اپنے بدمعاش ساتھیوں کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز سے مسکرایا تو وہ چاروں بھی مسکرانے اور ہنسنے لگے۔

میں نے مرتعش آواز میں پوچھا۔ "وہ کیسے......؟"

"تمہاری موت کے سرٹیفکیٹ سے جس کے حصول میں ہمیں کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی؟" وہ بولا۔ "اس طرح ہمارا کام تمہاری موت سے بہت آسان ہو جائے گا......" شامو نے یہ کہتے ہوئے پلٹ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

اس کا اشارہ پاتے ہی ان چاروں نے میرے گرد اپنا گھیرا تنگ کر لیا۔ شامو کا ہاتھ فوراً ہی جیب میں گیا۔ جب وہ باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں چاقو تھا۔ اس نے چاقو کو ایک جھٹکے سے کھول لیا۔ پھر اس کی نوک میرے نرخرے پر رکھ دی۔

"اگر تم سیدھی طرح راہ راست پر نہیں آئے تو ہم پانچوں مل کر تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔"

اس لمحے میرا سر تیزی سے چکرایا تو میری آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا گئی اور میرا حلق خشک ہو گیا۔ جب دھند چھٹی تو میں نے اپنے حواس قابو میں کیے۔ پھر میں نے کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح بھرائی ہوئی آواز میں اس سے پوچھا۔

''شامو! تمہیں بھگوان کی سوگند...... سچ سچ بتاؤ...... کیا میری پتنی اوشا مجھ سے طلاق لینا چاہتی ہے......؟''

''آخر تمہیں میری بات کا یقین کیوں نہیں آ رہا ہے......؟ مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔'' وہ تڑ سے بولا۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ تم اس کے دشمن کے اشارے پر مجھ سے میری بیوی کو چھین لینا چاہتے ہو؟''

''آخر میں تمہیں کس طرح اس سچائی کا یقین دلاؤں......؟'' شامو سیخ پا ہو گیا۔ کیا تم یہ بات نہیں جانتے ہو کہ میں اپنی مالکن کا کس قدر وفادار نوکر ہوں۔ میں صرف اپنی مالکن کے لیے زندہ ہوں اور ان کے لیے ہی زندہ رہوں گا۔ میں نے اپنی ساری زندگی ان کے پریوار کے لیے تج دی ہے۔ میں ان کا کوئی حکم ٹال نہیں سکتا ہوں۔''

اس کی وحشیانہ آنکھیں میرے وجود میں نیزوں کی طرح چبھنے لگیں۔ اس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ ''اگر میری مالکن مجھے یہ حکم دیں کہ میں اپنا چاقو اپنے پیٹ میں جھونک لوں تو میں بلا تامل جھونک لوں گا۔ ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں کروں گا۔''

شامو کی آنکھوں اور اس کے لہجے اس کی سچائی کا عکس جھلک رہا تھا۔ یہ ایک حقیقت بھی تھی کہ وہ اپنی مالکن کا انتہائی وفادار اور جاں نثار ملازم تھا مگر میں پھر بھی تذبذب اور الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ جانے کیوں مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اوشا ایسی حسین محبت کرنے والی پتنی ایسی شقاوت اور سنگ دلی کا مظاہرہ بھی کر سکتی ہے؟ آخر وہ کس لیے مجھ سے طلاق لینا چاہتی ہے؟ آخر میں نے اس کا کیا بگاڑا......! میں نے اس کے ساتھ کبھی دھوکا نہیں کیا...... کوئی فریب نہیں دیا...... کسی لڑکی سے محبت کی اور نہ اس سے تعلقات قائم کیے۔ اس کی جدائی کا ایک لمبا عرصہ میں نے عورت اور شراب کے سہارے کے بغیر گزارا......؟ میں چاہتا تو ان سے اپنی زندگی کا خلا پر کر سکتا تھا۔

میرے دل و دماغ میں اسی طرح کے بہت سے سوالات گردش کرنے لگے۔

اوشا کے بغیر میری زندگی بے کیف اور ادھوری تھی۔ یہ عذاب میں پہلے بھی ایک بار سہہ چکا تھا۔ اب پھر وہ عذاب میرے سر پر اور میری زندگی پر مسلط کیا جا رہا تھا۔ میری ساری امنگیں ایک ایک کر کے دم توڑنے لگیں اور چاروں طرف اندھیرے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اوشا کی بے وفائی کا احساس میرے لیے حد درجہ کربناک تھا مگر بہر حال یہ کرب یہ اذیت تو اب ہر قیمت پر برداشت کرنا تھی۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

میں نے شامو کے ہاتھ سے وہ کاغذ لے لیا اور اپنے امڈتے آنسوؤں کو پی کر اس پر دستخط کر دیئے۔ جب میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی محبت کا گلہ گھونٹ کر اس کی لاش شامو کے حوالے کی تو اچانک ایک بدمعاش نے پیچھے سے میرے سر پر ایک زوردار ضرب لگائی۔ میرا سر تیزی سے چکرا گیا اور آنکھوں کے سامنے تاریکی پھیلتی چلی گئی۔ اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہیں رہا۔

☆......☆......☆

جب میری آنکھ کھلی تو منظر ہی بدلا ہوا تھا۔

میں اپنے کمرے میں نہ تھا' بلکہ رنگامائی کے ایک اسپتال کے کمرے میں بستر پر پڑا ہوا تھا۔ میں اسپتال کیسے پہنچا اور کس نے پہنچایا' یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی کہ میرے ہوٹل کے دو ملازم کسی ضروری کام سے پہنچے تو انہوں نے مجھے بے ہوشی کی حالت میں پایا۔ انہوں نے مجھے ہوش میں لانے کی بہت ساری تدبیریں کیں۔ جب مجھے ہوش نہ آیا تو وہ گھبرا کر مجھے اسپتال لے آئے۔ جہاں مجھے فوراً ہی طبی امداد دی گئی۔ ڈاکٹروں کے مطابق اگر مجھے ایک اور گھنٹے کی تاخیر سے پہنچایا جاتا تو میری جان بچ نہیں پاتی۔ کیوں کہ مجھے اندرونی اور گہری چوٹ آئی تھی۔

مجھے صحت یاب ہونے میں ایک ہفتہ لگ گیا۔ اتفاق سے ایک نیورو سرجن جو کہ رنگامائی آیا ہوا تھا۔ اس کا تعلق ڈھاکہ میں فوجی اسپتال سے تھا۔ وہ میرے ہی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میرے منیجر کی درخواست پر اس نے میرا معائنہ کیا۔ اس نے اس اسپتال کے ڈاکٹروں کو جو میرے مرض کے بارے میں جو ہدایت دیں' اس کے مطابق میرا ایک آپریشن کیا گیا۔ اس آپریشن کے باعث مجھے ایک نئی زندگی ملی تھی۔

پوری طرح صحت یاب ہونے کے بعد کئی دنوں تک مجھ پر ایک جنونی کیفیت طاری رہی تھی۔ میں اپنے آپ میں نہیں رہا تھا۔ میری وحشت' میری اذیت اور اضطراب کو سمجھنے والا کوئی نہیں تھا۔ میں کسے بتاتا؟ کس کے پاس جاتا..... مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس گھر میں اوشا کی لاش پڑی ہے۔ وہ سرخ جوڑے میں ملبوس ہے۔ میں نے سوچا کہ میں زندہ کیوں اور کس لیے ہوں؟ میں مر کیوں نہیں گیا؟ کاش! میں مر جاتا..... اس زندگی سے تو

موت ہی لاکھ درجے بہتر تھی۔ لیکن ڈاکٹروں نے مجھے اذیت اور درد سہنے کے لیے بچا لیا تھا۔

میں یہ سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا تھا کہ آخر اوشا نے مجھ سے بے وفائی کیوں اور کس لیے کی.....؟ وہ خود محبت کی بھوکی تھی۔ وہ محبت سے سیراب ہونا چاہتی تھی۔ اس نے نشاط انگیز لمحات میں کتنی بار مجھ سے والہانہ پن' وارفتگی اور خود سپردگی سے کہا تھا کہ مجھے محبت چاہیے۔ صرف محبت..... ہم دونوں نے مل کر محبت کا ایک تاج محل بڑی تمناؤں اور جذبوں سے بنایا تھا۔ اس کی ایک ایک اینٹ پر آرزوؤں کے گہرے نقش ثبت کیے تھے۔ وہ ایسے نقش تھے کہ اسے وقت کی گردش بھی مٹا نہیں سکتی تھی۔

لیکن اس نے اپنے ہی ہاتھوں سے اس تاج محل کو کیوں مسمار کر دیا تھا؟ وہ ریت کا محل کس لیے ثابت ہوا تھا؟ جب اس نے ایک دولت مند بن کر نہیں' ایک عورت بن کر ان بنیادوں میں اپنے لہو کا ایک ایک قطرہ تک نچوڑ دیا تھا۔ وہ مہر و وفا کا تراشیدہ پیکر تھا کہ میں اس سے بے وفائی اور فریب کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔

مجھے ایک خیال اور آیا اور میرے اس خیال کو تقویت اس لیے بھی ملی کہ وہ ایک پراسراری عورت تھی۔ میرا پہلے یہ خیال تھا کہ اس کا تعلق شاید کسی مافیا سے ہے۔ وہ مافیا سے ہی تھی شاید..... اس نے اس مافیا سے تعلق توڑ کر مجھ سے محبت کی اور شادی کر لی۔ مافیا کے گروہ سے نکلنا اور نجات پانا آسان نہیں ہوتا ہے۔ جب اس مافیا کے سرغنہ کو اس شادی کا علم ہوا ہوگا' تو اس نے اوشا کو لعن طعن کیا ہوگا' جب اس نے میرے بچے کو جنم دیا تو شاید اس نے بچے کو موت کی نیند سلا دیا۔ وہ یہ غم برداشت نہ کر سکی' پھر وہ میرے پاس آ گئی۔ پھر مافیا کے آدمیوں نے اس کا پتا چلا لیا اور اسے گن پوائنٹ پر لے گئے۔ پھر اسے مجبور کیا گیا ہوگا کہ وہ مجھ سے قانونی طور پر قطع تعلق کر لے۔ اس لیے اس نے شامو کو مافیا کے پالتو بدمعاشوں کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ میری قسمت اچھی تھی جو میں مرنے سے بچ گیا۔ میرے یہ خیالات بعید از قیاس نہیں تھے۔ وہ بلا کی حسین عورت تھی۔ کوئی بھی مرد اسے ایک بار دیکھ لے تو کبھی بھول نہیں سکتا تھا۔ مافیا کے سرغنہ نے کیا معلوم اسے اپنا لیا ہو۔

میں اپنی زندگی کے اس غیر متوقع اور المناک حادثے کے بارے میں جتنا سوچ
اتنا ہی ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتا۔ اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہتا۔ میں نے کئی بار سوچا ک
اس پاگل پن سے کیا حاصل؟ کیا فائدہ؟ کیا وہ مجھے پھر مل جائے گی؟ میرے لیے یہ بہ
ہے کہ میں اسے ایک سپنا سمجھ کر بھول جاؤں؟ میں نے اسے بھلانے کی بہت کوشش کی
شراب کا سہارا لیا۔ ہر عمر کی لڑکیوں سے دل بہلایا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ بیتے دنوں ک
شیریں یادیں مجھے کسی زہریلی ناگن کی طرح ڈستی رہتیں۔ اس کا زہر میری رگ رگ میں
سرایت کر جاتا۔ اسے جتنا بھولتا وہ اس سے کہیں زیادہ یاد آتی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ک
مجھے کون کہاں اور کس طرح سے ملے گا جبکہ شراب اور شباب میں اسے بھلانے میں کچھ
کر سکا۔ میری دیوانگی تھی کہ بڑھتی جا رہی تھی۔

جب میں نے یہ دیکھا کہ شراب نے میرے غم، دکھ، اذیت اور احساس محرومیوں
کم نہیں کیا، تو میں نے پھر شراب نوشی بند کر دی۔ پھر کوئی عورت میرے اندر جو خلا پیدا ہ
گیا تھا، اسے پر نہ کر سکی۔ مجھے جسم کی خواہش نہیں تھی۔ میرے اندر ہوس نہ تھی۔ بھوک
تھی۔ میں صرف محبت کا بھوکا تھا۔ میں رات کسی بھی عمر کی لڑکی یا عورت کو اپنے کمرے میں
اس لیے لے آتا تھا کہ اس سے باتیں کروں۔ محبت بھری باتیں۔ اس کا جسم دیکھنے کی دل
میں ذرہ برابر بھی خواہش نہ ہوتی تھی۔ لیکن یہ لڑکیاں اور عورتیں وہ جسم فروش تھیں۔ محبت
کے جذبے سے ناآشنا..... ان کے دل میں صرف رقم کے حصول کا جذبہ ہوتا تھا۔ وہ غریب
بھی کیا کریں۔ وہ بہت غریب، محتاج اور ضرورت مند ہوتی تھیں۔ وہ اپنی ضروریات پور
کرنے کے لیے جسم فروشی پر مجبور تھیں اور پھر یہاں جو چکمہ اور مگ قبیلے تھے، ان کے نزدیک
جسم فروشی کوئی گناہ نہیں تھا۔ باپ اپنی بیٹی کا..... بھائی بہن کا، شوہر اپنی بیوی کی جسم فرو
کا سودا کرتا تھا۔ یہ سلسلہ ان کے ہاں صدیوں سے چلا آ رہا تھا۔

پھر دن بیت گئے۔ وقت چلتا رہا۔ وقت جو کسی کا نہیں ہوتا ہے۔ وہ میرا بھی نہیں
تھا۔ پھر دو برس گزر گئے۔ مگر میرے لیے یہ دو برس نہ تھے، دو صدیاں تھیں جو میں
دردناک عذاب سہتے ہوئے کاٹی تھیں۔ میرے زخم اور دل کے گھاؤ بھرے نہیں تھے۔ کبھی

بھار میں یہ سوچ کر حیران ہوتا تھا کہ میں آخر اب تک کس لیے زندہ ہوں؟ کس امید پر
انس لیتا ہوں؟

بہار کا گلابی موسم شروع ہو چکا ہے۔ لیکن میری زندگی میں خزاں تھی، جس نے
ردی بھر دی تھی۔ ان دنوں رنگامائی میں سیاحوں کی آمد کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ بنگلہ دیش
یں یہ سب سے خوبصورت پرفضا مقام ہے۔ کاکس بازار کے مقابلے میں یہ مقام بہت
ند کیا جاتا ہے۔ کاکس بازار دنیا کا سب سے بڑا ساحل سمندر ہے۔ جبکہ رنگامائی قدرت
کے حسین نظاروں سے بھرا ہوا ہے۔ اس موسم میں اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ سال بھر کمانے
کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ لیکن مجھے آمدنی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان دو برسوں میں مجھے
ھرنا کا خیال بھی آیا تھا۔ لیکن میرا دل ٹوٹ چکا تھا اور میں اس قدر دلبرداشتہ ہو چکا تھا کہ
دھر اس خیال سے نہیں گیا کہ کہیں جھرنا نے کسی کو جیون ساتھی بنا لیا ہوگا تو یہ صدمہ میرے
لیے قابل برداشت نہ ہوگا۔ اب مجھ میں مزید زخم سہنے کا یارا نہیں رہا تھا۔ میں پہلے سے ہی
ہت زخمی تھا۔

ہوٹل کا بزنس بھی خوش اخلاقی پر چلتا ہے۔ میں سہ پہر کے وقت استقبالیہ کاؤنٹر
ر کھڑا ہوا اپنے گاہکوں کو خوش آمدید کہہ رہا تھا کہ اس ہجوم میں ایک حسین چہرہ دیکھ کر میں
ونک پڑا۔

وہ لڑکی، جس کی عمر بمشکل بیس برس کی ہوگی، وہ بلاشبہ بلا کی حسین اور پرکشش
کھائی دے رہی تھی۔ اس کے پرشباب بدن کے گداز پن میں ایسی بجلیاں بھری تھیں کہ
ردوں کے دلوں کو گرما دیں۔ اس کا شوہر بھی بڑا وجیہہ، خوبصورت اور دراز قد تھا۔ ایسے
وبصورت جوڑے دیکھنے میں شاذ و نادر ہی آتے ہیں۔ اکثر بے جوڑ شادیاں ہوتی رہتی
ں۔ میں اس لڑکی کو دیکھ کر چونک پڑا۔ اسے بہت غور اور توجہ سے دیکھنے لگا۔

میرے چونکنے کی وجہ اس کا حسن و شباب اور پرشباب بدن نہیں تھا، بلکہ اس کا
سین چہرہ مجھے مانوس سا لگا تھا۔ ذہن پر بہت زور دینے اور باوجود لاکھ کوشش کے، مجھے یہ
د نہ آ سکا کہ اسے میں نے کہاں دیکھا ہے۔ حالانکہ میری یادداشت اتنی کمزور نہ تھی۔ اوشا

کی جدائی کے صدمے نے میری یادداشت کو متاثر کیا ہوا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ شاید اسے کبھی دیکھا ہوگا۔ چونکہ وہ بہت حسین ہے' اس لیے اس کا چہرہ مانوس سا لگ رہا ہے یا پھر وہ کسی فلمی اداکارہ سے مشابہت رکھتی ہے۔

دفعتہً اس لڑکی کی نگاہ مجھ پر پڑی تو وہ بھی چونک کر اپنی جگہ پر ٹھٹک گئی۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ یکبارگی اس کی حسین آنکھوں میں جیسے ہزاروں چراغ جل اٹھے اور اس کا گلاب سا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اس نے اپنے شوہر کے پاس جا کر چند ثانیوں تک سرگوشی کی جو اپنا سامان کوچ سے اتارنے کے بعد چیک کر رہا تھا۔ اس کے شوہر نے سر ہلا دیا۔ پھر وہ اپنے سینے اور شانے پر ساڑھی کا پلو درست کرتی ہوئی بولی ''آپ نے مجھے پہچانا....؟''

''جی نہیں!'' میں نے سر ہلایا۔ ''لیکن میں آپ کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مجھے آپ کا چہرہ مانوس سا لگ رہا ہے۔''

''اتفاق سے مجھے آپ کا نام یاد نہیں رہا' لیکن چہرہ یاد رہ گیا۔ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔'' اس نے کہا۔

''کتنی عجیب سی بات ہے کہ آپ کو میرا نام یاد نہیں اور نہ چہرہ..... مجھے آپ کا نام یاد نہیں لیکن چہرہ یاد ہے۔''

''میں نے کب کہا کہ چہرہ یاد نہیں ہے' لیکن یہ یاد نہیں آ رہا کہ آپ کو کب اور کہاں دیکھا ہے۔'' میں نے صفائی پیش کی۔

''اوہ..... مجھے آپ کا نام یاد آ گیا۔ آپ کا نام شاید سندر لال یا موہن لال ہے؟'' اس کی حسین آنکھوں میں شوخی بھر گئی۔ ''میں کسی کو پہچاننے میں بہت کم غلطی کرتی ہوں۔ اگر میں نے نام غلط لیا ہے' تو معذرت چاہتی ہوں۔''

بہت دنوں بعد میرے ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ ابھری تھی جس میں تروتازگی اور مسرت اور موج زن تھی۔ ''آپ غلطی پر نہیں ہیں' لیکن میں ابھی بھی ذہن پر زور دے کر سوچ رہا ہوں کہ آپ کو پہلے کہاں دیکھا؟ میری الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔''

اس کی آنکھوں میں جیسے پھر سے ہزاروں طاقتور برقی بلب روشن ہو گئے۔ وہ ھی تیکھی نظروں سے دیکھتی ہوئی شوخی سے بولی۔

''شاید آپ نے مجھے خوابوں میں دیکھا ہو یا پھر کسی پرستان میں ملاقات کی ؟''

میری مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ ''وہ شخص واقعی بڑا خوش نصیب ہے' جس کے بوں میں آپ بے دھڑک چلی آئیں۔''

''اچھا....!'' وہ یک لخت کھل کھلا کر ہنس پڑی اور پھر رسیلی آواز میں اپنا تعارف ایا۔ ''نمرتا.... اب کچھ یاد آیا؟''

''نمرتا.....؟'' میں ذہن پر زور دے کر کچھ سوچنے لگا۔ میرے ذہن کی تاریکی ٹ نہ سکی۔

''چند برسوں پہلے کی بات ہے آپ مسز اوشا سین کے ہاں انٹرویو دینے آئے ے۔ میں نے اس دن ان کی سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے تھے۔ وہ کیا قیامت خیز انٹرویو ..... مجھے امیدواروں کی بدحواسی جب بھی یاد آتی ہے تو میری ہنسی چھوٹ جاتی ہے۔''

پھر میرے ذہن کے بند دریچے ایک ایک کر کے کھلتے چلے گئے۔

چند لمحوں کے بعد مجھے یاد آ گیا کہ نمرتا انٹرویو والے دن سراپا قیامت بنی بیٹھی تھی۔ وہ غریب امیدواروں کی بدحواسیوں پر لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس سے میری نوک نک اور قدرے تلخ گفتگو بھی ہوئی تھی۔

نمرتا نے اس بے وفا کا ذکر کیا چھیڑا کہ دُکھ کی لہر میرے سینے میں کسی برچھی کی ح اُتر گئی۔ میری نس نس میں جیسے برقی رو اترتی چلی گئی۔ میرا سینہ کٹ گیا۔ میں اپنے راٹھتی ہوئی وحشت اور اضطراب پر قابو نہ پا سکا۔ میرا چہرہ اس نے جیسے پڑھ لیا ہو۔ ''کیا پ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟ آپ بیمار سے دکھائی دے رہے ہیں؟''

میں اسے کیا بتاتا کہ میرے دل کو کیا روگ لگ گیا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا ''میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

دوسرے لمحے میری وحشت حیرت میں بدل گئی۔ کیونکہ اس نے اوشاسین کو مسز کے لقب سے یاد کیا تھا۔ جو میرے لیے تعجب کا باعث تھا۔ شاید وہ نادانستگی میں ایسا کہہ گئی تھی۔ کیونکہ اس وقت وہ شادی شدہ کہاں تھی؟ اس نے شادی تو مجھ سے کی تھی۔ اس شادی کا علم اسے اس لیے نہیں تھا کہ صرف ایک دن کے لیے اس نے اس کی سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے تھے۔

میں نے کسی خیال کے زیراثر چونکتے ہوئے سوچا کہ نمرتا کی غلط فہمی دُور کردوں اور اسے بتادوں کہ میں نے اس بے وفا سے شادی کرلی تھی۔ پھر اسے اپنی داستان سنادوں اور بتاؤں کہ اوشاسین نے میرے ساتھ کیا کیا۔

''وہ اس وقت مسز کہاں تھیں؟ آپ نے انہیں اپنی مرضی سے مسز بنا دیا....؟'' میں نے کہا۔

''تو کیا آپ کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ وہ مسز ہیں؟ شادی شدہ ہیں؟'' نمرتا نے تعجب سے پوچھا۔

''کیا.....؟'' میں اس طرح سے اچھل پڑا جیسے برقی جھٹکا لگا ہو۔

''کیا آپ کو میری بات کا یقین نہیں آرہا ہے؟'' اس نے حیرانی سے پلکیں جھپکائیں۔

میں سٹپٹا کر رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اسے کس طرح سے اصل واقعہ بتاؤں۔ اس کی بات اور انکشاف نے مجھے بری طرح چکرا دیا تھا۔ اب میں اس سے اپنی اور اوشاسین کی شادی کا تذکرہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نے تو مجھ پر یہ کہہ کر بجلی گرا دی تھی کہ وہ شادی شدہ تھی۔ نمرتا نے جو انکشاف کیا تھا وہ غلط نہیں ہوسکتا تھا۔ اور پھر اسے غلط بیانی کی ضرورت بھی کیا تھی۔ مجھے ایک خیال اور آیا کہ شاید اوشاسین نے کسی وجہ سے اس پر اپنے آپ کو شادی شدہ ظاہر کیا ہو۔

نمرتا مجھے حیران اور متذبذب دیکھ کر کہنے لگی۔ ''وہ بڑی فیاض عورت تھیں۔ مزاج کی بھی بہت اچھی تھیں۔ مجھے اپنی زندگی میں آج تک کبھی اتنی اچھی اور باوقار عورت سے

واسطہ نہیں پڑا..... میں نے صرف تین دن تک ان کی سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے تھے۔ لیکن انہوں نے مجھے تین دن تک کی خدمت کا جو معاوضہ پیش کیا وہ تین ماہ کی تنخواہ کے مساوی تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مجھے تین جوڑے اور سونے کا ایک لاکٹ بھی دیا تھا۔ وہ لاکٹ آج بھی میرے پاس موجود ہے۔''

''وہ ایک دولت مند عورت تھی۔ وہ جتنا بھی آپ کو دیتی کم تھا۔'' میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔

اس نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد حیرت زدہ لہجے میں کہا ''کیا آپ کے علم میں یہ بات نہیں آسکی تھی کہ وہ مس ہیں یا مسز؟ حالانکہ وہ آپ کو اپنے چاٹگانگ والے آفس کا منیجر بنا کر اپنے ساتھ ہی لے گئی تھیں۔ آپ نے ان کے پاس دو ایک برس ملازمت تو کی ہوگی..... اتنی لمبی ملازمت میں آدمی بہت کچھ معلوم کرلیتا ہے؟''

''میں نے کسی وجہ سے ایک مہینے بعد ملازمت چھوڑ دی تھی۔'' میں نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ ان کے متعلق اور بھی کچھ جانتی ہیں.....؟ مجھے تفصیل سے بتاسکتی ہیں؟ میں ان کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں تین دن کی ملازمت کے دوران صرف اتنا جان سکی تھی کہ ان کی قومیت بنگلہ دیشی نہیں بلکہ ہندوستانی ہے۔'' نمرتا نے کہا۔

''لیکن اس بات کا علم آپ کو کیسے اور کیونکر ہوا.....؟ کیا انہوں نے آپ کو بتایا تھا؟'' میں نے دریافت کیا۔

''ہاں یہ تھا کہ میں نے ایک روز ان کی غیر موجودگی میں میز کی دراز کسی تجسس کے زیراثر کھولی تو اس میں ان کا پاسپورٹ رکھا ہوا نظر آیا۔ اس کے ذریعے مجھے ان کی شہریت اور قومیت کا علم ہوا..... اس تجسس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی حرکات وسکنات کے باعث مجھے بڑی پراسرار لگی تھیں..... مجھ پر ان کی سحرانگیز اور پروقار شخصیت کا ایسا دبدبہ طاری ہوا تھا کہ پھر میں نے ان کے متعلق زیادہ جاننے اور کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ جان کر کرنا بھی کیا تھا؟''

"کیا آپ نے ان کے ملازم شاموسے کبھی اس کے باس کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کی؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں.....!" نمرتا نے سر ہلایا۔ "ان کا گورکھا ملازم شاموتو بہت ہی گہرا اور کائیاں شخص تھا۔ وہ کسی بات کا جواب نہیں دیتا تھا۔"

"پھر آپ کی ان سے کہیں کبھی ملاقات ہوئی تھی....؟" میں نے دھڑکتے دل سے دریافت کیا۔

"جی ہاں!" اس نے سر ہلایا۔ "دو برس پہلے ان سے نہ صرف ملاقات ہوئی' بلکہ ان کے بارے میں بہت کچھ معلوم بھی ہوا۔"

یہاں کھڑے ہوکر مزید بات کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس کا شوہر اپنے سامان کے پاس کھڑا بہت بور ہو رہا تھا۔ میں نے ملازم کو بلاکر ہوٹل کے سب سے بہترین کمرے میں سامان رکھوایا۔ پھر ان دونوں کو اپنے دفتر کے کمرے میں لے آیا۔ ان کے لیے مشروب منگوایا۔ مجھ پر ایک عجیب سی وحشت طاری ہو رہی تھی۔ دل بڑے زور سے دھڑک رہا تھا۔ میں نے دل کی دھڑکنوں اور وحشت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"پلیز! آپ اوشاسین کے بارے جو کچھ بھی جانتی ہیں' اس سے مجھے آگاہ کردیں..... یہ آپ کی بڑی دیا ہوگی۔"

"اب آپ ان کے بارے میں کیوں جاننا چاہتے ہیں؟" نمرتا نے سوالیہ نظروں سے کہا۔ "کیا کوئی بات ہے؟"

"اس لیے کہ وہ عورت میرے لیے بھی بہت پراسرار، ایک معمہ رہی ہے..... میں نے اسے بہت غیر معمولی پایا ہے۔"

"اس عورت کو اگر ساحرہ کہا جائے تو آپ کے خیال میں کیا یہ موزوں اور مناسب ہوگا؟" وہ دلکش انداز سے مسکرائی۔

"ہاں!" میں نے سر ہلایا اور اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کرکے پوچھا "کیا وہ کوئی جادوگرنی تھیں؟"

"ان کا حسن و شباب کسی جادو سے کیا کم ہے؟" اس نے جواب دیا اور سوالیہ روں سے دیکھا۔ "کیا آپ ان کے اصل نام سے واقف ہیں؟"

"آپ سچ کہتی ہیں۔" میں نے سر ہلا دیا۔ "وہ ایک ایسی حسین ساحرہ کہ مردوں ا اپنے طلسم میں قید کرلیں۔ جو بھی ان کی طرف دیکھتا تھا دیکھتا رہ جاتا تھا۔ میں نے اپنی رگی میں ایسی بہت کم حسین عورتیں دیکھی ہیں۔ کیا ان کا اصل نام اوشاسین نہیں ہے؟"

"ان کا اصل نام راج کماری رائے ہے۔" وہ میرے چہرے پر وحشت سی دیکھ رنجیدہ ہوگئی۔

"آپ کو ان کا اصل نام کیسے' کیوں کر اور کس سے معلوم ہوا.....؟ کیا یہ نام سپورٹ میں لکھا ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میں ابھی بتاتی ہوں۔" وہ کہنے لگی۔ "ان کا پاسپورٹ اوشاسین کے نام سے ا تھا۔ میں کوئی ڈیڑھ برس قبل اپنی ایک رشتہ دار بہن کو دیکھنے کلکتہ گئی تھی۔ وہ میری بہن ت بیمار تھی۔ وہ شہر کے بہت بڑے اسپتال میں زیر علاج تھی۔ میں ایک روز اپنی بہن کو کھ کر جب اسپتال کے برآمدے میں آئی تو ٹھٹک کے رُک گئی۔ وہ اس وقت اسپتال کے ہ حصے سے نکل کر اس طرف آرہی تھیں۔ ان کی گود میں نوزائیدہ بچہ تھا۔ ان کے چہرے ایک رانی کی سی تمکنت اور وقار ہی نہیں تھا' بلکہ ممتا کا حسن بھی تھا۔ ان کے ساتھ ان کے بھی تھے اور ان کے پتی کی انگلی ایک ڈیڑھ برس کے بہت ہی خوبصورت اور پیارے ے بچے نے پکڑ رکھی تھی۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو انہوں نے مجھے فوراً ہی پہچان لیا۔ میری طرف بڑھیں۔ وہ میرے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آئیں۔ انہوں نے میرا ارف اپنے پتی سے کرایا۔ انہوں نے بڑے بچے کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ یہ میرا بڑا ا ہے۔ گود والے بچے کے بارے میں بتایا کہ چار دن پہلے پیدا ہوا ہے۔ پھر ان کے کہنے ان کے پتی نے اپنا کارڈ نکال کر مجھے دیا۔ انہوں نے مجھے تیسرے دن اپنے ہاں رات کھانے پر مدعو کیا۔ پھر وہ اپنے پتی اور بچوں کے ساتھ رولس رائس گاڑی میں بیٹھ کر چلی ئیں۔

میں تیسرے دن اپنے پتی کے ساتھ ان کے ہاں پہنچی۔ ان کی کوٹھی کسی محل سے کم نہ تھی۔ ان کے بارے میں میری بہن کی ماتا جی نے بتایا کہ یہ ارب پتی ہیں۔ ہم ان کی شان و شوکت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ وہ کسی مہارانی کی طرح شان و شوکت سے رہتی تھیں۔ ان کے پتی ہندوستان کے ارب پتی لوگوں میں سے تھے۔ ان کے پتی کو اس شہر کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ وہ بھی کسی مہاراجا سے کم نہ تھے۔ بہت خوبصورت، وجیہہ اور دراز قد..... لڑکیاں ایسے ہی راج کماروں کے سپنے دیکھتی ہیں۔ وہ بہت بڑے بزنس مین تھے۔ ان کا بزنس صرف امریکہ اور ہندوستان میں ہی نہیں، بلکہ پورے یورپ اور ایشیا میں پھیلا ہوا تھا۔ وہ کاروباری دنیا میں بے تاج مہاراجا کہلاتے تھے۔ انہیں ہندوستان کے صدر، وزیراعظم اور بڑی بڑی شخصیات اپنے ہاں مدعو کرتی تھیں۔

انہوں نے ہم دونوں کی اس طرح اور اس انداز سے خاطر تواضع کی جیسے ہم کوئی شاہی مہمان ہیں۔ انہوں نے اپنی گرمجوش محبت اور خلوص سے ہم دونوں کو جیسے سدا کے لیے خرید لیا تھا۔ انہوں نے مجھے اور میرے پتی کو بیش قیمت تحائف دیئے، جو ایک ڈیڑھ لاکھ روپے سے کم نہ ہوں گے۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ میری شادی کو تین ماہ کا عرصہ ہوا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ جب کبھی بھی میں کلکتہ آؤں ان سے ملنے چلی آؤں۔ میں آج بھی ان کی محبت اور خلوص کو بھولی نہیں ہوں، نہ ہم کبھی بھول سکتے ہیں۔"

مجھے ایسا لگا کہ کوئی بھونچال سا آ گیا ہے۔ میرا سر چکرانے لگا۔ کمرے کی ہر چیز دھند میں لپٹی اور تیزی سے گھومتی محسوس ہوئی۔ حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور مجھ پر ہذیان کا سا عالم طاری ہو گیا تھا..... میرا دل اچھل کر حلق میں دھڑکنے لگا۔ میں نے اپنا سینہ دبا لیا۔

مجھے حیران اور پریشان اور وحشت زدہ سا دیکھ کر نمرتا کے شوہر سنتوش نے پوچھا

"کیا ہوا سر! خیریت تو ہے....؟"

میں نے جلد ہی اپنے منتشر حواس پر قابو پا لیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ انہیں میری دلی کیفیات، جذبات اور احساسات کا کوئی اندازہ یا احساس ہو جائے۔ میں انہیں اپنے اعتماد میں لینا نہیں چاہتا تھا۔ یہ ایسی کوئی بات نہ تھی جو میں انہیں اعتماد میں لیتا اور پھر وہ میری کسی

بات کا یقین نہیں کرتے۔ کیونکہ میرے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں تھا، جس سے میری بات کی سچائی ظاہر ہو۔

ادھر نمرتا کی آنکھوں میں بھی خوف و ہراس کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس نے سراسیمگی سے پوچھا: "خیریت تو ہے نا.....؟"

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے بہانہ تراشا۔ "دراصل مجھے ہائی بلڈ پریشر کی شکایت ہے۔ کبھی کبھار اور اچانک طبیعت گھبرا جاتی ہے اور چکر آ جاتا ہے۔ جبکہ اس کی کوئی وجہ بھی نہیں ہوتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب آپ آرام کریں۔" نمرتا بولی۔ "آپ کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔"

"اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے کہا۔ "آپ نے ان کے بڑے بچے کی کیا عمر بتائی تھی....؟ ڈیڑھ برس.....؟"

"جی ہاں..... اس وقت وہ ڈیڑھ برس کا تھا اب تو وہ تین برس کا ہو چکا ہوگا؟ دوسرا ڈیڑھ برس کا۔"

میں نے بے یقینی کی حالت میں نمرتا کے چہرے پر اپنی نظریں مرکوز کر دیں اوشا سے میری شادی چار برس قبل ہوئی تھی۔ اس سے علیحدگی ہوئے دو برس ہو رہے تھے۔ کیا اوشا نے مجھ سے طلاق لیتے ہی دوسری شادی کر لی؟ چار برس کے عرصے میں دو اولادیں....؟ یہ کچھ سمجھ میں آنے والی بات نہ تھی..... کیا ایک ارب پتی ایک ایسی مطلقہ سے شادی کر سکتا ہے، جس کی پہلے سے ایک اولاد ہو؟ اور پھر شادی کے وقت وہ حاملہ بھی ہو....؟ ایسا احمق سے احمق شخص بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ بات بعید از قیاس تھی۔

"کیا آپ کو اوشا سین نے اپنی شادی کے بارے میں بتایا تھا کہ ان کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں....." نمرتا نے جواب دیا۔ "میں نے ان سے غیر ارادی طور پر پوچھ لیا تھا۔ بعد میں مجھے احساس ہوا کہ یہ سوال نہیں کرنا تھا۔ یہ خاصا ذاتی سا سوال تھا، جس کی

چنداں ضرورت نہ تھی۔ انہوں نے میری بات کا برا نہیں منایا۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی شادی کو دس برس ہو چکے ہیں۔"

"دس برس....؟" میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ "آپ نے ان کی بات کا یقین کرلیا؟ مجھے نجانے کیوں یقین نہیں آرہا ہے۔"

"آپ کو شاید اس لیے یقین نہیں آرہا ہے کہ وہ شادی کے چھ برس کے بعد دو بچوں کی ماں بنیں۔" نمرتا نے جواب دیا۔ "انہوں نے مجھے اپنی شادی کی البم بھی دکھائی تھی۔ دس برس قبل ان کی شادی کلکتہ شہر میں بڑی دھوم دھام اور ایسے روایتی انداز سے ہوئی تھی کہ وہ آج بھی مثال بن کر رہ گئی ہے۔ لوگ آج بھی اس شادی کے تذکرے اس طرح سے کرتے ہیں جیسے یہ کل کی بات ہو۔"

"ایک ارب پتی ہی ایسی شادی کرسکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "کیا اوشا سین نے ہنی مون کے بارے میں بتایا تھا؟"

نمرتا اپنی کرسی پر کسمسائی اور ساڑھی کا پلو سینے اور شانے پر درست کرتے ہوئے لجا کر بولی۔

"انہوں نے جزیرہ بالی کی تصویریں بھی دکھائی تھیں جہاں وہ دونوں ہنی مون منانے گئے تھے۔"

"دس برس....؟" میرا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ میں نے تحقیر زدہ لہجے میں کہا۔ "انہوں نے مجھے اپنے اور اپنی شادی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور نہ ہی کبھی یہ محسوس ہونے دیا تھا کہ وہ شادی شدہ ہیں۔ وہ شادی شدہ معلوم بھی نہیں ہوتی تھیں۔"

"جی ہاں.... جب میں ان سے ملی تھی وہ ایک کنواری لڑکی ہی دکھائی دیتی تھیں؟" نمرتا نے تائید کی۔ "اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ان کا جسم چھریرا اور متناسب ہے۔ جب ان سے پہلی بار ملاقات ہوئی تھی تب وہ اس قدر سلم نہ تھیں۔"

"عورتوں کو اس بات کا بڑا خیال ہوتا ہے اور وہ دوسری عورتوں کی عمر اور جسامت کے بارے میں سوچتی اور فکرمند رہتی ہیں۔" سنتوش نے کہا۔ "اور اپنے آپ کو

اور سلم اور کم عمر نظر آنے کے جتن کرتی رہتی ہیں۔"

"یہ سب کچھ شوہروں کو خوش کرنے کے لیے کرنا پڑتا ہے۔" وہ اس کی طرف شوخ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "چھ ماہ پہلے میرا وزن تین پونڈ بڑھا تو آپ کہنے لگے تھے کہ تم موٹی ہوتی جارہی ہو۔ پھر مجھے چار پونڈ وزن کم کرنا پڑا۔"

"کیا آپ کے پاس اوشا سین کا پتا موجود ہے؟" میں نے پوچھا۔ "ان کا ٹیلیفون نمبر وغیرہ بھی ہوگا؟"

"جی شاید ہو۔" نمرتا نے سر ہلا کر اپنا پرس کھولا۔ اس میں جھانک کر کوئی چیز ٹٹولتی ہوئی بولی۔ "کیا آپ ان سے ملیں گے؟"

"اتفاق سے مجھے ایک کام سے دو دن بعد کلکتہ جانا ہے۔" میں نے کہا۔ "سوچتا ہوں ان سے مل لوں۔"

"ضرور ملیں...." وہ بولی۔ "میں نے ان سے آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔ انہوں نے اتنا بتایا کہ آپ نے جلد جاب چھوڑ دی تھی۔"

اس نے اپنے پرس میں سے ایک بہت ہی خوبصورت تعارفی کارڈ نکال کر میری طرف بڑھایا۔

"اتفاق سے یہ اب تک میرے پاس موجود ہے۔ آپ اسے رکھ لیں۔ مجھے ان کا پتا یاد ہے۔ اس کی ضرورت نہیں۔"

میں نے نمرتا کے ہاتھ سے کارڈ لیا تو وہ میرے ہاتھ میں خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس پر ایک نام سنہرے پن سے امبوز کیا ہوا تھا۔ مسز راج کماری رائے۔ اس کے نیچے مکمل پتا درج تھا۔ تین ٹیلیفون نمبرز کے علاوہ ایک نمبر اس کا ذاتی تھا۔ یہ نمبر اس نے قلم سے لکھ کر دیا ہوا تھا۔ وہ یہ نمبر شاید خاص خاص لوگوں کو دیتی تھی۔

میں اس رات سونے کے لیے بستر پر لیٹا تو نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ بستر میرے لیے کانٹوں کا بن گیا تھا۔ اس لمحے میرے بدن میں بستر نہیں بلکہ نمرتا کی باتیں کانٹوں کی طرح چبھ رہی تھیں۔ پھر مجھے یاد آیا کہ اوشا ایک برس کی جدائی کے بعد

آئی تو ملن کی رات میں نے اس کا بلاؤز دودھ سے بھیگا ہوا دیکھا تو پوچھا تھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ اس نے ایک بچے کو جنم دیا تھا' جو چند گھنٹے زندہ رہنے کے بعد مر گیا۔ مجھے ایک لمحے کے لیے افسوس ہوا تھا کہ میں باپ بن کر اولاد سے محروم ہو گیا۔ پھر میں زیادہ جذباتی نہ ہوسکا اور اس بچے کے بارے میں اس لیے سوچ نہ سکا تھا کہ یہ ملن کی رات تھی' جو صدی کے کربناک اور طویل انتظار کے بعد آئی تھی اور پھر ایک شاداب اور رسیلا بدن میری دسترس میں تھا' جس کے طلسم نے میرے دل و دماغ کو کچھ بھی سوچنے نہیں دیا تھا۔ پھر مجھے کبھی اس بچے کی یاد نہیں آئی۔ صرف اس کی یاد آتی رہی۔ نمرتا نے یہ انکشاف کر کے مجھے سوچوں کی وادی میں دھکیل دیا تھا کہ اوشا کے دو بچے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میرا بچہ زندہ تھا۔ اوشا نے جھوٹ بولا تھا۔ لیکن اس نے یہ جھوٹ کیوں اور کس لیے بولا تھا؟ دوسرا بچہ جو ہے کیا وہ میرا ہے؟ آخر اوشا نے میرے ساتھ کیا کھیل کھیلا تھا؟ کیوں اور کس لیے.....؟ کہیں وہ اپنے پتی سے کسی بات کا انتقام لینے کے لیے تو نہیں؟ میں جتنا سوچتا اتنا ہی الجھتا اور چکراتا جا رہا تھا۔ مجھے اس گتھی کا کوئی ایسا سرا نہیں مل رہا تھا' جس سے میں سلجھا سکوں؟

پھر میں اپنے بنگلے کے ٹیرس میں آ گیا۔ ایک تو فرحت بخش ہوا چل رہی تھی اور موسم بھی قدرے خنک تھا اور پھر چاروں طرف دُودھیا چاندنی چٹک رہی تھی۔ اس دودھیا چاندنی کے منجمد دریا میں قدرت کے نظارے اور خوبصورت دکھائی دے رہے تھے۔ میرا دل اندر سے بجھا ہوا' ٹوٹا ہوا اور زخمی تھا اس لیے میں لطف اندوز نہیں ہو رہا تھا۔ ہر نظارہ بے کشش لگ رہا تھا۔

میں کرسی پر بیٹھ کر اوشا اور بچوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سامنے والے ٹیلے کی جانب میری نگاہ اٹھ گئی جو بہت دُور تھا اور نہ ہی بہت قریب تھا۔ کنارے پر ڈاک سے ایک موٹر بوٹ بندھی ہوئی تھی۔ اس ٹیلے پر ایک کاٹیج تھا' جو ایک برس سے خالی اور بند پڑا تھا۔ اس میں چار چھ بیڈ رومز' ایک ڈائننگ ہال اور ٹی وی لاؤنج بھی تھا' جو ایک ہال کی طرح کشادہ تھا۔ اس کے علاوہ کچن اور سٹور بھی تھا۔ میں اسے ہوٹل کے لیے کرائے پر لینے

کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ باوجود کوشش کے اس کے مالک سے رابطہ نہ ہوسکا۔ موٹر بوٹ سے یہ لگا کہ وہ شاید آیا ہوا ہے۔

چاروں طرف گہرا سناٹا طاری تھا۔ کسی کسی کاٹیج' سرائے اور دوسرے ہوٹلوں کے کمروں میں روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ مسافر رت جگا کر رہے تھے۔ ایسے موسم میں ہنی مون منانے کے لیے بہت سارے جوڑے بھی آتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس کاٹیج کے برآمدے میں ایک کمرے کا دروازہ کھلا۔ اندر سے ایک سایہ باہر آیا۔ جب وہ برآمدے کے اندھیرے سے باہر روشنی میں آیا تو دیکھا کہ وہ ایک عورت ہے۔ وہ سفید براق ساڑھی اور بلاؤز میں ملبوس تھی۔ اس کے بال جو لمبے سیاہ اور چمکدار تھے' وہ اس کے سڈول اور مخملیں شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ خراماں خراماں اور مستانہ انداز سے چلتی ہوئی نیچے آئی۔ اس کے چہرے کے خدوخال واضح نہیں تھے' کیونکہ اس کے اور میرے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔ البتہ اس کی جسامت ظاہر تھی۔ اس کا بدن چھریرا اور متناسب تھا۔ نشیب و فراز بڑے ہیجان خیز تھے۔ اس کا قد بھی نکلتا ہوا تھا۔

اس نے بڑے سکون اور اطمینان سے ایک ایک کر کے تمام کپڑے بدن سے جدا کیے۔ پھر انہیں موٹر بوٹ میں رکھ دیا' جو اس سے چند قدم پر تھی۔ پھر وہ وہاں سے قدرے ہٹ کر آئی اور پھر پانی میں اتر گئی۔ پھر اس نے ڈبکی لگائی۔ پھر اُبھر آئی۔ پھر وہ تیرنے لگی۔ جب وہ کچھ دیر تک تیر چکی تو پھر کنارے پر آ گئی۔ پھر اس نے ایک صابن کی ٹکیہ اٹھائی۔ پہلے تو اس نے اپنے سر کے بالوں میں صابن لگایا اور پھر جسم پر..... جب وہ صابن اچھی طرح مل چکی اور سفید جھاگ پیدا ہو گیا تب وہ پانی میں اتر گئی۔

جانے کیوں مجھے اس سے ایسا محسوس ہوا کہ یہ عورت اوشا ہے۔ وہی جسامت' قد و قامت' سراپا' بال اور جسمانی نشیب و فراز..... میں نے دل کو سمجھایا کہ یہ واہمہ ہے۔ یہ اوشا کیسے ہوسکتی ہے؟ کیوں ہوسکتی ہے؟ اگر وہ اوشا ہوتی تو میرے پاس آتی۔ لیکن اس کاٹیج میں ٹھہرنے کی کیا ضرورت.....؟ اور پھر اس آزادی اور بے حجابی سے وہ نہاتی نہیں۔

جب دل نہ مانا تو اس کی تسلی اور واہمہ دُور کرنے کے خیال سے میں اندر سے

ڈوربین لے آیا' جو انتہائی جدید اور طاقتور تھی۔ جو میں نے ایک امریکی سیاح عورت سے خریدی تھی۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ چھجے کے باعث ادھر اندھیرا تھا۔ باہر سے کسی کو میں نظر نہیں آسکتا تھا۔ میری یہ حرکت بڑی معیوب سی تھی' لیکن میں دل کے ہاتھوں مجبور تھا کہ اس عورت کو بے حجابی کے عالم میں دیکھوں۔ مجھے اس کی برہنگی سے نہ تو آنکھیں سینکنا تھیں اور نہ ہی حظ اٹھانا تھا۔ میں تو صرف اس کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔

جب میں نے آنکھوں سے ڈوربین لگا کر اس عورت کا چہرہ دیکھا تو میرے ہاتھ سے ڈوربین چھوٹتے چھوٹتے رہ گئی۔

وہ اوشا سین نہیں تھی..... وہ جھرنا تھی..... مجھے یقین نہیں آیا کہ جھرنا ہے۔ میں نے اسے اس وقت دیکھا اور دیکھتا رہا تھا۔ جب تک وہ ٹرکش تولیے سے اپنا بدن خشک کرتی اور بالوں کو جھاڑتی رہی۔ پھر وہ اپنا تولیہ اور موٹر بوٹ سے کپڑے اٹھا کر کاٹیج میں چلی نہیں گئی۔ اس نے دروازہ بند نہیں کیا۔ اس نے دروازہ شاید بے خیالی میں یا اس وجہ سے کھلا چھوڑ دیا کہ اب اس وقت کون اور کیوں آنے لگا۔ یہاں کسی بدمعاش کی آمد کا کوئی خوف و خطرہ نہیں تھا۔

جھرنا.....؟ اس لمحے میں اوشا کو بھول گیا۔ جھرنا یہاں کیوں اور کیسے.....؟ اکیلی کیسے آگئی.....؟ ایسا تو نہیں کہ یہ عورت جھرنا سے مشابہ ہو اور ہنی مون منانے آئی ہو؟ وہ اکیلی نہانے نیچے آگئی جبکہ اس کاٹیج میں واش روم بھی تھے۔ ندی دریا اور تالاب میں نہانے کا لطف اور مزا ہی اور تھا۔ شاید وہ اس لیے نہانے اکیلی ہی آگئی تھی۔

وہ سوفیصد جھرنا ہی تھی۔ میں جھرنا کو اور اس کے چہرے اور خدوخال کو برسوں' صدیوں بعد بھی بھول نہیں سکتا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ جھرنا نے شادی کرلی ہے اور وہ اپنے پتی کے ساتھ ہنی مون منانے آئی ہے۔ اب میں نہ صرف اوشا' بلکہ جھرنا سے بھی محروم ہوگیا تھا۔

کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ کوئی پراسرار' نادیدہ ہستی مجھے کشاں کشاں ڈاک کی طرف لے جارہی ہے۔ میں اس کے آگے بے بس سا ہوکر رہ گیا ہوں۔ پھر میں

اپنی موٹر بوٹ میں بیٹھ گیا اور اس کی رسی کھول دی۔ اس کا انجن سٹارٹ کرنے کے بجائے کشاں کشاں میں چپو سے چلا کر لے جانے لگا۔ میں دل میں حیران تھا کہ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیا ہوگیا ہے؟ میں کیوں اس طرح سے جارہا ہوں۔ وہ تو ہنی مون منانے آئی ہوئی ہے..... اس کا پتی اور وہ خود کیا سوچے گی؟ کیا خیال کرے گی؟ ہوسکتا ہے کہ وہ میرے ساتھ نفرت اور حقارت سے پیش آئے۔ مجھے پہچاننے سے صاف انکار کردے۔

کچھ دیر بعد میں اس کاٹیج کے برآمدے میں قدم رکھ کر اس کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا' جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے اپنے قدم روکنے کی بڑی کوشش کی' لیکن مجھے اس پراسرار نادیدہ طاقت نے اندر دھکیل دیا۔ میں ڈائننگ ہال میں آگیا۔ اس ہال میں اندھیرا تھا' لیکن اس بیڈروم کی روشنی اس میں آرہی تھی' جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ پھر ایک سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک جو عورت کے بدن کی تھی' اس کمرے میں ایک عورت کی موجودگی کا پتا دے رہی تھی۔

میں اس کمرے کی دہلیز پر ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ اس کمرے میں اکیلی تھی۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں کنگھی کررہی تھی۔ اس کے کپڑے کرسی پر پڑے ہوئے تھے۔ وہ آزادی کے لبادے میں تھی۔ مجھے اس کا چہرہ نظر نہیں آیا' کیونکہ زاویہ ہی ایسا تھا۔ وہ گنگنا رہی تھی۔ اسے جیسے ہی میری موجودگی کا احساس ہوا' وہ میری طرف تیزی سے گھومی.....

میں اس لمحے بھونچکا سا ہوگیا اور مجھ پر بجلی سی آگری اور میں سکتے میں آگیا۔ اپنی جگہ ساکت و جامد ہوگیا۔

یہ جھرنا نہیں تھی..... یہ تو اوشا تھی۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا اسرار ہے؟ مجھے اس عورت پر دور سے اوشا کا دھوکا ہوا تھا..... جب دوربین سے دیکھا تو وہ جھرنا تھی۔ دوربین سے مجھے بالکل سامنے کھڑی اور بہت صاف دکھائی دی۔ درمیانی فاصلہ صرف انچوں کا تھا..... میری نظریں اوشا اور جھرنا کو پہچاننے میں دھوکا نہیں کھا سکتی تھیں۔ اور پھر مجھے ایک نادیدہ اور پراسرار ہستی میری نظروں کو جھرنا کا فریب دے کر کشاں کشاں لائی

تھی۔لیکن یہ تو اوشا نکلی تھی۔

میں نے اس لمحے سوچا کہ کہیں میں کوئی سپنا تو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ سپنے ایسے ہی ہوتے ہیں۔چہرے اور منظر بدلتے رہتے ہیں؟ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اوشا میری طرف والہانہ انداز سے بڑھی۔''آپ.....آپ آگئے.....میں آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی۔''

اس نے میرے پاس آ کر میرے گلے میں اپنی مرمریں باہیں حمائل کر دیں اور اس نے مجھے مستی بھری نظروں سے دیکھا۔اس کی آنکھوں میں خودسپردگی تھی۔میں اس سے کچھ کہنے والا تھا۔اس نے مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔اس نے اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں سے پیوست کر دیئے.....پھر ایک زبردست طوفان آیا جو ہم دونوں کو تنکوں کی طرح بہا لے گیا۔ہمیں کوئی اختیار ہی نہیں رہا۔

میں نے طوفان گزرنے کے بعد اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے پوچھا''اوشا یہ سب کیا ہے مجھے بتاؤ.....میں پاگل ہو جاؤں گا۔''

''میرے پتی دیوتا!'' اس نے میرے سینے پر اپنا سر رکھ دیا۔''کتنے عرصے بعد ہم ملے ہیں۔یہ محبت اور ملن کی رات ہے۔شکوے اور شکایتوں کے لیے نہیں ہے۔ایک دوسرے میں کھو جانے اور ایک دوسرے کی ذات کا جزو بن جانے کے لیے ہے۔صرف پیار و محبت کی باتیں کرو.....اس رات کا ایک ایک لمحہ میں تمہاری معیت میں گزار دینا چاہتی ہوں۔اسے ہاتھ سے جانے نہ دو۔''

''یوں تو مجھے تم سے بہت کچھ پوچھنا ہے۔لیکن میں اب اس وقت صرف اپنے بچوں کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔''

اوشا نے اپنا سر اٹھا کر میری آنکھوں میں مخمور نگاہوں سے جھانکا۔پھر وہ کہنے لگی ''اب میں یہاں سے جانے کے لیے نہیں آئی ہوں.....میں اپنی آخری سانس تک آپ کے ساتھ رہ کر اپنا جیون بتا دوں گی۔آپ کی ایک ایک بات اور ایک ایک سوال کا جواب دوں گی۔آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی.....میں تمام چہروں سے نقاب ایک ایک کر کے اٹھا دوں گی۔آپ کی تسلی ہو جائے گی۔''

پھر اس نے میرے ہونٹوں پر اپنے شیریں ہونٹ رکھ دیئے۔پو پھٹنے تک ہم طوفانوں اور جذبات اور نشاط انگیز لمحات کی زد میں رہے۔ہم نے پیار و محبت کی باتوں کے سوا کوئی بات نہیں کی۔یہ رات بھی سہاگ کی پہلی رات سے کم نہ تھی۔اوشا کی محبت اور جذبات میں وہی گرمجوشی، والہانہ پن اور خودسپردگی تھی، جو میں اب تک محسوس کرتا رہا تھا۔

میں کب سویا کب نیند آئی کچھ پتا نہیں چلا۔بیدار ہوا تو دیکھا سورج کی روشنی کھڑکی سے اندر آ رہی ہے۔میں نے دستی گھڑی میں وقت دیکھا تو چار بج رہے تھے۔یہ سہ پہر کا وقت تھا۔میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔میرے کپڑے فرش پر بے ترتیبی سے بکھرے پڑے ہوئے تھے۔اس کے کپڑے کرسی پر رکھے ہوئے تھے۔وہ بستر میں نہیں تھی۔میں نے واش روم اور پورا کاٹیج چھان مارا۔اس کا کہیں وجود نہ تھا۔کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکا ڈاک پر اس کی موٹر بوٹ نہ تھی، میری موٹر بوٹ موجود تھی۔

میں سر پکڑ کے بستر پر بیٹھ گیا۔کہیں یہ سپنا تو نہیں تھا؟ یہ سپنا نہیں تھا۔یہ ایک حقیقت تھی۔اس کی موجودگی کا ثبوت ایک نہیں تھا۔بہت سارے ثبوت موجود تھے۔بستر کی چادر کی شکنیں رات کا فسانہ سنا رہی تھیں اور اس کے بدن کی سوندھی سوندھی مہک بھی اس میں بسی ہوئی تھی۔اس کے سر کے کچھ بال بھی چادر پر پڑے تھے۔اس کے علاوہ دودھ کے گلاس سرہانے والی میز پر دھرے تھے۔اس کی سفید ساڑھی اور بلاؤز.....مگر کیا وہ بے لباس چلی گئی؟

میں کپڑے پہن کر باہر آیا۔پھر موٹر بوٹ سے سیدھا ہوٹل گیا۔سوچا کہ نمرتا کو بتا دوں؟ لیکن وہ اس بات کا یقین کرنے سے رہی تھی۔وہ اسے سپنا ہی کہے گی۔پھر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں؟ میرا کوئی ہمراز اور ہمدم تھا نہیں۔مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میں سوچ سوچ کر پاگل ہو جاؤں گا۔اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا کہ یہ سپنا نہیں تھا۔اوشا رات آئی تھی۔

میں ہوٹل پہنچا تو منیجر نے میرے دفتر کے کمرے میں آ کر کہا''سر! مجھے کل صبح تین گھنٹے کی چھٹی چاہیے۔''

"وہ کس لیے....؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "کیا تمہیں کوئی کام آن پڑا ہے؟ دیکھ نہیں رہے ہو ہوٹل مسافروں سے بھرا ہوا ہے۔"

"اس لیے کہ میری جوان بیٹی شانتی پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اس پر کوئی بدروح آ گئی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"تمہاری بیٹی پر کس لیے جادو کر دیا گیا؟" میں نے پوچھا۔ "اس پر بدروح آ گئی ہے تو کیا کرو گے؟"

اس لیے کہ میری بیٹی بہت خوبصورت ہے اور آپ نے اسے دیکھا ہوا ہے۔" وہ بتانے لگا۔ "اس کے لیے دو تین رشتے آئے تھے۔ لڑکے اچھے نہ تھے اور نہ ان کے والدین۔ میں نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو انہوں نے دشمنی میں عمل کروا دیا ہے۔ میں اس کے توڑ کے لیے ایک سادھو مہاراج کے پاس جا رہا ہوں۔ ان کا نام ایشور بابا ہے۔ وہ ہر قسم کے جادو کا توڑ اور غائب کا حال جانتے ہیں۔ ان کے پاس مؤکل بھی ہیں۔ وہ بدروح کو نہ صرف بھگا دیں گے، بلکہ عمل کرانے والے کے بارے میں بھی بتا دیں گے۔"

میں نے کلکتہ جانے کا پروگرام بنا لیا۔ اب میں اوشا سین سے ملنے جانا چاہتا تھا۔ اس نے تیسری بار مجھے دھوکا دیا تھا۔ رات جو میرے ساتھ واقعہ پیش آیا تھا وہ بے حد پراسرار، ناقابل فہم اور بے حد الجھا ہوا تھا۔ اس نادیدہ ہستی نے مجھے اس کاٹیج پر پہنچایا تھا۔ میری نظروں کو جھرنا کا جو دھوکا ہوا تھا، وہ بھی حیرت انگیز اور ناقابل یقین تھا۔

جب دوسرے دن ایک بجے دوپہر منیجر آیا تو وہ بہت خوش تھا۔ میں نے اس سے پوچھا "کیا رہا؟"

"ایشور بابا نے نہ صرف بدروح کو بھگا دیا، بلکہ اس کا نام بھی بتا دیا جس نے عمل کرایا تھا۔" منیجر نے جواب دیا۔

"ایشور بابا کہاں بیٹھتے ہیں؟" میں نے کہا۔ "مجھے ان سے ایک چھوٹا سا کام لینا ہے۔ کیا وہ میرا کام کر دیں گے؟"

"وہ سپاری کے درختوں والے باغ میں جو سامنے والے جنگل میں واقع ہے۔

ں نگر میں۔" منیجر نے بتایا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے دل میں سوچا کہ کلکتہ جانے سے پہلے کیوں نہ میں شور بابا سے مل لوں۔ انہیں رات کے واقعہ کے بارے میں بتا کر پوچھوں کہ کیا وہ واقعہ سچا یا سپنا تھا۔ وہ نادیدہ ہستی کون تھی؟ کیا کسی نے عمل کیا تھا؟

میں دوسرے دن اکیلا ہی موٹر بوٹ سے ناگ نگر جا پہنچا، جو جنگل میں واقع تھا۔ شور بابا کی جھونپڑی کا پتا آسانی سے چل گیا۔ ناگ نگر میں چکمہ قبیلے کی آبادی تھی۔ یہاں ں دھڑنگ مرد، بچے اور عورتیں بھی تھیں۔ صرف جوان مرد اور عورتوں نے پتوں سے ر پوشی کی ہوئی تھی۔ اس لیے بھی کہ خرید و فروخت کے لئے شہر اور مختلف علاقوں سے اروباری آئے رہتے تھے۔ اس آبادی میں تمباکو کی کاشت کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ رک، سپاری اور ناریل کی پیداوار تھی۔ سگار بھی بنائے جاتے تھے۔ اگر ایک دو میل اور اندر یا جائے تو وہاں ستر پوشی نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ یہ صدیوں سے اسی طرح رہتے رہے تھے۔

ایشور بابا بنگالی تھے۔ ان کی چوکھٹ پر میں نے دو بڑے بڑے سانپ دیکھے تو ر گیا۔ ان کا ایک آدمی جو باہر موجود تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کو یہ سانپ کچھ نہیں کہے گا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ میں نے انہیں نمسکار کیا۔ میں نے بہت اچھا آدمی پایا۔ ان کے چہرے پر بڑی محبت تھی اور لہجے میں بڑی نرمی تھی۔

"آؤ موہن لال...." انہوں نے میرا نام لے کر مخاطب کیا تو میں ان کی زبان سے اپنا نام سن کر حیران رہ گیا۔

"آپ میرا نام کیسے جانتے ہیں؟" میں اپنی حیرت چھپا نہ سکا۔ "میں یہاں پہلی ر آیا ہوں۔"

"جب میں کسی کا چہرہ دیکھتا ہوں تو اس کا نام مجھے معلوم ہو جاتا ہے۔" وہ لے۔ "میں جانتا ہوں کہ تم کس لیے آئے ہو؟"

میں بھونچکا سا ہو گیا۔ "آپ.... آپ کیسے جانتے ہیں؟" میری زبان لڑکھڑائی۔

"یہ سب مت پوچھو.... تم جس لیے آئے ہو وہ رام کہانی مجھے سناؤ۔ میں تمہاری مشکل حل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

میں نے صرف کل رات کے واقعہ کے بارے میں قدرے تفصیل سے بتایا۔ وہ غور اور توجہ سے سنتے رہے۔

جب میں اپنی رام کہانی سنا چکا تو وہ کچھ دیر آنکھیں بند کیے جاپ کرتے رہے۔ پھر کہنے لگے۔

"رات تمہارے ساتھ جو حیرت انگیز واقعہ پیش آیا تھا' وہ سپنا نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ وہ عورت جھرنا نہیں اوشا ہی تھی۔"

"دراصل مجھے ایک خیال نجانے کیوں آیا تھا کہ جھرنا نے مجھے حاصل کرنے کے لیے اوشا کا روپ بھرا۔" میں نے کہا۔

"میں نے ابھی اپنے مؤکل کو بلایا ہے۔" ایشور بابا کہنے لگا۔ "میں جتنا معلوم کرسکتا تھا اتنا میں نے معلوم کرلیا ہے۔ ابھی اور کچھ معلوم کرنا ہے۔ میرا مؤکل فوراً جا کر تھوڑی ہی دیر میں سب کچھ معلوم کر کے آجائے گا۔ وہ اس نادیدہ ہستی کے بارے میں بھی بتا دے گا' جس نے تمہیں وہاں جانے میں اپنی شکتی کا مظاہرہ کیا اور تمہیں وہاں جبر سے لے گئی۔"

چند لمحوں کے بعد دیوار کے پاس فرش پر ایک سفید سا دھواں اٹھا تو میں گھبرا سا گیا۔ ایشور بابا نے مجھے اشارے سے کہا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ پھر یہ دھواں اوپر اٹھتا اور پھیلتا گیا۔ کوئی سات آٹھ فٹ بلند ہونے کے بعد پھر اس نے ایک انسانی شکل کی ہیت اختیار کرتے ہوئے وہ ایک انسان کے روپ میں آ گیا۔ اس کی جسامت ایک دیو کی طرح تھی۔ وہ دیو ہی تھا۔ اس کی صورت اتنی بدصورت تھی کہ دیکھتے ہی خوف آتا تھا۔ اس کی آنکھیں مرغی کے انڈوں سے بہت بڑی اور سرخ تھیں۔ اس کے دانت لمبے اور باہر کو نکلے ہوئے تھے۔

"سادھو مہاراج! میرے لیے کیا حکم ہے؟" اس نے جھک کر بڑے مؤدبانہ

ے میں کہا۔ "آپ نے غلام کو کس لیے یاد کیا؟"

ایشور بابا کے کہنے پر میں نے اسے رات والا واقعہ قدرے تفصیل سے بتایا۔ وہ
رے سے میری زبانی میری کہانی سنتا رہا۔

"تم ابھی جاؤ.... جتنا جلد معلوم کر کے آ سکتے ہو آؤ.... کہ یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ
ا کھیل کس کا ہے؟" ایشور بابا نے کہا۔

پھر وہ نظروں کے سامنے ایک دم سے اس طرح غائب ہو گیا جیسے گدھے کے سر
ے سینگ۔ میں دیکھتا ہی رہ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اچانک نمودار ہوا۔ پھر ایشور بابا کے کہنے پر بتانا شروع کیا۔

"رات جو عورت کاٹیج میں نظر آئی تھی' جس پر جھرنا کا دھوکا ہوا تھا وہ جھرنا نہیں'
ہ راج کماری رائے نامی ایک عورت ہے۔ اس نے کلکتہ میں ایک جادوگرنی مالنی کی
مات حاصل کیں تاکہ ان کے ساتھ رات گزار سکے۔ مالنی کالی ماتا کی تابع ہے۔ وہ
رت یعنی راج کماری رائے اس لیے ان کے ساتھ رات گزارنے کے لیے بیتاب تھی کہ
اپنے محبوب کے بچے کی ماں بن سکے۔ مالنی نے اس عورت کے ساتھ اپنی موکلہ شیمالہ کو
ج دیا جس نے شکتی اور منتر سے نادیدہ ہستی بن کر راج کماری کو کچھ دیر کے لیے جھرنا کا
پ دے دیا تھا' تاکہ یہ یہاں پہنچ جائیں۔ پھر وہ موکلہ انہیں کشاں کشاں لے کر کاٹیج پر
نا۔ پھر راج کماری اپنی اصل شکل میں آ گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ جھرنا کے روپ میں
اسے ملے۔ راج کماری کے کہنے پر موکلہ اسے اس کے اصل روپ میں لے آئی تھی۔ پھر
ں عورت کے ساتھ رات گزارنے پر مجبور ہوئے۔ ان دونوں نے رات گزاری۔ وہ اس
، یہاں آئی' ان سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ رات بسر کی کہ لڑکی کی ماں بن
ئے۔ اس عورت کے جو دو لڑکے ہیں ان کے شریر میں ان کا ہی خون دوڑ رہا ہے۔ وہ یہ
تی تھی کہ یہ لڑکی کے باپ بن جائیں۔ کسی وجہ سے راج کماری کی یہ آشا پوری نہ ہوسکی۔
ا اب اس موقع کی تلاش میں ہے کہ ایک وہ ایک رات اور ان کی زندگی میں جائے۔ پھر
امید سے ہو جائے گی۔ اس موکلہ نے صبح کے اجالے سے پہلے اس عورت کو اس کے گھر

پہنچا دیا۔ کچھ دنوں میں وہ عورت کسی اور روپ میں یا اصل روپ میں ان کی زندگی میں آنے والی ہے۔"

جب وہ موکل اتنا کچھ بتا چکا تو ایشور بابا نے اپنے موکل کو واپس جانے کا حکم دیا۔ وہ جس طرح سے آیا تھا اسی طرح دھوئیں کے غبار میں تبدیل ہو کر چلا گیا۔ یہ سب کچھ میں نے بہت حیرانی سے سنا اور دیکھا تھا۔ میں نے ایشور بابا کا شکریہ ادا کیا۔ میں ان کے لیے جو اناج' پھل اور کپڑے لایا تھا' انہیں پیش کر کے چلا آیا۔

اس موکل نے جو کچھ بتایا اور میں نے اسے ظاہر اور غائب ہوتے دیکھا' وہ نظروں کا دھوکا اور شعبدہ بازی نہیں تھی۔ میں نے جادو' بھوت پریت اور بدروحوں کے بارے میں بہت کچھ صرف سنا تھا۔ بنگال کے جادوگر اور ان کا جادو ساری دنیا میں مشہور تھا۔ اس بار اوشا نے جادو کا سہارا لے کر مجھے اپنا اسیر بنایا۔ وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہتی تھی وہ پا نہ سکی۔ اس کے لیے ایک اور کوشش کرنے والی تھی۔ یہ بات میرے لیے حیران کن اور معمہ تھی کہ وہ کیوں اور کس لیے صرف میرے بچوں کی ماں بننا چاہتی ہے؟ آخر اس میں کیا اسرار ہے؟

مجھے اس بے وفا کے شہر میں جانے کے لیے دس بارہ دن لگ گئے۔ میں ویزے کے لیے ڈھاکہ گیا تو ہندوستان کا ویزا آفس شہر میں ہڑتال اور ہنگاموں کے باعث تین دن تک بند رہا۔ شہری زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر تین دن ہفتہ وار چھٹی کی نذر ہو گئے۔ رش کی وجہ سے تین دن کے بعد ویزا مل سکا۔ ویزا ملتے ہی میں کلکتہ جا پہنچا۔

میرے سینے میں ایک ایسی آگ بھڑک اٹھی جسے میں بجھانے کے لیے چلا آیا تھا اور اسے صرف اوشا ہی بجھا سکتی تھی۔ دوسری طرف مجھے ایک معمہ اور اسرار بھی حل کرنا تھا۔ یہ بھی اوشا ہی حل کر سکتی تھی۔ میرے دل و دماغ میں بہت سارے سوالات آتش فشاں کے لاوے کی طرح پک رہے تھے اور میرا دماغ بھی دہکتا ہوا آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ ان سوالات کا جواب مجھے ہر قیمت پر چاہیے تھا۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ میری زندگی بے معنی اور بے کیف سی ہو گئی تھی۔ میں زندہ درگور ہو گیا تھا۔

میں نے ہوٹل میں سامان رکھا اور اوشا کی محل نما کوٹھی پر جا پہنچا۔ مجھے نمرتا کے ن کی بھی تصدیق کرنا تھی۔ مجھے پورے کلکتہ شہر میں کوئی کوٹھی اتنی بڑی اور عظیم الشان عائی نہیں دی تھی۔ میں اس کوٹھی کے آس پاس منڈلانے لگا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا ہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں کس طرح اور کیسے اس سے رابطہ کروں؟ کیا بے دھڑک اس ے ملنے چلا جاؤں؟ میرا دماغ ماؤف سا ہو رہا تھا۔ اوشا کی اور میری راہیں جدا ہو چکی یں۔ اس نے تو اپنی منزل پالی تھی اور اس نے مجھے ایک نادیدہ نرک میں اپنے ناکردہ ناہوں کی سزا پانے کے لیے جھونک دیا تھا۔ اب میں اس نرک سے نکل نہیں سکتا تھا۔

جس سڑک پر یہ کوٹھی واقع تھی وہ دور دور تک سنسان اور ویران پڑی ہوئی تھی۔ ک لخت اس کوٹھی کا بڑا سا پھاٹک کھلا اور میری نظر ایک مسلح دربان پر پڑی۔ اس کی شکل یکھ کر میں چونک پڑا۔ وہ شامو تھا اور میرے بدن پر سنسنی دوڑ گئی۔ میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ کوٹھی ے اندر سے ایک لمبی سفید سی گاڑی باہر آئی۔ پچھلی نشست پر اوشا براجمان تھی۔ اس کے ابر ایک تین برس کا اور ایک ڈیڑھ برس کا لڑکا تھا۔ دونوں بچوں کی صورتیں بڑی پیاری یاری سی تھیں۔ وہ ہو بہو اوشا کے عکس تھے۔ انہیں دیکھتے ہی میرے دل میں پیار کا جذبہ ھر آیا۔ خون نے جیسے جوش مارا تھا۔ میرے بس میں ہوتا تو میں گاڑی رکوا کر ان بچوں کو ینے میں جذب کر لیتا۔ اوشا بڑی تمکنت سے بیٹھی ہوئی تھی۔ بچوں سے نہ صرف ہنس ہنس کر تیں کیے جا رہی تھی' بلکہ انہیں چوم بھی رہی تھی۔ اوشا کی نگاہ مجھ پر اس لیے نہیں پڑ سکی کہ وہ وں کی طرف متوجہ تھی۔ اس رات جو وہ میری زندگی میں آئی تھی' تب میں نے اسے قریب ر غور سے دیکھا تھا۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ نکھر گئی تھی۔ میں اس دھول اڑاتی ہوئی گاڑی کو ں وقت تک دیکھتا رہا تھا' جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔ میں ساکت و جامد سا ھڑا رہا۔

جب میں کسی خیال کے تحت پلٹا تو شامو کو اپنی جانب متوجہ پایا۔ وہ مجھے خالی الی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مجھ میں نہ جانے کہاں سے اتنی ہمت آ گئی کہ میں بے خوفی ے اس کی طرف بڑھا۔ مگر وہ اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا رہا۔ اس نے اپنی جگہ سے حرکت

تک نہیں کی۔ میں اس کے بالکل سامنے جا کر دیدہ دلیری سے کھڑا ہو گیا۔

''آپ....؟'' اس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ خوف کا شائبہ بھی تھا۔ اس کی آواز میں ارتعاش تھا۔ میں نے اس ظالم اور سفاک ترین شخص کو پہلی بار خوفزدہ دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ سفید پڑتا چلا گیا۔

''تمہیں حیرت ہو رہی ہوگی میں یہاں کیسے....؟'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔ ''تم کوئی خواب نہیں دیکھ رہے ہو؟ یہ میں ہوں۔ میں تمہاری مالکن کو تلاش کرتا ہوا پرانا حساب چکانے آیا ہوں۔ اس کے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ سوچ لو۔''

شامو گویا سکتے کی سی کیفیت سے نکل آیا۔ ''اب آپ کا مالکن سے کیا تعلق؟'' اس نے مرتعش آواز میں کہا۔

''کیوں.... میرا اس سے تعلق کیوں نہیں ہے....؟ میرا اس سے جسمانی تعلق رہ چکا ہے۔ تم اس سے انکار نہیں کر سکتے۔''

''وہ تو اب کسی اور کی عزت بن چکی ہے۔'' اس کی آواز کھوکھلی تھی۔ ''اب آپ کیا لینے آئے ہیں؟''

''میں اس عزت، ذلت اور دُکھ کی کہانی اس شہر والوں کو سنانے آیا ہوں۔'' نجانے کیوں میں جذباتی سا ہو گیا۔

''نہیں.... نہیں!'' شامو تڑپ کر بولا۔ ''بھگوان کے لیے ایسا نہ کیجیے.... یہ بہت بڑا انیائے ہوگا۔''

''جب میری زندگی اور چین سکون غارت کر دیا گیا ہے تو میں تمہاری مالکن کو کیوں آسانی سے بخش دوں؟'' میں نے زہرخند کہا۔

''ایسا نہ کیجیے میرے سرکار۔'' شامو نے سراسیمہ ہو کر میرے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ ''بھلے آپ میرے سینے میں خنجر گھونپ دیں، مگر میری مالکن پر کوئی داغ نہ لگائیں.... ان کا دامن پاک صاف ہی رہنے دیں۔''

''اس عورت پر کوئی داغ دھبا لگ جائے گا تو کیا ہوگا....؟ اس سے کیا فرق

ے گا؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اس طرح ایک بنا بنایا آشیانہ اجڑ جائے گا.... ان کے بچے جو نازک پھولوں کی رح ہیں، وہ پتیاں بن کر بکھر جائیں گے.... بھگوان کے لیے میری مالکن پر نہ سہی ان ھوموں پر رحم کریں۔ ان کے دم سے آج یہ دنیا آباد ہے۔'' وہ میرے قدموں پر گر پڑا۔

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس وحشی درندہ شخص کو دیکھ رہا تھا، جس کے اندر چھپے وئے انسانی جذبے نے آج اسے اس قدر کمزور اور بزدل بنا دیا تھا.... محض ایک گھر کی شیوں کے لیے.... ان دو پھولوں کے لیے.... میں نے اس پر یہ ظاہر نہیں کیا کہ میں اس از سے واقف ہو چکا ہوں کہ وہ بچے میرے ہیں۔ میں اوشا کو اس کی بات سن کر معاف ردوں، یہ انصاف نہیں تھا۔ میری خوشیاں اور خواب چھین لیے گئے تھے.... آخر مجھے یہ کس م کی ایسی اذیت ناک سزا دی گئی تھی۔

''آخر تم میرا دوش بھی تو بتاؤ شامو!'' میں نے کربناک لہجے میں کہا۔ ''میرے اتھ اتنا بڑا ظلم کس لیے کیا گیا....؟ میں نے کیا بگاڑا تھا جو میری زندگی ملیامیٹ کر دی ئی....؟ کیا میں آدمی نہیں ہوں؟ کیا میرے جذبات و احساسات نہیں ہیں؟''

وہ اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی حالت بڑی غیر ہو رہی ی۔

''سرکار! یہ تو زمانے کا دستور ہے کہ اپنی خوشیوں کے لیے دوسروں کا گھر اجاڑا اتا ہے.... خون کیا جاتا ہے.... میں ایک بات آپ کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ ب آپ یہاں سے کچھ نہیں پا سکیں گے؟ آپ سوچ لیں۔''

''کیا تم مجھے مشورہ دے رہے ہو یا دھمکی....؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں نکھیں ڈال کر پوچھا۔

''جی نہیں.... یہ دھمکی نہیں ہے، بلکہ ایک دوستانہ مشورہ ہے۔ یہ آپ کے حق میں تر ہوگا کہ آپ جس طرح سے آئے ہیں، اسی طرح واپس چلے جائیں.... میں مالکن سے ہہ کر آپ کے قدموں میں منہ مانگی رقم لا کر ڈال دوں گا۔'' شامو نے کہا۔

”دنیا میں ویسے بھی سب کچھ پیسہ نہیں ہوتا ہے شامو!“ میں نے تیزی سے کہا۔

”کیا تم مجھے زرخرید غلام سمجھتے ہو؟ میں بکاؤ مال ہوں؟“

”یہ بات آپ نے پہلے کیوں نہیں سوچی تھی....؟ اس نے گرفتہ لہجے میں کہا۔

”آپ بھول رہے ہیں کہ جب آپ نے انٹرویو دیا تھا۔ میری مالکن سے کیا کہا تھا؟ آپ نے کیا محض دولت کی خاطر ایک کتے کی سی غلامی اور وفاداری نبھانے کا وعدہ نہیں کیا تھا....؟ اب کہاں ہے وہ آپ کی وفاداری....؟“ اس کا لہجہ یکا یک تند ہوگیا۔”انسان اور کتے میں یہی ایک تو فرق ہے کہ کتا اپنی اوقات کبھی نہیں بھولتا ہے.... آدمی احسان فراموش اور طوطا چشم بن جاتا ہے۔“

اس کی بات نے مجھے لاجواب کر دیا۔ میں بغلیں جھانکنے لگا۔ اب میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ رہا تھا۔ پھر میں نے قدرے پس و پیش کے بعد کہا”میں یہ تہیہ کر کے آیا ہوں کہ تمہاری مالکن سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔“

”اب آپ ان سے مل کر کریں گے کیا....؟ شامو نے پوچھا۔”اس ملاقات سے کیا حاصل ہوگا؟“

”میرے سینے میں تمہاری مالکن نے خلش کا جو خنجر اتارا ہے‘ میں اسے نکالنا چاہتا ہوں....“ میں نے کہا۔

شامو کی متجسس آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ یک لخت اس کے ہونٹوں پر زہر خند مسکراہٹ اُبھر آئی۔

”سرکار! کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ایک پھانس نکالنے جائیں اور دوسری پھانس گڑ جائے؟“

”تم کچھ بھی کہو شامو!“ میں نے ہٹ دھرمی سے کہا۔”میں اوشا سین سے ہر قیمت پر مل کر رہوں گا۔“

”اوشا سین تو کب کی مر چکی ہیں۔“ اس نے گہری سانس لی۔”آج صرف راج کماری رائے زندہ ہیں۔ وہی آپ سے ملیں گی۔ آپ بتائیں کہ آپ کہاں ٹھہرے ہوئے

ہیں؟“

میں نے ہوٹل کا نام اور پتا بتایا تو اس نے کچھ سوچ کر کہا” وہ اس قسم کے ہوٹلوں اور عام جگہوں پر نہیں جاتی ہیں‘ کیونکہ انہیں اس شہر کے لوگ بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ ان سے میرے گھر پر مل لیں‘ جو بیڈن روڈ پر واقع ہے۔“

میں نے شامو کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ لیکن مجھے اس کی آنکھوں میں کسی سازش کی پرچھائیاں نظر نہیں آئیں۔ لیکن میں اس پر بھروسا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس روز اس نے مجھے موت سے ہمکنار کرنے کی کوشش کی تھی۔

میں نے اسے تنبیہ کی”شامو! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے دھوکے سے قتل کر دو گے‘ تو یہ محض تمہاری حماقت ہوگی۔ اس لیے کہ میرا ایک مہمان دوست ہے‘ جو اخبار امرت پتریکا بازار میں کرائم رپورٹر ہے۔ وہ مجھے نہ پا کر تمہاری مالکن کی کہانی اس اخبار میں چھاپ دے گا۔ تم جانتے ہو کہ یہ اخبار کتنا بڑا اور کثیر الاشاعت ہے۔ تب تم کیا کرو گے....؟“

میں نے اسے محض دھمکی دینے کے لیے نفسیاتی حربہ آزمایا تھا۔

”آپ ایک منٹ ٹھہریں.... میں ابھی آتا ہوں“ اتنا کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا۔ اس نے ایک چابی اور ایک پرزہ میری طرف بڑھایا۔ اس پرزے پر ایک پتا لکھا ہوا تھا۔

”یہ ایک لگژری فلیٹ کی چابی ہے‘ جس میں غیر ملکی مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا ہے۔“ شامو نے کہا۔”آپ ٹھیک رات نو بجے اس فلیٹ پر پہنچ جائیں۔ تھوڑی دیر بعد مالکن یہاں پہنچ جائیں گی۔ گیٹ پر سکیورٹی گارڈ آپ کو روکے گا تو اس سے کہہ دیں کہ آپ ستیش رائے کے مہمان ہیں اور اسے یہ چابی دکھا دیں‘ وہ آپ کو جانے دے گا۔“

☆......☆......☆

میں کوئی پونے نو بجے اس عمارت پر پہنچا' جس میں یہ فلیٹ تھا۔ اس عمارت
نام تھا شنگریلا ہائیڈ.... یہ ایک دس منزلہ عمارت تھی جس کے وسیع وعریض احاطے میں شاند
قسم کی گاڑیاں پارک تھیں۔ اس عمارت میں جو لوگ اقامت پذیر تھے' وہ لکھ پتی اور کروڑ
تھے۔ اوشاسین کا فلیٹ نویں منزل پر واقع تھا۔ سکیورٹی گارڈ نے چابی دیکھنے کے بعد مج
جانے کی اجازت دے دی۔

میں خود کار لفٹ سے ساتویں منزل پر پہنچا۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا ایک
دم سے رُک گیا۔ دروازہ بند کر کے اس فلیٹ کو دیکھنے لگا' جو کسی شاہی محل سے کم نہ تھ
نہایت آراستہ و پیراستہ تھا۔ وہ روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ اس کا ماحول نہ صرف سحر انگیز' بلک
خواب ناک تھا۔ میں نے ایسا فلیٹ کسی فلم میں کیا سپنوں میں بھی نہیں دیکھا تھا۔
خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔

میں ایک بیڈروم کی طرف بڑھا تھا کہ ٹھٹک کے رُک گیا۔ اوشاسین اس
سے باہر آ رہی تھی۔ وہ شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھی۔ اس کا شعلوں کی طرح آنچ
جسم اس لباس میں اس طرح چھلک رہا تھا' جیسے کانچ کی صراحی میں شراب چھلکتی ہے۔ ا
کے جادو بھرے بدن کی قیامتیں مجھے ڈسنے لگیں۔ وہ اور اس کا بدن میرے لیے اجنبی نہی
تھا' لیکن مجھے ایسا لگ رہا تھا میں اسے پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھ
ایسا بدن' ایسی جاذبیت اور حسن کی کرشمہ سازیاں نہیں دیکھی ہیں۔

وہ میری طرف مسکراتی' لچکتی اور وارفتہ انداز سے بڑھی تو مجھے اس لمحے ایشور
کے موکل کی بات یاد آئی اور اس روز کا واقعہ' جو کاٹیج میں پیش آیا تھا۔ میرے دل کے

کونے میں شک کی لہر اٹھی۔ کہیں ایسا تو نہیں غرض پوری کرنے کے بعد موت کی نیند سلا
دے۔ شامو نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ یہ آخری ملاقات ہوگی۔ میں نے دل میں فیصلہ
کرلیا تھا کہ میں جذبات کی رو میں نہیں بہوں گا۔

وہ میری طرف بڑھ رہی تھی اور میں غیر محسوس انداز سے پیچھے ہٹ رہا تھا۔ لیکن
میں اس ساحرہ کے جادو سے بچ نہیں سکا۔ اس نے مجھے طوفان کی زد میں لے لیا۔ طوفان
گزر جانے کے بعد وہ واش روم میں چلی گئی۔ پانی گرنے کی آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر میں
نے سوچا کہ آخر اس نے مجھے فتح کرلیا۔ اب وہ میری بچی کی ماں بننے والی تھی.... کوئی نو
دس مہینے کے بعد.....

جب وہ واش روم سے نکل کر آئی تو اس کے جسم پر بھڑکیلا لباس تھا۔ اس وقت وہ
اوشاسین نہیں راج کماری تھی۔ اوشاسین سے یکسر مختلف اور بدلی ہوئی۔ ہم دونوں کی نظریں
چار ہوئیں اور ہم دونوں کئی ثانیوں تک خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ اس طرح
ست جیسے ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوں۔ اس کا حسین چہرہ سپاٹ اور ہر قسم
کے جذبات سے عاری تھا۔ مگر اس کی بڑی اور حسین آنکھیں اپنی دلی کیفیت کو چھپا نہیں
سکی تھیں۔ ان آنکھوں میں ایک انجانا دکھ صاف جھلک رہا تھا۔ میرے دل میں آیا کہ
آگے بڑھ کر اسے دبوچ لوں۔ لیکن اب میں ایسی حرکت کر کے اپنے پیروں پر کلہاڑی نہیں
مارنا چاہتا تھا۔ میں نے تو فیصلہ کرلیا تھا کہ میرے سینے میں برسوں سے خلش کا جو خنجر
پیوست ہے' اسے نکال کر رہوں گا۔

وہ بے رُخی کے انداز سے نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی سچ مچ کی کسی راج کماری کی
تمکنت کے ساتھ میرے پاس سے گزر کر سامنے پڑی ہوئی کرسی پر جا بیٹھی۔ میں نے سوچا
کہ یہ تھوڑی دیر پہلے کی اوشاسین جس نے مجھے محبت گرمجوشی اور خود سپردگی سے اپنے آپ کو
میرے حوالے کردیا اور کسی بدلی کی طرح برستی رہی۔ اس نے جو کچھ کیا وہ کس لیے یہ میں
بھی جانتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نہیں جانتا ہوں۔ ایشور بابا کے موکل نے جو کہا تھا وہ
بات پوری ہوگئی تھی۔ انجان رہنا ہی مناسب تھا اور پھر مجھے اس موضوع کو ابھی چھیڑنا بھی

نہیں تھا۔

جب میں بھی ایک کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا‘ تو اس کی کھلی آنکھوں میں ایک وحشت سی ابھرنے لگی جیسے اس نے میرے بشرے سے ایسی کوئی بات بھانپ لی ہو جو اس کے لیے پریشانی کا سبب بن گئی ہے۔ میں نے اس کے سراپا میں ایک ارتعاش سا دیکھا‘ جسے وہ مجھ سے بہ دقت چھپانا چاہتی تھی۔ میں پندارِ حسن کے اس دبدبے کے سامنے مرعوب سا ہو گیا اور اسے دیکھنے لگا۔ کمرے میں ایک سکوت سا چھا گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اپنی گفتگو کا آغاز کہاں سے کروں؟

”موہن لال صاحب!“ اس کی آواز میں لرزیدگی کے باوجود اس کے مزاج کا رُعب ابھر آیا۔ ”آپ نے مجھے یاد کیا اور میں حاضر ہو گئی ہوں۔ جبکہ میں اس کی پابند نہیں تھی۔ تاہم فرمائیے.... آپ مجھ سے کس لیے ملنا چاہتے تھے؟“

”موہن لال صاحب نہیں صرف موہن....!“ میں نے سرکش لہجے میں کہا۔ ”تمہارا اپنا موہن۔“

”جی نہیں....“ اس کی شہابی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس کا چہرہ تمتما گیا۔

”کیوں نہیں....؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہارا سب کچھ تھا اور آج اب بھی ہوں۔“

”کبھی آپ میرے لیے سب کچھ تھے۔ آج میرے لیے کچھ بھی نہیں ہیں۔ آپ صرف موہن لال ہیں۔ ایک اجنبی آدمی ہیں۔“

مجھے اوشا کا یہ لب و لہجہ اور تخاطب کا انداز بہت ناگوار گزرا۔ میں نے بجھے ہوئے لہجے میں اس سے کہا۔

”اوشا! وہ رشتہ اتنا نازک تو نہیں تھا کہ اسے کسی کچے دھاگے کی طرح توڑ دیا جائے.... کیا رشتے اس لیے ہوتے ہیں؟“

”میں اوشا نہیں راج کماری ہوں۔“ اس کی آواز حلق میں گھٹ رہی تھی۔ ”میں آپ سے راج کماری بن کر ملنے آئی ہوں۔“

”تم چاہے اوشا سین بن جاؤ یا راج کماری.... اوشا سین بن کر کسی کی ہم سفر جائیں؟“ میری زبان دکھ سے لڑکھڑا گئی۔ ”تم اپنے اوپر راج کماری کا خول کیوں نہ ھالو.... تم عورت ہو اور ایک عورت ہی رہو گی۔“

”آپ مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں وہ پوچھیں۔“ وہ نفرت سے بولی۔ ”دوسری فضول باتوں میں وقت نہ ضائع کریں۔“

”میں اس لیے آیا ہوں کہ تم سے اپنے مقصد کے بارے میں پوچھوں۔ میں یہ انا چاہتا ہوں کہ تم نے مجھے کن گناہوں کی سزا دی ہے؟“ میرے سینے میں آواز اٹکنے لگی۔ میں اس کی طرف بے بسی سے دیکھنے لگا۔

”ان باتوں سے کیا حاصل....؟“ وہ بے اعتنائی سے بولی۔

”کیا تم نے ایک شخص کی زندگی کو اس قدر ارزاں اور اس کی محبت اور احساسات کو ایک کھیل سمجھا تھا؟ تم نے دولت کے بل پر محبت کا ڈھونگ رچا کر کیا پایا....؟ کیا تم نے یہ نہیں سوچا تھا کہ تمہارا سنگین مذاق کسی کے دل پر کتنا گہرا گھاؤ لگا دے گا؟“

وہ بڑے تحمل اور صبر و سکون سے آنکھیں بند کر کے میری باتیں سنتی رہی۔ جب میں نے اپنی بات ختم کی تو اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔

”مجھے اپنے کیے پر کوئی ندامت اور پچھتاوا نہیں ہے۔“ وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے....؟ انسانی ضمیر بھی کوئی چیز ہے۔ یہ تم اپنے آپ کو فریب دے رہی ہو یہ کہہ کر۔“ میں نے کہا۔

”یہ بات کہنے سے پہلے آپ اپنے گریبان میں جھانک کر کیوں نہیں دیکھتے ہیں؟“ اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”میں نے کبھی اپنے ضمیر کا سودا نہیں کیا۔“ میں نے تیزی سے کہا۔ ”میں نے کسی کو دھوکا نہیں دیا۔“

”آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔“ اوشا تنک کر بولی۔ ”کیا آپ کو دولت کی

ضرورت نہیں تھی؟ کیا اس کے لیے آپ نے اپنے ضمیر کو نہیں بیچا....؟ اپنے آپ کو اور اپنے دھرم کو میرے قدموں میں نہیں ڈالا؟''

''یہ میں نے ایک مجبوری اور فاقوں اور ذلت اور رسوائیوں سے تنگ آ کر کیا تھا۔ بھلا آپ کو کیا مجبوری تھی؟''

''آپ کو دولت کی ضرورت تھی۔ وہ میں نے اپنے سمیت آپ کے قدموں میں ڈال دی۔'' اس نے جواب دیا تو اس کا لہجہ بہت گمبھیر تھا۔ ''میری بھی کوئی مجبوری تھی۔ مجھے جو کچھ پانا تھا وہ میں نے پالیا۔ حساب برابر ہو گیا۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''لیکن تم نے میرے دل میں محبت کی شمع کیوں جلائی تھی؟'' میں بھڑک اٹھا۔ ''کیا یہ بھی ایک مجبوری تھی؟''

''یہ مجبوری نہیں تھی ایک ضرورت تھی۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''وہ محبت نہیں بلکہ ایک عورت کی اداکاری تھی۔''

''جو کچھ بھی تھا.... محبت کا کھیل کھیلنے کے بجائے تم مجھے نفرت کے دریا میں دھکیل دیتیں تو میں آج تمہارے در پر سوالی بن کر نہیں آتا۔'' میں نے رُک کر کہا۔ ''تمہاری محبت کی گرمجوشی، والہانہ پن، پیار کے عہد و پیماں مجھے یہاں لے آئے۔''

''تمہیں کس نے میرے بارے میں بتایا؟'' اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''میرے متعلق تمہیں کیسے معلوم ہوا؟''

''کچھ دن پیشتر مجھے نمرتا ملی تھی جو ڈھاکا میں تمہاری تین دن تک سیکرٹری رہی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اس نے مجھے ایک ناقابل یقین اور حیرت انگیز اور کسی قدر چونکا دینے والی کہانی سنائی تھی۔ میں نے اس سنسنا دینے والی کہانی کے تانے بانے بنے، ٹوٹی پھوٹی، ٹیڑھی میڑھی اور بکھری ہوئی کڑیاں ملائیں تو وہ ایک اچھوتی اور طلسماتی سی کہانی بن گئی۔''

''اسے تم کہانی سمجھ کر رہ جاتے....'' اوشا نے کہا۔ ''ماضی حال نہیں بن سکتا۔ تم نے یہ کیوں نہیں سوچا؟''

میں نے قدرے توقف کے بعد اس کی بات کو نظرانداز کر کے اسے نمرتا سے ہونے والی گفتگو سنائی۔ پھر نفرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''آخر تمہیں محبت کی آڑ میں مجھ سے اس قدر گھناؤنا کھیل کھیلنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کے علاوہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دس برس پہلے تمہاری شادی ستیش رائے سے ہو گئی تھی تو پھر مجھ سے شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کے علاوہ یہ اسرار بھی میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے ساتھ سوئٹزرلینڈ میں ہنی مون منانے کے باوجود ایک اچھوتی کلی ہیں.... کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تم میرے ہاتھوں پھول بن کر کھلی ہو....؟ تم ایک بند کلی تھیں....؟ کیا ستیش رائے....؟''

میرا آخری فقرہ ادھورا رہ گیا۔ وہ تڑپ کر ہیجانی لہجے میں چیخی۔

''موہن لال....! بھگوان کے لیے چپ ہو جاؤ۔ بس بھی کرو پلیز! اب میں آگے ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتی ہوں۔''

اوشا نے وحشت سے اپنا سر پیٹ لیا۔ اس کے سراپا میں اضطراب کی لہر سی اٹھی تو وہ پاگل سی ہو گئی۔

''ہائے میرے بھگوان!'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بڑبڑائی۔ ''یہ کیا ہو گیا....؟ کیوں ہو گیا....؟ کیسے ہو گیا....؟ تم نے میری پرارتھنا نہیں سنی....؟ اسے قبول نہیں کیا۔ میں نے تو اپنا سب کچھ لٹا کر داؤ پر لگا کر کسی کا بھرم رکھا تھا، مگر.... مگر....'' اس کی آواز حلق میں اٹک گئی اور اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

''یہ بچے کیا ستیش رائے کے نہیں ہیں....؟'' میں نے انجان بن کر بے تامل اور بے دھڑک اس کے وجود پر زہریلے ڈنک مارے۔ ''کہیں یہ تمہاری بدکاریوں کا نتیجہ تو نہیں ہیں؟ ان کا باپ کون ہے۔ یہ شاید تم خود بھی نہیں جانتیں....؟''

''موہن! موہن!!....'' وہ یک لخت کسی آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑی۔ اس میں ایک لاوا جو نجانے کب سے پک رہا تھا، وہ جیسے ابل پڑا۔ وہ کرسی سے اس طرح اچھل پڑی جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔

''کیا ہوا...؟'' میں نے سفاک لہجے میں کہا۔ ''میں نے تمہیں جو آئینہ دکھایا ہے اس میں تمہیں اپنا اصل چہرہ نظر آ گیا ہے؟''

''موہن.....!'' وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔ اس کی غلافی آنکھوں میں شعلے لپکنے لگے۔ ''تم میرے معصوم بچوں پر تہمت نہیں لگاؤ۔ وہ معصوم اور جائز ہیں۔ میں نے کوئی بدکاری نہیں کی۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔'' اس کی آواز بری طرح کانپنے لگی۔

''سنو....'' میں نے غصے سے کھولتے ہوئے کہا۔ ''ہر مجرم اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تم بھی ایک مجرم کی طرح اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ کیا تم ایک بدکار اور آوارہ عورت نہیں ہو؟''

''آپ کے پاس میرے جرم اور میری بدکاری کا کیا ثبوت ہے؟'' اوشا نے منجمد آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

''اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ تم نے ستیش رائے سے شادی کرنے کے بعد اسے قریب آنے اور چھونے تک نہیں دیا۔''

''اس بات سے کیا میری بدکاری ثابت ہوتی ہے؟'' اوشا نے گہری نظروں سے میرے چہرے کو گرفت میں لے لیا۔

''نہ جانے تم نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا.....صرف یہی نہیں' بلکہ تم اپنے بدنصیب ستیش رائے پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے کے لیے شادی کی آڑ لے کر سیاہ کاری کے دلدل میں گر گئیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے؟''

اوشا کسی بپھری ہوئی شیرنی کی مانند غراتی ہوئی میرے پاس پہنچی اور جھپٹ کر میرا گریبان پکڑ لیا۔ اس کے جسم کا ایک ایک تار جیسے جھن جھنا اٹھا تھا۔ میں نے سہم کر اسے دیکھا۔ اس کے تیوروں نے مجھے دہشت زدہ کر دیا تھا۔

وہ غضب ناک ہو کر بولی ''آپ اپنی زبان کو لگام دیں۔ میں ایک صاف و شفاف آئینہ ہوں۔ اس پر خراشیں مت ڈالو.....آپ کو یہ بات کہنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا کہ آپ کے سامنے ایک عورت ہے۔''

''سچی بات بہت کڑوی ہوتی ہے اور تم کڑوی گولی نگل نہیں رہی ہو۔ تمہاری بدکاری صاف ظاہر ہے۔''

''آپ بہتان تراشی نہ کریں۔ کیا آپ یہ نہیں جانتے ہیں کہ یہ کتنا بڑا پاپ ہے؟'' اوشا کے سینے میں ایک ہیجان سا برپا تھا اور سانسیں بے ترتیب ہو کر الجھ رہی تھیں۔ اس نے میرا گریبان چھوڑ دیا۔

میں نے اس کے دھڑکتے سینے اور چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے طنز بھرے لہجے میں پوچھا۔

''اوشا! کیا تم اچھائی اور برائی میں تمیز کرنا جانتی ہو؟ تمہیں پاپ اور نیکی کا فرق معلوم ہے؟''

''موہن! بھگوان کے لیے میرے وجود پر ڈنک نہ مارو۔'' اس نے مجھے بھیگی نظروں سے دیکھا۔ اس کے نازک ہونٹ ماہی بے آب کی طرح پھڑپھڑانے لگے۔ وہ سسک پڑی۔ ''موہن.....! موہن.....!!''

''رونے اور جرم پر پردہ ڈالنے سے پاپ دھل نہیں جاتے ہیں۔ تم ایک پاپی عورت ہو۔'' میں نے بے رحمی سے کہا۔

''میں نے اپنے سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں جس راز کو دفن کر رکھا ہے' وہ تمہیں بتا رہی ہوں۔'' اوشا نے کہا۔

''وہ راز مجھ پر کس لیے ظاہر کرنا چاہتی ہو؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''اس لیے کہ کُل کلاں کوئی اور ان معصوم بچوں کو ناجائز اور بدکاری کا نتیجہ نہ سمجھے۔'' اوشا اداسی سے بولی۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ تم اس راز پر شرافت کا خول چڑھانا چاہتی ہو؟'' میں نے استہزائیہ انداز سے کہا۔

اوشا نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح بستر پر گر

بڑی اور تکیے میں منہ دے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کو بہتے ہوئے دیکھ کر میں پگھلنے لگا۔ عورت کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ میں اپنی کرسی سے اٹھا۔ اس کا سراپا بستر پر بکھرا ہوا تھا۔ ساڑھی کا پلو فرش پر پڑا تھا۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر میں نے اسے اپنے بازوؤں میں سمولیا اور اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو ہونٹوں میں جذب کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں سے اپنے ہونٹ پیوست کر دیئے' تو اس نے مجھے بری طرح جھڑک دیا اور میرے بازوؤں کا حلقہ توڑ کر بستر سے نکل' ساڑھی کا پلو سینے اور شانے پر درست کرتی ہوئی پھنکاری۔

''مجھے آپ کی ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب میں آپ کی پتنی نہیں ہوں۔''

میرے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی۔ میں نے سوچا کہ ایک عورت کتنی بڑی اداکارہ ہوتی ہے۔ ایک مکار اور فریبی عورت کے پاس کس قدر نفسیاتی حربے اور رنگ ہوتے ہیں۔ اس کے پاس سب سے بڑا ہتھیار صرف آنسو ہی نہیں' بلکہ اس کا حسن و شباب اور بر شباب جادو بھی ہوتا ہے جس سے وہ مرد کو بڑی آسانی سے شکست فاش دے دیتی ہے۔

''وہ کون سا راز ہے جو تم مجھے بتانا چاہتی ہو؟'' میں نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

اوشا نے جلد ہی اپنے آنسوؤں' حواس اور جذبات پر قابو پالیا۔ پھر وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ جب وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی تو اس کا لہجہ منتشر ہو رہا تھا۔

''موہن! میں آپ کو آج کے دور کی ایک سچی اور محبت کی ایک دلگداز اور عجیب وغریب کہانی سناتی ہوں۔ آپ اس کے ایک ایک لفظ پر دھیان دیں اور اسے اپنے من کے نہاں خانے میں نقش کرتے جائیں۔ یہ وہ تاج محل ہے' جسے ایک راج کماری نے اپنے

پتی کی محبت کے لیے بنایا۔ وہ تاج محل ایک مرد نے اپنی بیوی کے لیے بنایا تھا' یہ بھی محبت کی امر کہانی ہے۔''

اوشا نے توقف کر کے گہرا سانس لیا اور اس کے چہرے پر ایک گھٹا سی چھا گئی۔

''ستیش رائے کے خاندان کی ایک لڑکی رادھا' ستیش بترا سے اس کی امارت لیاقت اور شہرت کی وجہ سے محبت کرتی تھی۔ ستیش بترا نے کبھی بھی اس کی محبت کو درخور اعتنا نہیں سمجھا.... رادھا کوئی بدصورت یا عام سی لڑکی نہیں ہے۔ اگر تم اسے ایک بار دیکھ لو تو تمہارے سینے میں ٹھنڈی اور حسرت بھری سانسوں کا غبار بھر جائے۔ تنہائی میں ایک مرد کی ساری پارسائی دھری رہ جائے.... اس کے چندن جسم میں پھول کی مہک سبک پن اور تناسب میں آتش فشاں دہکتا محسوس ہوتا ہے۔ رادھا جیسی آن' شان اور اٹھان شاید ہی کسی لڑکی میں نظر آ جائے۔ جو مرد اسے ایک بار دیکھ لے اس کی نیندیں حرام ہو جائیں۔

جب رادھا نے یہ محسوس کیا کہ ستیش رائے اس کے پندار حسن کو مجروح کر رہا ہے اور کسی طرح اس کی طرف راغب نہیں ہو رہا ہے تو انتقام کے جنون میں اس قدر اندھی ہو گئی کہ اسے اچھے برے کی کوئی تمیز نہیں رہی۔ اصل بات یہ تھی کہ رادھا دو ایک مرتبہ اس سے ملنے اس کے ہاں گئی اور اظہار محبت کیا۔ وہ اس خیال سے اس پر مہربان ہوئی کہ ستیش رائے کا پیر پھسل جائے۔ ستیش رائے نے اپنے آپ کو صرف من مانی کی حد تک رکھا اور اس نے حد سے تجاوز نہیں کیا۔ رادھا نے پیش قدمی کی تو اس نے من مانی کی تھی۔ ستیش نے اسے سمجھایا بھی تھا کہ ایک لڑکی کو جذبات کی رو میں اتنی دور جانا نہیں چاہئے۔ کیونکہ اس کا تن من پتی کی امانت ہوتا ہے' لہٰذا وہ اس پر آنچ نہ آنے دے۔ رادھا اسے اس لیے غلاظت کے دلدل میں گرانا چاہتی تھی کہ اس کی شادی جلد از جلد ستیش سے ہو جائے۔ اسے غیرت اور غصہ اس بات پر تھا کہ ستیش نے ایک مرد ہونے کے ناتے اس کی آزادی اور خود سپردگی سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ رادھا نے اسے اپنی ذلت اور توہین سمجھا۔

اس کے عیار ذہن نے ایک منصوبہ بنایا۔ اس نے ستیش رائے کو بلیک میل کرنے کی غرض سے اپنے ہاں کسی بہانے سے بلایا۔ پھر اس نے اپنی ایک دیرینہ اور بہت

ہی قریبی سہیلی کو اعتماد میں لے کر اسے اس بات کے لیے تیار کیا کہ وہ اس کمزور لمحے کی عکس بندی کرے۔ جب وہ ناگن بن کر ستیش رائے کو ڈسنا شروع کرے گی.... لیکن اس کی حسرت پوری نہ ہوئی اور تدبیر ناکام ہوگئی۔ اس کی قیامتوں کا ستیش رائے پر ذرّہ برابر بھی اثر نہیں ہوا۔ اس کی جگہ کوئی زاہد' پارسا اور سادھو مہاراج بھی ہوتے تو رادھا کو بے نیام تلوار کی حالت میں دیکھ کر کسی وحشی درندے کی طرح ٹوٹ پڑتے۔

تب رادھا نے انتقام لینے اور ذلیل و رسوا کرنے کی ایک اور تدبیر سوچی۔ اس نے ایک مشہور طوائف برلا کی خدمات حاصل کیں۔ پھر اسے ایک بڑی رقم دے کر کلبوں' محفلوں اور پارٹیوں میں یہ پروپیگنڈا کروایا کہ ستیش رائے عورت کے قابل نہیں ہے۔ پھر اس نے دو اور پیشہ ور عورتوں کی خدمات حاصل کیں' جو ماڈل گرل تھیں۔

ستیش بترا نے اس داغ کو مٹانے اور رادھا کا منہ بند کرنے کے لیے مجھ سے شادی کرلی۔ میں ایک غریب ماں باپ کی بیٹی تھی۔ جب ستیش رائے کا رشتہ میرے لیے آیا تو میرے ماتا پتاجی کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہوگئے۔ میرے گھر والے سمجھ نہیں سکے کہ آخر ایک ارب پتی خاندان کے بیٹے نے ایک معمولی لڑکی کو کس لیے پسند کیا؟ میری نیندیں بھی یہی کچھ سوچ سوچ کر حرام ہوگئی تھیں۔

لیکن جب سہاگ کی پہلی رات میرے پتی نے میرے قدموں پر گر کر اور گڑگڑا کر عزت کی بھیک مانگی تو مجھے پتا چلا کہ وہ واقعی عورت کے قابل نہیں تھا۔ رادھا نے اس کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ اپنی جگہ درست تھا۔ وہ میرے سامنے ایک بھکاری کی طرح اپنی خالی جھولی لیے کھڑا ہوا تھا۔ اسے عزت کی بھیک چاہیے تھی' جو اسے صرف میں دے سکتی تھی۔

پھر میں نے اس رات اپنی زندگی کا اہم ترین اور جذباتی فیصلہ کیا' نہ صرف اس کی عزت کے لیے اپنے ارمانوں کا خون کیا بلکہ اسے اپنے من میں بسا کر سچی محبت دی۔ عورت ہی ایثار و قربانی کا پیکر ہوتی ہے۔ میں نے اس کے چرنوں میں گر کر کہا کہ آپ کی عزت میری عزت ہے۔ بھگوان کی سوگند کھا کر کہتی ہوں کہ میں آخری سانس تک اس راز کو

سینے میں محفوظ رکھوں گی۔ آپ کسی بات کی چنتا نہ کریں۔ آپ ایک مرد کی طرح سینہ تان کر چلیں اور خوش گوار زندگی گزاریں۔

وہ میری پہلی اور آخری محبت تھی۔ یہ آسان نہیں تھا کہ ایک جوان عورت مرد کی موجودگی میں تنہائی میں خود پر قابو پاتی رہے۔ میں ایک آگ میں جلتی رہی۔ لیکن مجھے جلد ہی اس لیے صبر آ گیا کہ میں نے اپنے آپ کو بہت مصروف کرلیا۔ جب ہم دونوں ہنی مون کے بہانے ملک سے باہر گئے تو میرے پتی نے مجھے اشارے کنائے میں واضح کردیا تھا کہ.....اگر میرے قدم بہک گئے تو اسے کوئی تعرض نہیں ہوگا۔ لیکن میں محتاط رہوں تاکہ اس کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ مگر میں ایک عورت تھی' کوئی ویشیا نہیں تھی۔ کیا میں اپنے محبوب کے لیے اتنی قربانی بھی نہیں دے سکتی تھی۔ عورت تو نام ہی ہے ایثار و محبت اور عظیم بلیدان کا۔ میں نے اپنے پتی کے اور اپنے اعتماد کی لاج رکھ لی۔'' اوشا نے توقف کرکے حسرت سے ایک سرد آہ بھری۔

''رادھا اس شادی پر جل بھن کر رہ گئی اور مجھ سے انتقام لینے کے لیے موقع تلاش کرنے لگی۔'' اوشا کہنے لگی۔ ''وہ میرے پتی سے ناامید نہیں ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میری موت اس کے لیے راہ ہموار کردے گی۔ لیکن اس کا خواب پورا نہ ہوسکا۔ مجھ پر اس نے پیشہ ور قاتلوں سے دو ایک مرتبہ قاتلانہ حملے کرائے۔ مجھے دو مرتبہ اغوا کی کوشش بھی کی گئی۔ ایک بار تو میں بدمعاشوں کے چنگل سے کسی نہ کسی طرح اپنی عزت بچا کر نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔

اس نے اس لیے شادی نہیں کی کہ وہ میرے مرنے کی آس لگائے بیٹھی تھی۔ اس کی ایک مرد سے آشنائی بھی ہوچکی تھی۔ جب ہماری شادی کو پانچ برس بیت گئے اور میں امید سے نہیں ہوئی' تو اس نے ایک طوفان کھڑا کردیا۔ میرے پتی پر بہتان اور تہمتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ محفلوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ اشاروں کنایوں میں فقرے چست کیے جانے لگے۔ مجھ سے بھی معنی خیز سوالات کیے جانے لگے۔ میرے لیے ان کی پھبتیاں ناقابل برداشت ہونے لگیں۔

بالآخر تیش رائے نے بہت سوچ سمجھ کر ایک منصوبہ بنایا اور اسے میرے سامنے رکھا' تو مجھے یقین نہیں آیا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ منصوبہ ہر لحاظ سے بہت اچھا تھا۔ لیکن مجھے ذہنی طور پر تیار ہونے کے لیے ایک برس کا عرصہ لگ گیا۔ ادھر میرا پتی مجھے اپنی عزت اور آن کا واسطہ دیتا رہا۔ ہم دونوں اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے لندن گئے اور وہاں کی ایک عدالت میں پیش ہو کر طلاق کی درخواست دی۔ چونکہ ہم دونوں خوشی اور مرضی سے طلاق لے رہے تھے' اس لیے عدالت کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ پھر ہم دونوں لندن سے واپس آئے۔ پھر میں نے امریکہ جانے کا بہانہ کیا۔ بنگلہ دیش آ گئی۔ میرا وفادار ملازم شامو ڈھاکہ میں میرا منتظر تھا۔ اسے میں نے پہلے ہی سے اعتماد میں لے لیا تھا اور وہ اس منصوبے سے آگاہ تھا۔

میں نے اس منصوبے کا آغاز کیا۔ اس منصوبے میں جو جھول' عیب اور خامیاں تھیں وہ بعد میں میرے سامنے آئیں۔ ہم نے اس پہلو پر غور ہی نہیں کیا تھا' ورنہ تم ساری زندگی میرا کھوج نہ لگاتے اور ساری زندگی اندھیرے میں رہ کر گزار دیتے۔

معلوم نہیں کیسے رادھا کو منصوبے کی بھنک پڑ گئی اور اس کے علم میں یہ بات آ گئی کہ میں بنگلہ دیش میں ہوں۔ وہ بڑی دانا اور سازشی ذہن کی ہے۔ اس نے میرے ایک پرانے ملازم کو توڑ کر اسے شامو کے تعاقب میں اور میرے قتل کے لیے بھیج دیا۔ اس کے لیے مجھے یہاں قتل کر کے فرار ہونا بہت آسان تھا۔ وہ قانون کے ہتھے نہیں چڑھتا۔ لیکن رادھا کا منصوبہ میری طرح ناکام ہو گیا۔ وہ خود ہی موت کا شکار ہو گیا۔ اگر شامو نہ ہوتا تو وہ ہم دونوں کو بہ آسانی قتل کر دیتا۔

میں نے شادی کرنے کے لیے جو پلان بنایا تھا' اس پر جلد سے جلد عمل کرنا چاہتی تھی۔ میں نے تمہارا انتخاب اس لیے نہیں کیا تھا کہ تم بہت خوبصورت' دراز قد اور وجیہہ ہو۔ مجھے مرد کی خوبصورتی اور وجاہت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میں نے تمہیں ایک مفلس' قلاش اور ضرورت مند شخص سمجھ کر تمہارا انتخاب کیا تھا۔ میں نے دو مرتبہ تمہارا امتحان لیا اور تمہارے سینے میں انسانیت کا درد اور احساس پا کر بڑی خوش ہوئی۔ میں یہ سمجھی کہ تم

کبھی میری راہ میں حائل نہیں ہو گے۔ دیوار نہیں بنو گے۔ یہ میری سب سے بڑی بھول تھی۔ میں نے تمہیں ایک سیدھا اور مخلص شخص سمجھ کر شادی کر لی۔ تم میرے پتی بن گئے۔

میں تو یہ سمجھی تھی کہ تمہیں مجھ سے نہیں' میری دولت سے محبت ہے۔ لیکن تم نے جس محبت' جذبے اور چاہت کا اظہار کیا اس نے مجھے خوفزدہ کر دیا تھا۔ میں بھی تمہاری محبت اور جذبات میں بہہ کر ایک پروانے کی طرح اس لیے نثار ہوتی رہی تھی کہ ایک تو تم میرے پتی تھے اور پھر میری زندگی میں آنے والے پہلے مرد..... میں نہ چاہتے ہوئے بھی تم سے گرمجوشی اور خود سپردگی سے پیش آنے پر مجبور تھی۔ میرے وہ جذبات اور احساسات جو پہلی شادی کے بعد تھپک تھپک کر سلا دیئے تھے وہ جاگ اٹھے تھے۔ میں برف کا تودہ نہیں' بلکہ ایک جوان عورت تھی۔ اس لیے میں نے پوری فیاضی اور فراخدلی کا ثبوت دیا۔

پھر ایک روز تم اور شامو جب سامان کی خریداری کے لیے چٹاگانگ گئے تو یکا یک میری طبیعت بگڑ گئی۔ میں لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی تو اس نے بتایا کہ میں امید سے ہوں۔ اس روز میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مجھے جیسے دنیا کا سب سے بڑا اعزاز مل گیا تھا۔ میں ایک بچے کی ماں بننے والی تھی۔ دوسری طرف اس بات کی بھی خوشی تھی کہ میرے پتی کے دامن پر سے ایک بدنما داغ مٹنے والا تھا۔ اب وہ سر اٹھا کر محفلوں میں جا سکتا تھا۔ کوئی نگاہ اس کی جانب تمسخر سے اٹھ نہیں سکتی تھی۔ اسی قسم کے احساسات نے میرے اندر خوشی کی لہر دوڑا دی تھی۔ رادھا کا خیال آیا۔ میری ماں بننے کی خبر اس کے لیے ایسا تازیانہ تھی جو اس کے سپنوں کو چکنا چور کرنے والی تھی۔

تم مجھے شامو سے سرگوشیاں کرتے دیکھکر اور خوشیوں سے سرشار پا کر کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔ میں نے تمہاری آنکھوں اور چہرے سے تمہاری دلی کیفیات کو بھانپ لیا تھا۔ میں نے غیر محسوس انداز میں تمہارا شک دُور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن تمہاری تسلی نہ ہو سکی۔ میں تمہیں اپنی بے پایاں خوشی کی وجہ بتانا نہیں چاہتی تھی۔

پھر میں نے رات کے وقت نشاط انگیز لمحات میں تمہارا شک دُور کرنے کے لیے بڑے والہانہ انداز میں تم پر اپنی محبت کا اظہار اس قدر شدت سے کیا کہ تم بہت حیران اور

بے انتہا خوش بھی ہوئے۔ حالانکہ تم سے جب بھی میں نے محبت کا اظہار کیا اور خود سپردگی سے پیش آئی، میرے لیے حد درجہ کرب ناک تھا۔ کیونکہ میں اپنی محبت میں ستیش رائے کے سوا کسی اور کو شریک کرنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن میں تلخی کا زہر مجبوری سے پیتی رہی۔ اس کے سوا میرے لیے چارہ بھی نہیں تھا۔

میں نے پہلے سے ہی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تمہارے دودھ میں بے ہوشی کی دوا ملا دی، تا کہ میرے یہاں سے نکلنے میں تم رکاوٹ نہ بن سکو۔ میں چاہتی تو دو ایک روز اور ٹھہر سکتی تھی، مگر میں اس ڈر اور خوف سے نہیں رُکی کہ کہیں تمہیں میرے ماں بننے کی ہوا نہ لگ جائے۔ کیونکہ مجھے چکر اور متلی ہونے لگی تھی۔ تم مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جاتے اور تمہیں سب کچھ پتا چل جاتا۔

کوئی نو ماہ کے بعد میں نے ایک خوب صورت مرد کے بچے کو جنم دیا۔ جس کا نام دیوراج رکھا گیا۔ وہ ہماری زندگی کے اندھیاروں میں ایک کرن تھا۔ اس نے میرے پتی کی عزت کو بڑھا دیا تھا۔ رادھا کے منہ پر ایک طمانچہ لگا تھا۔

جب دیوراج چھ ماہ کا ہوا تو پھر میں تمہارے پاس پہنچ گئی۔ کیونکہ میری اور میرے پتی کی خواہش تھی کہ کم از کم ہمارے دو بچے ہوں۔ میں اس وقت تمہارے ساتھ پیار و محبت کا ڈرامہ رچاتی رہی جب تک میں امید سے نہیں ہوگئی۔ میں نے ایک ماہ کی مدت کس کرب سے گزاری اور کس جبر اور اذیت سے محبت کا کھیل کھیلتی رہی، یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ جب میں امید سے ہوگئی اور ڈاکٹر سے مل کر تسلی کر لی تو پھر غائب ہوگئی۔ میں اس بات سے بھی بہت خوش تھی کہ اب مجھے اپنا بدن اور آتما اور محبت کو میلا کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم نے مجھ سے ایک کھلونے کی طرح کھیلا۔ لیکن میں اس کے لیے تمہیں اس لیے دوش نہیں دوں گی کہ تم ایک مرد ہو اور پھر میرے حسن و شباب اور پر شباب گداز بدن کی قیامتوں اور رعنائیوں نے تمہیں اس بات پر مجبور کیا تھا۔ قانونی طور پر بھی تمہاری پتنی تھی۔ میں تو تم سے بغیر شادی کیے بھی تعلقات استوار کر کے بچوں کی ماں بن سکتی تھی، لیکن اس میں دو باتیں مجھے ساری زندگی کسی زہریلی ناگن کی طرح ڈستی رہتیں۔ میں اپنے

آپ کو ویشیا سمجھتی اور دوسری بات یہ تھی کہ میری اولاد ناجائز کہلاتی جو مجھے کسی قیمت پر یہ بات پسند نہیں تھی۔

جب میں دو بچوں کی ماں بن گئی تو میرا خیال تھا کہ رادھا کی زبان ہمیشہ کے لیے بند ہوگئی۔ کیونکہ اس نے ستیش رائے سے ناامید ہو کر کسی اور سے شادی کر لی۔ تب میں نے اور میرے پتی نے سکون کا سانس لیا۔ وہ ایک کانٹے کی طرح ہماری زندگی میں چبھ گئی تھی۔ وہ کانٹا نکل گیا تھا۔ اب میرے پتی پر وہ کیچڑ اچھال نہیں سکتی تھی۔

اب تم سے طلاق لینے کا مسئلہ تھا۔ میں نے تمہارے ساتھ رہتے ہوئے محسوس کر لیا تھا کہ تم میری محبت میں اس قدر جذباتی ہو گئے ہو اور اتنی دُور چلے گئے ہو کہ واپسی مشکل ہی نہیں ناممکن سی ہوگئی ہے۔ میں نے اسے ممکن بنانے کے لیے شامو کو جبر و زیادتی سے کام لینے کا حکم دیا۔ اگر شامو تم سے بدمعاشی سے پیش نہ آتا تو تم سیدھے راستے پر نہیں آتے۔ اس کے ساتھ جو ایک بدمعاش تھا، نے تمہارے ساتھ زیادتی کی اور بڑی بے رحمی سے ضرب لگا دی۔ تم مرتے مرتے بچے جو کہ میں نہیں چاہتی تھی۔ میں نے تمہاری زندگی بچانے کے لیے پس پردہ بہت کوشش کی اور رقم بھی خرچ کی تھی۔

میں اور ستیش رائے نے میسور پہنچ کر عدالت میں جا کر سول میرج کر لی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی اور یہ راز ہم تینوں کے سینے میں دفن رہا.... مگر اب تم نے جو کہانی سنائی، وہ اس قدر گھناؤنی تھی کہ مجھے اپنا راز اگل دینا پڑا.... مجھے اپنے کیے پر کوئی ندامت یا شرمندگی نہیں ہے۔ اس لیے کہ میں نے اپنے محبوب کے لیے ایک باعزت راستہ اختیار کیا۔ کل یہ راز کسی طرح آشکارا ہو بھی جائے تو ان بچوں پر کوئی بھی انگلی نہیں اٹھا سکے گا۔ کیونکہ میرے پاس اس بات کا ٹھوس ثبوت موجود ہے، لیکن میں یہ جانتی ہوں کہ کبھی اس کی نوبت نہیں آئے گی۔'' اس نے توقف کر کے ایک گہرا سانس لیا۔ ''کیا تم اب بھی ان بچوں کو ناجائز کہو گے؟''

مجھ پر آسمان گر پڑا تھا۔ میں سکتے کے عالم میں اسے منجمد نظروں سے دیکھنے لگا۔ یہ میری سماعت کا فتور نہیں تھا۔ میرے سامنے پھیلی ہوئی دھند چھٹ چکی تھی۔ یہ ایک ایسی تلخ

حقیقت تھی کہ میں اسے جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا۔ گو کہ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اس نے ایک بچے کو جنم دیا وہ مرگیا۔ نمرتا سے دوسرے بچے کے متعلق جو معلوم ہوا تھا' اسے اپنا بچہ ماننے میں اس لیے پس و پیش تھا کہ شاید اس کی سیاہ کاری کا نتیجہ ہے۔ اوشا نے مجھے جو کہانی سنائی تھی وہ میری کہانی سے یکسر مختلف تھی۔

''وہ دونوں بچے میرے ہیں....؟ میرا خون ہیں؟'' میں نے تڑپ کر وحشت زدہ لہجے میں پوچھا۔

اس نے میرے سوال کا فوری جواب نہیں دیا۔ وہ مجھے بڑے پرسکون انداز اور تمکنت سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر طمانیت چھائی ہوئی تھی۔ جیسے اس کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا ہو۔ اس کے لبوں پر بکھرا ہوا تبسم مجھے ریزہ ریزہ کیے دے رہا تھا۔ میرے حواس اس قدر منتشر تھے کہ میں انہیں مجتمع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اوشا نے اپنی محبت کی یادگار ایک تاج محل کی صورت میں بنائی تھی۔ اسے اپنی منزل مل گئی تھی۔ لیکن مجھے نہ جانے کب تک ایسے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنا تھی۔

یہ میرے لیے کتنا بڑا المیہ اور سانحہ تھا کہ میں برسوں تک اپنے بچوں کے وجود سے بے خبر تھا.... میرے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ میں نے اپنی الجھتی ہوئی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے سوچا.... کاش! میں اپنے بچوں کے وجود ہی سے بے خبر رہتا۔ نہ جانے کس لیے تقدیر کا پھیر مجھے لے آیا تھا۔ میں نے سوچا کہ کیا اس میں میری غلطی نہیں ہے؟ مجھے یہاں نہیں آنا تھا جبکہ اس نے مجھ سے جبر و زیادتی سے طلاق لے لی۔ میری دشمن بن گئی اور اجنبی بھی ہوگئی تھی۔ میرے لیے تو یہ زیادہ بہتر تھا کہ اپنی آگ میں جل کر زندگی گزار لیتا۔

میں نے گہرے سکوت کو توڑتے ہوئے اپنا سابقہ سوال دُہرایا۔

''وہ بچے میرے ہی ہیں نا جنہیں میں نے گاڑی میں تمہارے ساتھ دیکھا تھا؟''

''وہ دونوں بچے تمہارے کیسے ہوئے....؟'' اس نے زہریلے لہجے میں چوٹ

کی۔ ''وہ بچے میری سیاہ کاریوں کا نتیجہ ہیں۔ میں نہیں جانتی' بتا نہیں سکتی کہ ان کا باپ کون ہے؟''

''مجھے معاف کردو اوشا!'' میں نے لجاجت سے کہا۔ ''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم بہت عظیم ہستی ہو..... بہت بلند' اتنی بلند کہ تمہیں کوئی بھی چھو نہیں سکتا.... تم نے اپنی محبت اور پتی کے لیے جو بلیدان دیا وہ دنیا کی کوئی عورت شاید ہی دے سکے۔''

''مجھے ان تعریفی الفاظ کی کوئی ضرورت نہیں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ تم میرے بچوں کو مجھ سے ایک بار ملا دو....؟'' میں نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''تم اپنے بچوں کو کیوں اور کس لیے ملنا چاہتے ہو....؟'' اوشا نے تیز لہجے میں پوچھا۔ ''ان سے مل کر کیا کرو گے؟''

''اس لیے کہ ان کے لمس سے اپنے سینے میں ٹھنڈک بھر لوں اور انہیں اپنے کلیجے سے لگا لوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''اب تم یہ بات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ کہ وہ تمہارے بچے ہیں.... تمہارا خون ہیں۔'' وہ تمکنت سے بولی۔

''کیا ایک باپ اپنے بچوں کو کبھی بھول سکتا ہے؟'' میں نے حیرت بھری نظریں اس کے چہرے پر مرکوز کردیں۔ جو ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ ''وہ میرا خون ہیں.... کیا تم چاہتی ہو کہ میں جیتے جی مر جاؤں؟''

''اس دنیا میں کیا کچھ ممکن نہیں ہے؟'' اس نے سرد ناک لہجے میں جواب دیا۔ ''اسے تم تقدیر کا بے رحم فیصلہ سمجھ کر قبول کرلو..... یوں سمجھو کہ تم نے اپنی زندگی میں سب سے بھیانک سپنا دیکھا تھا۔''

''تو تم میرے بچوں کو چھین لینا چاہتی ہو....؟'' میں بھڑک اٹھا۔ ''میں ایسا ہرگز ہونے نہیں دوں گا۔''

''تمہارے بچے....؟'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''کیا تمہارے

پاس کوئی ثبوت ہے کہ وہ تمہارے بچے ہیں؟''

''ثبوت....؟'' میں سٹپٹا کر بغلیں جھانکنے لگا۔

وہ میری اس بوکھلاہٹ سے جیسے لطف اندوز ہونے لگی۔ ''جب تم مجھ سے شادی کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے ہو تو پھر ان معصوموں کو اپنی اولاد کیونکر ثابت کر سکو گے....؟''

میرے وجود میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ میں نے لڑکھڑائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو تم یہ چاہتی ہو کہ میں زندگی بھر اپنے بچوں کو دیکھنے اور ان سے ملنے کے لیے ترستا رہوں؟ آخر کیوں.... کس لیے؟ آخر تم مجھے اتنی بڑی سزا کس لیے دینا چاہتی ہو....؟ کیا یہ اذیت نہیں ہے؟''

''اسے تم قدرت کی سزا سمجھ لو۔'' اس نے بڑی تمکنت سے کہا۔ ''آخر میں نے بھی تو وقت کے بے رحم فیصلے کو قبول کیا ہے؟ میں نے اپنے جذبات احساسات' خواہشات اور ارمانوں پر بہت بڑا پتھر رکھ لیا ہے۔ تم کیا جانو میں کس آگ میں جلتی رہی ہوں.... ایک ایک لمحہ مجھے لغزش پر اکساتا رہا۔ لیکن ان بچوں کے باعث میں نے اندر کی عورت کو تھپک تھپک کر سلا دیا ہے۔ اگر میں ایسا نہیں کرتی تو میری زندگی انگاروں کی نذر ہو جاتی....'' پھر اس نے توقف کر کے سانس لیا۔ اس کے سینے میں سانسوں کا تلاطم ہچکولے کھا رہا تھا۔

''لیکن آج میں....''

وہ یکا یک خاموش ہوئی تو میں نے تڑپ کر پوچھا ''کیا میں ان بچوں سے کبھی نہیں مل سکتا؟ انہیں کبھی سینے سے لگا نہیں سکتا؟''

''نہیں....'' وہ رعونت سے بولی۔ ''تمہیں صرف اتنا حق حاصل ہے کہ صرف اپنے بچوں کو یاد کر سکو.... تم کبھی انہیں دیکھنے اور ان سے ملنے کی حماقت مت کرنا ورنہ میں تمہاری زندگی پر ترس نہیں کھاؤں گی۔''

''میں تمہاری بات پر عمل کر سکوں گا یا نہیں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' میں نے کہا۔

''لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے میرے ساتھ کچھ دنوں پیشتر کاٹیج میں رات کیوں اور کس لیے

گزاری تھی....؟''

''تم نے شاید کوئی سپنا دیکھا ہوگا....؟'' وہ چونک کر بولی۔ اس کا چہرہ متغیر سا ہو گیا۔

''وہ سپنا نہیں ایک حقیقت تھی۔'' میں نے اسے مختصر طور پر اس واقعہ کے بارے میں بتایا۔ ''تم نے صرف اس لیے کیا کہ تمہیں ایک لڑکی کی تمنا ہے۔ تمہیں کسی نے بتایا کہ تمہاری تیسری اولاد جو ہوگی وہ لڑکی ہوگی۔''

''یہ سب کچھ تمہیں کیسے اور کیونکر معلوم ہوا....؟'' وہ بھونچکی سی ہو گئی۔ ''اس نے تو کہا تھا کہ....؟'' اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

''ایشور بابا نے'' میں نے جواب دیا۔ ''یہ وہ مہان گرو ہیں۔ ان کے موکل نے بتایا کہ تم نے مالنی جادوگرنی کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اس نے تمہیں جادو کے زور سے وہاں پہنچایا تھا۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ وہ مجھے ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

''اب جب میں نے یہاں قدم رکھا تو تم نے مجھے اپنے جذبات میں جکڑ دیا۔ اپنا جسم میلا کیا۔ وہ کس لیے؟'' میں نے پوچھا ''کیا یہ سیاہ کاری نہیں ہے' جبکہ اب میں تمہارا پتی نہیں ہوں؟''

''بہتر ہے تم مجھ سے کچھ نہ پوچھو اور مجھے جانے دو....'' اس نے مردہ لہجے میں کہا۔

''میں بتاتا ہوں کہ اصل بات کیا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تم اس روز امید سے نہ ہو سکیں.... آج تم نے اس لیے پیش قدمی کی کہ امید سے ہو جاؤ گی.... یہی بات ہے نا....؟''

''ہاں....!'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''تم نے ایشور بابا سے سب کچھ معلوم کر لیا؟''

''لیکن یہ سب کیا ہے....؟ آخر تم نے کس لیے اپنے دامن پر اتنا بڑا داغ لگایا؟''

"یہ سب کچھ رادھا کی وجہ سے مجھے کرنا پڑا۔" وہ کہنے لگی۔ "رادھا کو نجانے کیوں اور کیسے شک ہوگیا۔ میرا خیال تھا کہ اس کی زبان ہمیشہ کے لیے بند ہوگئی ہے۔ ایسا نہیں ہوا۔ وہ ٹوہ میں لگی رہی۔ پھر اس نے ایک روز ستیش سے کہا کہ جب تمہاری تیسری اولاد ہوگی تب میں سمجھوں گی کہ یہ تینوں تمہارے اپنے بچے ہیں۔ پھر میں مالنی جادوگرنی کے پاس گئی تھی۔"

جب وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تو میں نے اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ وہ مزاحمت اور جدوجہد کرنے لگی۔ "مجھے جانے دو۔"

"سنو اوشا....!" میں نے اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے کہا۔ "اب جبکہ تم غلاظت کے دلدل میں کسی وجہ سے بھی گر چکی ہو تو آج کی یہ رات میرے نام کردو.... پھر میں کبھی نہ تو تمہاری زندگی میں آؤں گا اور نہ بچوں کو دیکھنے اور ان سے ملنے کی کوشش کروں گا۔"

اس نے میری بات مان لی۔ اس نے یہ رات میرے نام کردی۔

میں نے صبح اسے رخصت کرتے وقت پوچھا "اچھا یہ بتاؤ کہ جب میں نے دوربین سے تمہیں نہاتے ہوئے دیکھا تو تمہارا روپ جھرنا کا روپ لئے ہوئے تھا.... تمہیں یا مالتی کو جھرنا کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟"

میں نے تمہیں نیند کی حالت میں.... بے خودی کے عالم میں تمہاری زبان سے جھرنا کا نام سنا تھا.... تم نے ایک دو مرتبہ نشاط انگیز لمحات میں مجھ سے کہا بھی تھا کہ.... تم جھرنا ہو.... کبھی کبھی تم پر جھرنا کا دھوکا ہوتا ہے۔ میں نے تم سے کئی بار جھرنا کے بارے میں پوچھا تھا۔ لیکن تم نے بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا تھا۔ مالتی نے مجھے جھرنا کے بارے میں بتایا تھا۔"

"اس نے کیا بتایا تھا....؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"اس نے بتایا تھا کہ تم برسوں پہلے اپنے دوستوں کے ساتھ وادی کشمیر گئے تھے۔ وہاں تمہاری اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ جھرنا ایک بہت ہی حسین لڑکی تھی۔ اس لیے

تم اسے ابھی تک بھول نہیں سکے ہو۔" اوشا بولی۔

جب اوشا جانے لگی تو میں نے اس کا ایک آخری طویل بوسہ لیا۔ جب وہ جدا ہوئی تو اس نے مجھ سے پوچھا۔

"اب کیا تم واپس بنگلہ دیش جاؤ گے....؟"

"نہیں.... اب میں جھرنا کے پاس جاؤں گا۔ معلوم نہیں اب وہ کہاں ہے؟ وہیں ہے یا کہیں اور چلی گئی ہے.... اگر اس نے شادی کرلی ہے تو پھر واپس بنگلہ دیش آجاؤں گا۔" میں نے کہا۔

جب میں نے دروازہ کھولا تو اوشا نے میرا ایک بوسہ لیا اور جب باہر نکل رہی تھی تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہ آنسو کس لیے تھے....؟ میں نے سوچا۔ ایک عورت کے آنسو تھے۔ میرے دل نے کہا۔

میں بیڈروم میں آکر بیٹھ گیا۔ پھر بستر پر آبیٹھا۔ بستر کی چادر کی شکنیں رات کا فسانہ سنا رہی تھیں۔ اوشا کے چندر بدن کی خوشبو سے فضا مہک رہی تھی۔ رات کے سارے مناظر ایک ایک کرکے میری نظروں میں گھومتے رہے۔ پہلی سہاگ رات مرد اور عورت کی زندگی کی انمول، اچھوتی اور یادگار ہوتی ہے۔ لیکن یہ آخری سہاگ رات تھی جو میں کبھی بھول نہیں سکتا تھا۔ اوشا نے اس لیے بھی پوری طرح اپنے آپ کو میرے سپرد کردیا تھا۔ یہ اس کی آخری یادگار رات تھی۔ اب کوئی مرد اس کی زندگی میں نہیں آئے گا۔

میں نے بنگلہ دیش جانے کے بجائے جھرنا کے گاؤں جانے کا فیصلہ کرلیا۔

☆......☆......☆

میں عورت کے معاملے میں جتنا خوش نصیب تھا' اتنا ہی بدنصیب بھی تھا۔

یہ عورت کیا چیز ہے......؟ بھگوان نے دنیا میں جتنی خوب صورت چیزیں بنائی تھیں ان میں سب سے سندر عورت ہی تھی۔ اس نے عورت نہیں بنائی ہوتی تو شاید دنیا بھی نہیں بنائی ہوئی۔ عورت جتنی سندر تھی اتنی عجیب و غریب اور پیچیدہ...... ایک معمہ...... پراسرار' بے حد خطرناک' محبت کا آبشار...... اس کے بارے میں جو بھی اور جتنا بھی کہا جائے کم ہے۔ کوئی بھی عورت کو سمجھ سکا اور نہ ہی اس کے بارے میں سمجھا سکا۔ نہ ہی کبھی سمجھا سکتا ہے۔ وہ ایک دو دھاری تلوار ہے۔

اوشا کے جانے کے بعد میں بستر پر دراز ہو گیا۔ بستر اس کے جسم کی سوندھی سوندھی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اپنے چندر بدن کی خوشبو نہ صرف بستر میں بلکہ میرے وجود میں بھی چھوڑ گئی تھی۔ اس کی محبت اس کا حسن و شباب اور اس کا پرشباب گداز بدن بھلا دینے والا نہ تھا لیکن اب مجھے سب کچھ بھلا دینا تھا۔ اس کا ہر نقش مٹا دینا تھا۔ اس کے علاوہ میرے بچوں کو جو میرا خون تھے' اب وہ میری تیسری اولاد کی ماں بننے والی تھی۔ ایک لڑکی کو نو ماہ بعد جنم دے کر اپنے پتی کی لاج رکھ کر رادھا کا منہ بند کر رہی تھی۔ دنیا میں کیسی کیسی کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ کوئی خواب و خیال میں ان کہانیوں کے بارے میں سوچتا نہیں ہے۔

میں نے سوچا کہ...... میں نے جھرنا کے پاس جانے کا جو فیصلہ کیا ہے اس پر قائم رہنا چاہیے۔ اب اس شہر سے کوچ کر دینے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ یہ شہر میرے لیے کسی دردناک جہنم سے کم نہیں ہے۔

میں نے رات کی گاڑی پکڑی اور جھرنا سے ملنے کے لیے روانہ ہو گیا۔

میں جھرنا سے ملنے جا رہا تھا۔ ایک لمبا اور دشوار گزار سفر تھا۔ میں اکیلا ہی جا رہا
۔ میرے ان دوستوں کی کوئی خبر نہیں تھی جن کے ہمراہ میں جھرنا کے گاؤں گیا۔ ان گزشتہ
ں میں میں نے ان کی کوئی خبر نہیں لی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کس
ت میں ہیں...... اب میرا دل اسے دیکھنے اور ملنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اب وہ میری
ی منزل' میری سب سے بڑی تمنا' آرزو و سپنا تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ اس گاؤں
ہے۔ زندہ بھی ہے یا نہیں...... اس نے شادی کر کے گھر بسا لیا ہوگا۔ اگر اس نے بسا لیا
ا تو کیا ہوگا...... پھر میں کیا کروں گا......؟ یہ میں نہیں جانتا تھا اور نہ ہی اس کے بارے
سوچنا چاہتا تھا۔

پھر مجھے کرن یاد آئی...... میں نے ان چار برسوں میں اس کی بھی کوئی خبر نہیں لی
۔ اس وقت ہی نہیں جب میں اوشا کی تلاش میں ڈھاکا شہر گیا تھا' اس لیے کہ مجھے اوشا
تلاش تھی۔ میں کرن سے مل کر کیا کرتا جو خود غرض اور دولت کی بھوکی تھی۔

اس لمبے سفر سے میری ذات پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ اگر جھرنا کوہ قاف میں بھی
ی تو میں سفر کی تمام صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے پہنچ جاتا۔ چاہے برسوں کیوں نہ لگ
تے۔ اب جھرنا میرا سپنا تھی۔

جھرنا کے حسن و جمال اور شباب کی کشش معمولی نہ تھی۔ وہ ایک غیر معمولی نہیں
۔ ایک تراشیدہ پیکر تھی۔ اس کی بھرپور مگر نازک جوانی...... حشر خیز شباب...... مستانہ
...... شیریں کلامی اور ان سب سے بڑھ کر اس کی معصومیت تھی' جو میرے دل میں بسی
تھی۔ کرن اور اوشا میری زندگی میں آئی تھیں لیکن میں انہیں چاہتے ہوئے بھی ایک
کے لیے بھی جھرنا کی یاد کو دل سے نکال نہ سکا تھا۔ میرا دل اس کی طرح سے پرستش
تا تھا جیسے وہ کوئی دیوی ہو۔

تاہم دن رات اس کی یاد میں تڑپنے کے باوجود ان چار برسوں میں کیوں نہ
کا' وہ حالات میں نے بیان کر دیے ہیں۔ اب مجھے بدقسمتی وہاں لے جا رہی تھی یا خوش
ی یہ میں کہہ نہیں سکتا۔ لیکن میں دل میں بھگوان سے یہ پرارتھنا کر رہا تھا کہ وہ اپنے

گاؤں میں موجود ہو۔ اس کی شادی نہ ہوئی ہو۔ وہ مجھے بھولی نہ ہو...... اس بات کی امید بہت کم تھی کہ اس نے مجھے یاد رکھا ہوگا کیوں کہ ان چار برسوں میں نہ جانے وہاں کتنے سیاح گئے ہوں گے۔ اس سے ملے ہوں گے۔ بھلا اب اسے میرا نام اور چہرہ کیسے یاد رہ سکتا ہے۔ لیکن اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اس سے ملنے کا ایسا اشتیاق جاگا تھا کہ اگر پہلے کبھی اس نے جنم لیا ہوتا تو شاید میں اوشا کو چھوڑ کر چلا جاتا۔ اب وہ میری خوشیوں کا گہوارہ بن چکی تھی۔ اس لیے مجھے یہ سفر لمبا اور دشوار گزار محسوس نہیں ہوا۔

میں دوبارہ پہلگام پہنچا لیکن میرا دل وہاں ایک گھڑی رکنے کو بھی نہیں چاہا تھا۔ چوں کہ شام ہو چکی تھی اور اندھیرے میں سفر جاری نہیں رکھا جا سکتا تھا' اس لیے مجھے ایک رات قیام کرنا پڑا۔ یہ رات کس طرح میں نے کاٹی' یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ یہ رات ایک صدی کی طرح بھاری رہی اور میں ایک پل بھی سو نہیں سکا۔ کروٹیں بدلتا رہا۔ جھرنا کی تصویر میں کھویا رہا۔ اس کا چہرہ ایک جھرنے کی طرح میرے تصور میں بہتا رہا۔

دوسرے دن جیسے ہی سورج طلوع ہوا' صبح کے شفق اور رنگین سایوں میں روانہ ہو کر سہ پہر تک اپنی کھوئی جنت میں پہنچ گیا۔ جس کی وسیع آغوش میں پاکیزگی اور معصومیت پرورش پاتی تھی اور جس کے دراز راستوں میں مستیاں اور رعنائیاں کھیلتی تھیں' جس کی چوڑی چھاتی پر......؟ ندیاں مچلتی تھیں جہاں دھان کے کھیتوں پر حسن ازلی لہلہاتا تھا' جہاں زمردیں درختوں کی نورانی سج دھج شادابیوں کا منہ چڑاتی اور جہاں کے جیالے پھولوں کی نزاکت پر خود قدرت رشک کرتی تھی۔

میں یہاں دوسری بار آیا تھا لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے پہلی بار آیا ہوں۔ اس خطے کو پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ میں سحر زدہ سا ہو گیا تھا۔ میں خواب کی سی حالت میں کھڑا ان حسین اور رنگین نظاروں کو دیکھتا رہا تھا۔ اس کے سحر نے مجھے اپنا اسیر بنا لیا تھا۔

مجھے بہت دیر تک یقین نہیں آیا کہ میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ میرے ذہن میں وسوسوں اور اندیشوں کے زہریلے پھنکارتے ناگ لہر

رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے' لوٹ جاؤ...... واپس جاؤ۔ یہاں جھرنا نہیں ہے۔

میں نے ان زہریلے ناگوں کو کچل دیا اور دھڑکتے دل اور والہانہ انداز سے محبوب کے مسکن میں داخل ہو گیا۔

چمنستان پھولوں سے بھرا پڑا تھا۔ جیسے ہی جھرنا نظر آئی میں ٹھٹک کے رہ گیا۔ ایک لمحے کے لیے دل بھی دھڑکنا بھول گیا۔

وہ جھرنا ہی تھی۔ کوئی اور مہ پارہ نہ تھی۔ اس جھرنا کے لیے تو میں کشاں کشاں یہاں آیا تھا۔ میرا دل اور میری دھڑکن جھرنا...... وہ ایک کنج میں سورج مکھی کے پھولوں کے درمیان بیٹھی ایک خاص قسم کی نرم و نازک گھاس کے تنکوں سے اپنے لیے پاپوش تیار کر رہی تھی۔ دنیا و مافیہا اور میری موجودگی سے بے نیاز تھی۔ اسے میری آمد کی خبر نہ ہو سکی تھی۔ میں اس طرح دبے قدموں گیا تھا کہ آہٹ بھی پیدا نہ ہو سکی تھی۔ وہ بڑی مگن اور محویت میں اپنے کام میں مصروف تھی۔

میں اسے محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ اور سراپا میری نظروں کی گرفت میں متحرک تھا۔ اس وقت وہ آفتابی رنگ کے لباس میں ملبوس تھی۔ اس کا گلابی چہرہ سورج کی سنہری' نرم اور خوش گوار کرنوں سے قندھاری انار کے خوش نما دانے کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے سر کے بال کالی ناگن کی طرح ہوا میں لہرا رہے تھے۔ وہ جس زاویے سے بیٹھی تھی وہ توبہ شکن تھا۔ اس دل فریب نظارے سے میں ایسا متاثر ہوا کہ میں وہیں مبہوت کھڑا رہ گیا۔

کچھ دیر بعد جب وہ تھک سی گئی تو اس نے ایک قیامت خیز انگڑائی لی تو اسے جیسے یک لخت یہ احساس ہوا تھا کہ کوئی اس کی پشت پر کھڑا اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ تیزی سے مڑی۔ جیسے ہی اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ وہ چونک سی گئی۔

پھر میں لپک کر اس کے پاس جا پہنچا۔ میں نے اس سے کہا ''آپ نے مجھے پہچانا......؟''

''کیوں نہیں......'' جھرنا نے اپنا سر ہلایا اور اس کا چہرہ دمک اٹھا اور اس کی

آنکھوں میں خوشی چمک اٹھی۔

''میں آپ کا امتحان لوں......؟'' میں نے اس کی حسین آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''آپ میرا امتحان کس لیے لینا چاہتے ہیں......؟'' اس نے رسیلی آواز میں پوچھا اور مسکرائی۔

''میں دراصل آپ کا نہیں آپ کی یادداشت کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔ اچھا یہ بتائیں کہ میرا نام کیا ہے؟'' میں نے کہا۔

''آپ کا نام......؟'' دل کش انداز سے مسکرائی۔ ''موہن لال۔ یہی نام ہے نا......؟''

اس کی زبان سے مجھے اپنا نام سن کر یہ دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہوئی بتا نہیں سکتا کہ وہ مجھے بھولی نہیں۔ اسے میرا نام آج بھی اسی طرح یاد ہے جیسے میں اس سے کل ملا ہوں۔ برسوں بعد کسی کا نام کیا چہرہ یاد نہیں رہتا۔ اس کے دل میں میری یاد کا چراغ روشن تھا۔ وقت کے تھپیڑے بھی اسے بجھا نہ سکے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہو؟ محبت کرنے والے ہی نام اور چہرہ یاد رکھتے ہیں۔ پردیسیوں' سیاحوں اور اجنبیوں کو بھلا کون یاد رکھتا ہے۔

اس نے جس طرح سے میرا نام لیا اور جن نظروں سے مجھے دیکھا میرے دل میں بے اختیار آیا کہ آگے بڑھ کر اسے بازوؤں میں سمولوں۔ اس کے بھرے بھرے رسیلے ہونٹوں پر مہر محبت ثبت کردوں۔ وہاں اس وقت ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اگر میں اپنے ارادے پر عمل کرتا تو شاید وہ تعرض نہ کرتی اور پرجوش انداز سے پیش آتی لیکن میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ میں عورت کو جانتا تھا۔ اگر ایک عورت خلوص اور اپنائیت سے پیش آتی ہے تو اس کا صریحاً یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ آپ سے محبت کرتی ہے۔ اس نے ماضی میں مجھ سے اظہار محبت کیا تھا اور نہ ہی میں نے کوئی عہد و پیمان۔ یہ اور بات تھی کہ میرے دوستوں میں اس نے مجھے بہت پسند کیا تھا۔ پسند کو محبت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ اگر وہ مجھ

سے محبت کرتی ہوتی تو شاید اس کا اظہار کردیتی۔ کس طرح سے کرتی۔ میں اس کے بارے میں کچھ کہہ سکتا تھا اور نہ ہی کوئی اندازہ تھا۔

میں نے اسے ٹٹولنے کے خیال سے پوچھا۔ ''جب آپ کو میرا نام یاد ہے تو شاید میرے دوستوں کا نام بھی یاد ہوگا؟''

''جانے کیوں مجھے ان میں سے کسی ایک کا نام بھی یاد نہیں رہا۔'' اس نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔ ''میں ان کے نام بھول گئی۔''

میرا دل دھڑک اٹھا۔ گویا وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اس لیے اسے میرا نام یاد ہے۔ میرا دل سرشار سا ہوگیا۔

''حیرت کی بات ہے۔'' میں مسکرایا۔ ''آپ نے مجھے اب تک یاد رکھا' یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ پانچ برس میں ایک بار بھی ادھر نہیں آئے' آج ادھر کیسے بھول پڑے؟'' اس نے خوش دلی سے کہا۔

میں حالات کے بھنور میں پھنس گیا تھا جیسے ہی اس سے نکلا ادھر چلا آیا۔'' میں نے جواب دیا۔

''آپ بہت دکھی' زخمی اور پریشان حال دکھائی دے رہے ہیں؟'' وہ میرے چہرے پر نظریں مرکوز کر کے بولی۔

''اس کا اندازہ آپ کو کیسے ہوا؟'' میں اس کی بات سن کر بڑے زور سے چونکا۔

''ہاں یہ بات تو ہے؟''

''یہاں اکثر وہی لوگ سکون کی تلاش میں آتے ہیں جو زخمی اور بہت دکھی ہوتے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''آپ کے چہرے اور آپ کی آنکھوں سے صاف عیاں ہے کہ آپ نے بہت بڑی چوٹ کھائی ہے۔ آپ نے بہت اچھا کیا جو یہاں آگئے۔''

''لگتا ہے کہ آپ قیافہ شناس ہی نہیں بلکہ درد آشنا بھی ہیں۔'' میں نے کہا۔

''میں زخموں کے لیے مرہم لینے آیا ہوں۔''

''آپ کب اور کس وقت آئے ......؟'' وہ خفت سے بولی۔''معاف کیجئے باتوں میں آپ سے پوچھنا یاد ہی نہیں رہا۔''

''میں کچھ دیر پہلے ہی پہنچا ہوں۔'' میں نے کہا۔''سوچا کہ آپ سے پہلے مل لوں پھر آرام کرلوں۔''

''گویا آپ ایک لمبی اور تکلیف دہ مسافت طے کرکے آئے ہیں۔ آپ میرے ساتھ آئیں۔'' وہ رسیلی آواز میں بولی۔

جھرنا نے جس گرم جوشی اور تپاک سے میرا خیر مقدم کیا' وہ میرے لیے ناقابل یقین تھا۔ وہ مجھے نہایت خلوص اور اپنائیت سے اپنے جھونپڑے میں لے گئی تاکہ میری مہمان نوازی کرسکے۔

سفر کی تکان سے میری طبیعت مضمحل ہو رہی تھی۔ میں نے اتنا لمبا سفر محض جھرنا کے لیے کیا تھا۔ میں کیسے آرام کرتا۔ فوراً ہی اس سے ملنے چلا آیا تھا۔ ایک اشتیاق اور تجسس مجھے کشاں کشاں لے آیا تھا۔ میرے لیے یہ خوشی اور بے انتہا مسرت کی بات تھی کہ اس نے شادی نہیں کی تھی اور اپنا گھر نہیں بسایا تھا۔ اگر اس نے شادی کر لی ہوتی تو وہ یہاں نہیں ہوتی۔ بالفرض یہاں ہوتی وہ مجھے اپنے جھونپڑے میں نہیں لے جاتی کیوں کہ شادی شدہ عورت ایک غیر مرد کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آتی چاہے اس کا پتی کتنا ہی آزاد خیال اور وسیع النظر ہی کیوں نہ ہو۔

اس نے حمام میں میرے لیے نہانے کے لیے گرم پانی رکھ دیا۔ موسم میں اس قدر خنکی تھی کہ میں ٹھنڈے پانی سے نہا نہیں سکتا تھا۔ میں نے گرم پانی سے غسل کیا تو میری ساری کسل مندی اور تکان دور ہوگئی اور سارے بدن میں فرحت اور تازگی کی لہر دوڑ گئی۔

میں تازہ دم ہوکر کمرے میں آیا تو اس نے دسترخوان بچھایا' جس وقت وہ دسترخوان پر کھانا چن رہی تھی' تب میں نے اس محشر خیز پرشباب مجسمے کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لیا۔ جب میں پانچ برس قبل اسے دیکھا تھا تو وہ ایک دھان پان اور نازک سی گڑیا کے مانند تھی۔ اس کے وجود میں ریشم کی نرمی تھی اور باتوں میں شہد کی مٹھاس تھی۔ ان پانچ برسوں میں وہ کچھ

ور خواب آفریں ہوگئی تھی۔ نوخیزی کی ترشی اور کچے پن کی جگہ پکے پھل کا رسیلا پن آ گیا تھا۔ خال و خد میں جو ادھورا پن تھا وہ مکمل ہوگیا تھا۔ اب وہ شاداب اور گداز بدن کی مہ ناز تھی۔ اس کا چہرہ پہلے بھی ملگجے اندھیرے میں چاند کی طرح دمکتا تھا' مگر اب اس کے عارض س کے لب چٹک سے گئے تھے۔ تیسرے شباب کی دوشیزگی نکھر آئی۔

وہ حسن و تناسب کی ایک مثال تھی۔ یوں تو میں نے اوشا جیسی بڑی بڑی فتنے جگانے والی لڑکیاں اور قیامتیں برپا کردینے والی عورتیں دیکھی تھیں لیکن ان میں جھرنا جیسی ات کہاں تھی۔ آج وہ ہندوانہ نہیں بلکہ علاقائی لباس میں تھی۔ وہ سرخ پشمینے کا لمبا پیرہن پہنے ہوئے تھی۔ طلائی کام میں جھم جھماتا' ریشمی بال کے دھویں کی آگ میں سلگتا لاوا' بے چین بانہوں کا تھرکتا' منہ زور اور پھٹ پڑنے کے لیے تیار......اس کا حسن بڑا خطرناک تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے میں کسی آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہوں۔ عورت صرف حسن ی نہیں جسم بھی ہوتی ہے۔ جسم میں حسن ہو تو وہ قیامت ہو جاتی ہے۔

جب اس نے مجھے اپنی طرف متوجہ پایا تو وہ ایک بارگی ہنس پڑی جیسے صاف شفاف اور چمکتے پانی کا فوارہ فضا میں بلند ہوگیا۔ پھر یکا یک ایسے چپ ہوگئی جیسے کسی نے وارہ پر پاؤں رکھ دیا۔ لیکن اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

''آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟'' اس کے لبوں پر تبسم بکھر گیا۔

''پہلی بار تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔''

''میں آپ کو ایک ایسے انوکھے روپ میں دیکھ رہا ہوں جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیا آپ کو بھوک نہیں لگ رہی ہے جو آپ میری تعریف کرنے بیٹھ گئے؟'' وہ مجھے دزدیدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''تعریف نہ کرنا بہت بڑی بدذوقی اور ناانصافی ہے۔'' میں نے کہا۔''آپ نے میری تعریف کا برا تو نہیں منایا۔''

''آپ کھانا کھالیں اور میں اتنی دیر میں کچھ کام ہیں انہیں سمیٹ لوں۔'' وہ

بولی۔ ''میں تو کسی بھی بات کا برا نہیں مناتی ہوں۔''

میں نے کھانا خوب سیر ہو کر کھایا جو نہ صرف بے حد لذیذ اور ذائقہ دار تھا بلکہ مزے دار بھی...... جب پیٹ بھر گیا تو نیند کے جھونکے آنے لگے۔ پھر میں جو بستر میں دراز ہوا تو نیند نے مجھے دبوچ لیا۔ میں جلد ہی گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

ایک حقیقت سے دوسری حقیقت جنم لیتی ہے۔ انسان کے اصل چہرے کے اندر چھپا ہوا بھی ایک چہرہ ہوتا ہے۔ دل کی گہرائی میں جھانک کر دیکھنے سے بھی نئے پن کا احساس ہوتا ہے...... پراسرار، الجھا ہوا اور ناقابل فہم...... یکایک میں نے دیکھا کہ کمرے میں نیم تاریکی ہے۔ دروازہ بند ہے اور جیسے کسی نے دروازہ اور کھڑکی بند کر دی ہو۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مسہری لگی ہوئی ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ جھرنا بستر پر آ گئی ہے۔ میں نے اسے جس عالم میں دیکھا میرے سارے بدن میں نرم اور لطیف سی چنگاریاں بھر گئیں۔ میں خاموش اور بے سدھ رہا۔ دیکھوں یہ کیا کرتی ہے۔ میں چپ چاپ لیٹا رہا۔ اسے دیکھتا رہا۔ جھرنا میرے اور قریب ہوگئی۔ اس کا لمس بڑا لطیف اور انوکھا تھا۔ میرے سارے بدن میں سنسنی پھیل گئی اور عضو عضو سے فوارے ابل پڑے۔ جھرنا میرے اور قریب ہوئی۔ اب اس کے اور میرے درمیان فاصلہ نہیں رہا۔ پھر اس نے ایک حسین بلا کی طرح مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ ایک ناگن کی طرح میرے جسم کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ کبھی بھی مجھے ڈس سکتی تھی۔ مجھ پر مہربان ہونے کے لیے وہ مجھے اپنے جھونپڑے میں لے گئی تھی۔ جھرنا اتنی دور جائے گی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ جھرنا فیاض عورت بن گئی تھی۔ جب وہ میرے چہرے پر جھکی تو میں نے دیکھا کہ وہ اس کا چہرہ نہیں ہے بلکہ کسی زہریلی ناگن کا ہے۔ میرے بدن کو ایک جھٹکا سا لگا اور میری آنکھ کھل گئی۔

نیند کی حالت میں میں نے جو کچھ دیکھا وہ ایک خواب تھا۔ جو خیال جاگتے میں میرے ذہن میں منڈلا رہا تھا وہ خواب میں حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔ میرے سارے بدن میں خون رقص کرنے لگا۔ میری نس نس میں اس طرح سے ایک لطیف احساس چھایا جیسے وہ خواب نہ ہو بلکہ حقیقت...... میں نے سوچا کہ کاش یہ حقیقت ہوتی......

میں نے کھڑکی میں سے دیکھا۔ درختوں کے نرم اور کومل نئے پتوں پر ڈھلتی سہ پہر کی دھوپ چمک رہی تھی اور چڑیوں کی چہکار بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی جیسے کوئی سنگین سپنا پوری دھرتی پر پھیلا ہوا ہو۔ اس کے خاموش لمس میں تخلیق کی کتنی زبردست قوت ہے۔ یہ تو معلوم نہیں تھا۔ اس کی قوت نمو درختوں کی جڑوں میں پھیل کر نئے پتے اور رنگ برنگے پھولوں کی آماج گاہ کی شکل میں بہار لاتی ہے۔ اس میں بھی اس اب تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ میرے سارے جسم میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی اور اس کا اثر آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا۔ خمار آلود سہ پہر گزرنے والی ہی تھی۔ میں نے سوچا کہ پھر کومل گھنٹی کی جھنکار کی طرح شام کی سیاہی پھیل جائے گی۔ دن کی روشنی سے رات کی تاریکی گلے ملنے سے پہلے جیسے مختلف آوازوں میں فضا اپنی کہانی سنائے گی۔ بانس کی جھاڑی میں سینکڑوں چڑیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی جیسے کوئی ماہر ستار نواز ستار بجا رہا ہو۔ میں تھوڑی دیر بستر پر دراز سنتا رہا۔

میں نے نسوانی آوازیں سنیں۔ ایسا لگا جیسے جل ترنگ کھنک رہے ہوں۔ باہر نکل کر دیکھا کہ کشمیری عورتوں کا ایک میلہ سا لگا تھا۔ اس میں سولہ برس سے لے کر تیس برس تک کی خوبرو لڑکیاں اور عورتیں تھیں جن کے جھرمٹ میں جھرنا نہایت وقار اور تمکنت سے اس طرح بیٹھی تھی جیسے ستاروں کے حلقے میں پونم کا چاند...... ایک بہت بڑے سماوار میں چائے ابل رہی تھی۔

میں اسے مصروف پا کر چمنستان کی طرف چل دیا۔ سورج اس وقت پہاڑوں کی عین برفانی چوٹیوں پر چمک رہا تھا اور فوراً ان شعاعوں کے عکس سے برف پر جا بجا قوس قزح رنگ جھلک رہے تھے۔ ان رنگین سایوں سے وادی کی شان دوبالا ہو رہی تھی اور ادھر زرشک کی کھٹ مٹھی خوشبوؤں کو لبھا رہی تھی۔

میں ان فطری تجلیات کی بہاریں لوٹتا ہوا نہایت سکون و اطمینان سے گل گشت چمن کرنے لگا۔ میں اس خواب کے بارے میں سوچنے لگا جس کا خمار دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خواب نہ ہو۔ کہیں جھرنا نے مجھے کھانے میں ایسی کوئی چیز ملا دی

ہو جس سے مجھ پر ایک نیم بے ہوشی طاری ہوگئی اور اس نے اس سے فائدہ اٹھایا ہو۔ اس جھونپڑے میں اس کے اور میرے سوا کوئی تھا بھی نہیں...... اور پھر وہ ایک جوان اور پرشباب عورت ہے۔ اپنی جوانی کی پیاس بجھانے کے لیے مہربان ہو سکتی ہے اور جذبات کے جنگل میں بہت دور جا سکتی ہے۔ میں نے اپنے ان خیالات کو جھٹک دیا جو پراگندہ تھے۔ جھرنا کو اتنی دور جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ وہ میری جانب پیش قدمی کرتی تو میں کفرانِ نعمت نہیں کرتا۔

میں یہ سب کچھ سوچتا ہوا چکر کاٹ کر زرشک کی بیلوں سے گزر رہا تھا تو سامنے ایک خرف پوش کشمیری کھڑا دکھائی دیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے مجھے بڑے عجیب انداز اور خاموشی سے رکنے کا اشارہ کیا۔

میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ مجھے لگا شاید کوئی سوالی ہو۔ اس علاقے میں غربت و افلاس بہت زیادہ تھی۔ سیاحوں سے مقامی مرد، بچے اور عورتیں بھی بھیک مانگتی تھیں۔ میں نے یہ بھی سنا تھا کہ کچھ بہت ہی خفیہ طریقے سے محتاط ہو کر بردہ فروشی بھی کرتے ہیں۔

گھروں میں قحبہ خانے بھی ہیں اور سیاح لوگوں سے انہیں بہت آمدنی ہوتی ہے۔

اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور پوچھا ”کیا تم سیاح ہو......؟“

”ہاں“ میں نے سر ہلایا۔ ”میں یہاں کی سیر و سیاحت کے لیے آیا ہوں۔ یہ بہت ہی خوب صورت علاقہ ہے۔“

”یہ خوب صورت علاقہ تو ہے لیکن یہ موت کی وادی ہے۔“ اس نے آہستگی سے کہا۔ ”تم یہاں سے بھاگ جاؤ؟“

”بھاگ جاؤں......؟“ میں نے یک لخت حیران ہو کر اس سے سوال کیا۔ ”وہ کس لیے......؟ اور تم اسے موت کی وادی کیوں کہہ رہے ہو۔ میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں دیکھی اور محسوس نہیں کی۔ یہ تو ایک پرسکون سا خطہ ہے۔“

”تمہیں یہاں آئے ہوئے کتنے دن ہوئے ہیں......؟“ اس نے مجھے گہری نظروں سے دیکھا۔

”میں یہاں آج ہی پہنچا ہوں لیکن پانچ برس پہلے آیا تھا۔ تب میں یہاں کچھ دن گزار کر گیا تھا۔“ میں نے اسے بتایا۔

”پانچ برس پہلے کی بات اور ہے...... آج کچھ اور بات ہے۔ اپنی زندگی اور جوانی پر رحم کھاؤ۔“ اس نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔

”لیکن کیوں میں یہاں سے بھاگ جاؤں؟“ میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ”یہاں مجھے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا ہے۔“

وہ میری حیرانی دور کرنے اور وجہ بتانے کی بجائے خود ہی بھاگ گیا۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش کی اور اسے آوازیں دیں لیکن وہ رکا نہیں اور نہ ہی اس نے پیچھے مڑ کر مجھے دیکھا۔ وہ مجھ سے اس طرح خوف زدہ ہو گیا تھا جیسے میں کوئی عفریت ہوں۔ یا پھر اس نے کوئی چیز دیکھ لی تھی جس سے وہ بے حد دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ مجھے اطراف میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی جس نے اسے بری طرح حواس باختہ اور دہشت زدہ کر دیا تھا۔ میں اپنے شانے اچکا کر رہ گیا تھا۔ وہ میری حیرانی میں اور اضافہ کر گیا تھا۔

میں اس شخص کی عجیب و غریب اور پراسرار حرکت پر غور کر ہی رہا تھا کہ میں نے عقب سے سیٹی کی آواز سنی۔ میں نے آواز کی سمت پلٹ کر دیکھا۔ قدرے اور جو پگ ڈنڈی تھی اس پر ایک بوڑھا کشمیری کھڑا دکھائی دیا۔ اس کی عمر اسّی برس کے لگ بھگ ہوگی۔ اس کے سارے بال دودھ کی طرح سفید تھے۔ بھنویں بھی سفید تھیں۔ وہ وضع قطع اور چہرے مہرے سے پنڈت سا لگ رہا تھا۔ وہ مجھے یہاں سے بھاگ جانے کا اشارہ کر رہا تھا۔ میں بھاگ جانے کی بجائے اس کی طرف بڑھا تاکہ اس کی وجہ پوچھوں اور اپنا تجسس دور کروں۔

جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے جھونپڑے کی طرف اشارہ کیا اور اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی جس کا مطلب یہ تھا کہ میں خاموش رہوں۔ ایسا نہ ہو کہ جھرنا ہماری

آواز سن لے۔ وہ اس لیے گفتگو کرنے سے خائف ہو رہا تھا۔

"جھونپڑا بہت دور ہے اور ہماری آواز اس تک کیسے پہنچ سکتی ہے؟" میں نے کہا۔ "جب کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل بھی ہے۔"

"تم جھرنا کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہو؟" اس نے سرگوشی میں بہت ہی آہستگی سے کہا۔ "وہ میلوں دور کی آواز بھی سن لیتی ہے۔"

میں اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔ "یہ تمہارا وہم ہے...... ایسا کہیں ہو سکتا ہے؟ بہت دور سے صرف ٹیلی فون پر ہی آواز سنائی دے سکتی ہے......؟ تم نہیں جانتے ہو کہ ٹیلی فون کیا ہوتا ہے...... شاید جانتے ہو۔" میں نے کہا۔

"زیادہ بہادر نہ بنو...... موت کی دعوت نہ دو جوان...... تم سیاح ہو...... مجھے تم پر ترس آ رہا ہے تم بہت خوب صورت ہو۔ اپنی حماقت سے باز آ جاؤ...... اس ساحرہ کے حسن کے طلسم میں نہ پھنسو...... پیروں پر کلہاڑی نہ مارو۔"

وہ اپنی بات ختم کر کے گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا۔

ان دونوں آدمیوں کی باتوں نے مجھے عجیب سی الجھن میں ڈال دیا اور میں تذبذب میں پڑ گیا۔ میں کچھ سمجھ نہ سکا کہ وہ مجھے کس خطرے سے آگاہ کر رہے تھے۔ کس سے میری جان کو خطرہ لاحق ہے۔ دوسرے نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں جھرنا کے حسن کے طلسم میں نہ پھنسوں۔ میں اسے بتانا چاہتا تھا' جھرنا کے حسن و شباب کا طلسم مجھے پانچ برسوں بعد یہاں کشاں کشاں لے کر آیا ہے اور پھر اس عورت میں ایسی کوئی بات دکھائی نہیں دی جس سے میں خائف ہو جاؤں۔ وہ کوئی عفریت ہوتی تو گاؤں کی عورتیں اس کے پاس اس وقت بیٹھی ہوئی نہ ہوتیں اور اس کے قریب پھٹکتی بھی نہیں۔

میں نے ان دونوں بوڑھوں کی باتوں کو دل سے نکال دیا۔ وہ مجھے خبطی سے لگے تھے۔ میں کسی الجھن اور وہم کا شکار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ جھرنا ہرگز ایسی نہیں تھی جس سے وہ مجھے خوفزدہ کر رہے تھے اور ڈرا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد سورج کی نرم و نازک اور سنہری شعاعیں ایک ایک کر کے روپوش

گئیں۔ جنگلی درخت...... خوش رنگ پھول...... پہاڑی' کھیت' خود رو بیل بوٹے......
شادہ وادی' غرض یہ کہ ہر چیز کسی خوف زدہ ہرن کی طرح سہم کر رات کے تاریک دامن
ں پناہ لینے لگی۔ کیسا سحر زدہ سا نظارہ تھا۔ میں عالم استعجاب میں ڈوبا وہیں کھڑا رہا۔ اپنی
لمہ جیسے جامد و ساکت ہو گیا تھا۔ ایسا لگا کہ میں بت بن گیا ہوں اس حسن کے جادو نے
ھے بت ہی بنا دیا تھا۔

چند لمحوں کے بعد میں نے اپنے شانے پر یکا یک ایک ہاتھ کا لمس محسوس کیا تو
برے سارے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔

میں نے چونک کر اور برق سرعت سے پلٹ کر دیکھا۔ جس کسی نے بھی ہاتھ رکھا
ا' میں نے اس کی آہٹ محسوس نہیں کی۔ وہ بڑی خاموشی سے اور دبے پاؤں آیا تھا۔ اس
ا یہ انداز بہت ہی پراسرار اور نہ صرف چونکا دینے والا بلکہ خوف زدہ کرنے والا تھا۔ یوں
ی میں ان دو خرقہ پوش بوڑھے کشمیریوں سے ملاقات اور ان کی باتوں اور حرکات سے
جانے طور پر کسی حد تک خوف زدہ سا ہو گیا تھا۔ اس لیے ہاتھ کا لمس کندھے پر محسوس
کر کے میں جیسے اچھل سا پڑا۔

وہ ایک بوڑھی عورت تھی۔ اس کے سر کے تمام بال سفید تھے۔ چہرے پر عمر کی
ستگی اور شکنیں پڑی تھیں۔ اس نے میرے شانے سے ہاتھ ہٹا لیا۔ وہ عورت بوڑھی تو تھی
یکن صحت مند تھی' جوانی میں بہت خوب صورت رہی ہو گی۔

اس نے اردو زبان میں مجھ سے پوچھا۔ "تم کیوں آئے ہو اور کہاں سے آئے
و؟"

"میں سیر و سیاحت کی غرض سے آیا ہوں اور کلکتہ شہر سے آیا ہوں۔" میں نے
جواب دیا۔

"تمہارا تعلق کس قوم سے ہے......؟" اس بوڑھی عورت نے پلکیں جھپکائے بغیر
جھ سے سوال کیا۔

"میں انسانی قوم سے ہوں۔" میں نے کہا۔ "میں مذہب اور فرقہ اور رنگ و نسل

کے بارے میں سوچتا نہیں ہوں۔"

"تم شاید جھرنا کے جھونپڑے میں ٹھہرے ہو اور آج ہی یہاں پہنچے ہو نا؟" اس بوڑھی عورت نے کہا۔

"ہاں ..." میں نے سر ہلایا۔ "تمہیں اس کے متعلق کسی نے بتایا؟ میں نے تمہیں شاید راستے میں یا جھرنا کے چمنستان میں نہیں دیکھا؟"

"مجھے کسی نے نہیں بتایا...... کسی کو بتانے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہوتی ہے کیوں کہ یہاں ہر کسی کو اس بات کی فوراً خبر ہو جاتی ہے آج کوئی اجنبی یا سیاح آیا اور اس نے کہاں قیام کیا ہے۔ اس کا تعلق کہاں سے ہے؟" بڑھیا بولی۔

"گویا تم لوگ ہر بات اور پل پل کی خبر رکھتے ہو؟ چھپ کر ہر ایک کی حرکات کو دیکھتے رہتے ہو؟ کیوں......؟"

"ہاں...... یہی سمجھ لو......" بوڑھیا نے جواب دیا۔ ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی کام اور مصروفیت جو نہیں ہوتی ہے۔"

"اچھا تو یہ بتاؤ کہ تم میرے پاس اس قدر پراسرار انداز، خاموش اور محتاط انداز سے کیوں آئی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں یہ کہنے کے لیے اور تم سے پوچھنے کے لیے آئی ہوں کہ کیا تمہیں رات گزارنے کے لیے گاؤں میں کوئی اور جگہ نہیں مل سکتی تھی؟"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اور کہاں ٹھہر سکتا ہوں۔ میں گاؤں میں کہیں بھی کسی کے ہاں بھی ٹھہروں کیا ایک ہی بات نہیں ہے؟"

"مجھے دراصل تم پر ترس آ رہا ہے...... کیوں کہ تم ایک حسین بلا کے خوب صورت دام میں آ پھنسے ہو؟"

وہ بوڑھیا اتنا کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ کر مشرقی سمت جانے لگی تو میں نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "سنو!"

اس نے رک کر میری جانب دیکھا۔ "کیا بات ہے؟ تم نے مجھے روک کیوں

لیا؟" اس کا چہرہ زرد سا پڑ گیا۔

"سچ سچ بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے؟ یہاں تھوڑی دیر پہلے مجھے دو بوڑھے گاؤں کے آدمی ملے تھے' انہوں نے بھی مجھ سے کہا تھا کہ میں جھرنا کے ہاں کیوں ٹھہرا ہوں۔ بھاگ جاؤں۔ میں نے ان سے اس بابت بہت کچھ جاننے کی کوشش کی تھی لیکن کسی نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا اور خود ہی جھرنا کے خیال اور خوف سے بھاگ نکلے۔ جیسے جھرنا عورت نہ ہو کوئی عفریت ہو؟"

"تم نے بھی مجھے کچھ نہیں بتایا۔ تم نے صرف یہ کہا کہ میں اس حسین بلا کے خوب صورت دام میں کیوں آ پھنسا؟"

"میں بتا نہیں سکتی......؟" بوڑھیا نے پلٹ کر چمنستان کی طرف دیکھا اور اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ "مجھے جانے دو۔"

"اگر تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا تو پھر جھرنا سے تمہاری شکایت کر دوں گا؟" میں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"نہیں...... نہیں...... بھگوان کے لیے ایسا نہیں کرنا۔" وہ میری دھمکی سن کر کانپ گئی۔ "میں بتاتی ہوں۔ بتاتی ہوں۔"

پھر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے شمشان گھاٹ کی باڑ کے پاس لے گئی۔ اس کے قریب ایک سنگین عمارت تھی پھر وہ مجھے لے کر اس کے عقب میں آ گئی۔ یہاں سے چمنستان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ حد سے زیادہ احتیاط برت رہی تھی۔

"کیا تم نے اس بات کو دیکھا اور محسوس نہیں کیا کہ وہ اس جنگل میں کس شان و شوکت سے رہتی ہے؟" بوڑھیا نے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے سر ہلا کر اقرار کیا۔ "ایسا لگتا ہے کہ وہ اس علاقے کی کوئی مہارانی ہو؟"

"تم یہ بھی بہت اچھی طرح جانتے ہو گے کہ ہمارا علاقہ کس قدر پس ماندہ اور مفلس ہے۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

''ہاں......ایسے پس ماندہ علاقوں میں بہت ہی غربت و افلاس ہوتی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''لیکن ہم خود چیتھڑے پہنتے ہیں مگر اس کے لیے ریشمی ساڑھیاں اور پشمینے کا زردوز لباس بناتے ہیں۔'' وہ دل گرفتہ لہجے میں بتانے لگی۔ ''خود رکھا سوکھا کھاتے ہیں اور اس کے لیے روزانہ اچھی اچھی خوراکیں بہم پہنچاتے ہیں۔ خود ''گانگڑیوں'' کے سہارے بیٹھ کر رات گزارتے ہیں مگر اس کے گھر میں ہمارے بنائے ہوئے گابھے...... نمدے اور قالین موجود ہیں...... تم تھوڑی دیر کے لیے یہ بات سوچو کہ آخر ہم ایسا کیوں کرتے ہیں؟'' اس نے سانس لینے کے لیے توقف کیا۔

''میں کیا جانو......؟'' میں نے سر ہلایا۔ ''میں ایک اجنبی اور سیاح ہوں۔ میں کبھی اس گاؤں میں آیا نہیں۔''

''میں بتاتی ہوں...... اس لیے کہ جھرنا عورت نہیں ایک ڈائن ہے......'' اس نے سرگوشی میں آہستگی سے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''کیا کہا......؟'' میں اچھل پڑا۔ ''تم اس حسین اور معصوم لڑکی کو ڈائن کہہ رہی ہو؟ ایسا نہ کہو۔ وہ ڈائن ہرگز نہیں ہو سکتی۔''

''تم پہلے میری بات پوری اور خاموشی سے سن لو۔'' وہ کہنے لگی۔ ''انسانی خون اس کے منہ لگ چکا ہے جس کے منہ ایک بار انسانی خون لگ جائے' وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کی بھی یہی حالت ہے۔ وہ انسانی خون کی بھوکی اور پیاسی ہے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک جوان لڑکی انسانی خون کی پیاسی اور عادی ہو جائے؟'' میں نے کہا۔ مجھے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

''ہم یہ سب چیزیں اپنے بچاؤ کی خاطر اسے بطور نذرانہ دیتے ہیں۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔'' وہ بولی۔

''اسے نذرانہ نہ دیا جائے تو کیا وہ گاؤں کو ہراساں اور پریشان کرتی ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں...... یہی بات ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اس سے پیشتر وہ گاؤں والوں پر ہاتھ صاف کیا کرتی تھی۔''

''اوہ یہ بات ہے۔'' میں نے گہرا سانس لیا۔ ''اس طرح اس نے اپنی پیاس انسانی خون سے بجھانا بند کر دیا؟''

''گاؤں کی جان بچ گئی...... اس کی پیاس سے نجات مل گئی۔ لیکن اب گاؤں کا خون نہیں پیتی ہے۔'' بوڑھیا نے کہا۔

''پھر اب وہ کیسے اور کیوں کر اپنی پیاس بجھاتی ہے۔ کیوں کہ جس کے منہ ایک بار انسانی خون لگ جائے وہ باز نہیں آتا ہے۔''

''اب وہ صرف بھولے بھٹکے مسافروں کو ہی شکار بناتی ہے یا پھر قبروں سے مردے نکال کر کھا جاتی ہے۔ یہاں مسلمانوں کا قبرستان ہے...... اس جانب مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی ہے۔'' بوڑھیا نے شمالی جنوب کی طرف اشارہ کیا۔ ''جھرنا کا حسن و جمال صرف فریب نظر ہے۔ وہ ڈائن ہے۔ اس نے دنیا والوں کو بے وقوف بنانے کے لیے ایک حسین اور جوان لڑکی کا بہروپ بھرا ہوا ہے۔''

''ایسا تو نہیں کہ اس کے متعلق بے سروپا کہانیاں مشہور کی ہوئی ہیں۔ ایک عورت انسانی خون کیسے پی سکتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس کے متعلق کوئی بات غلط اور بے سروپا نہیں ہے۔'' بوڑھیا کہنے لگی۔ ''دو سال پیشتر ایک سپیرا ناگنوں کی تلاش میں آیا تھا کیوں کہ یہاں بہت حسین اور زہریلی ناگنیں بھی ہوتی ہیں۔ اس نے جھرنا کو دیکھ کر یہ بتایا تھا کہ جھرنا...... دراصل ایک ناگن ہے۔ اس نے انسانی روپ دھارا ہوا ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ شیش ناگوں میں یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانی روپ میں آنا چاہیں تو انہیں ناگ دیوتا کے مندر میں دو سو برس تک ہر سال ساون میں اماوس کی رات انسانی جانوں کے خون میں نہ صرف نہلایا جاتا ہے بلکہ خون بھی چسوایا جاتا ہے۔ پھر ناگ انہیں انسانی روپ میں ڈھال دیتا ہے۔ وہ نہ صرف انسانی بلکہ جس جان دار کی سوچ دل میں لائیں' اس میں پل بھر میں ڈھل جاتے ہیں۔ جھرنا بھی

ناگن ذات کی ہے۔ اسی لیے وہ انسانی خون کی پیاسی ہے اور انسانی خون پیتی رہتی ہے۔ اس نے ہماری نذر سے ہمارا خیال بھی رکھا۔ اس کے ناگن ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس نے ایسے خطرناک بدمعاشوں کو ناگن بن کر ڈس لیا جو گاؤں کی عورتوں کو اغوا کر کے انہیں بے آبرو کرنا چاہتے تھے۔"

"اس بات میں کس قدر سچائی ہے......؟" میں نے کہا۔ "کیا اسے کسی نے ناگن کا روپ اختیار کرتے دیکھا ہے؟"

"صنوبر نے دیکھا ہے۔" بوڑھیا نے جواب دیا۔ "وہ مسلمانوں کے گاؤں میں رہتی تھی۔ شادی کے بعد وہ اپنے شوہر کے ساتھ سری نگر چلی گئی۔ وہ بہت حسین اور سولہ برس کی تھی۔ اس کا بھائی کسی کام سے گاؤں سے باہر گیا ہوا تھا۔ ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ پانی کے لیے اکیلی ہی ندی کی طرف چلی گئی۔ واپسی میں دو ایک جگہ ستانے کے لیے رکی اور مٹکا زمین پر رکھ دیا۔ وہ لیٹی تو اس کی آنکھ لگ گئی۔ کسی شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا دو بدمعاش قسم کے مرد اس کے پاس کھڑے اسے پھٹی نظروں سے بھوکے بھیڑیوں کی طرح اس طرح گھور رہے ہیں جیسے وہ کچا گوشت ہو۔ صنوبر ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ان کے ارادوں کو بھانپ کر وہ ایک سمت تیزی سے بھاگی۔ لیکن ان بدمعاشوں نے اسے لپک کر پکڑ لیا۔ قریب میں ایک کنج تھا اور اسے وہاں لے گئے۔ انہوں نے اپنی جیبوں سے چاقو نکال کر اسے حکم دیا کہ وہ لباس سے بے نیاز ہو جائے۔ صنوبر نے ان کی بڑی منت سماجت کی۔ گڑگڑائی...... ان دونوں کو اللہ رسول کا واسطہ دیا لیکن ان کی کھوپڑی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ صنوبر زور زور سے چیخنے اور چلانے لگی تو ان شیطانوں نے اس سے کہا کہ اب تو اسے اس کا اللہ بھی بچا نہیں سکتا۔ وہ اپنے دل کی حسرت پوری کر کے جائیں گے۔

جس وقت وہ دونوں بدمعاش اسے نرغے میں لے کر اسے بے لباس کرنے کے ارادے سے بڑھ رہے تھے، تب اس نے جھرنا کی ایک جھلک دیکھی۔ وہ کنج کے سامنے سے گزری تھی۔ ان بدمعاشوں نے چاقوؤں کے زور پر صنوبر کو بے لباس کر دیا۔ اس سے

پہلے کہ وہ اس پر ٹوٹ پڑتے ایک بہت ہی خوبصورت ناگن اندر داخل ہوئی۔ ان بدمعاشوں کی نظر جیسے ہی اس ناگن پر پڑی وہ حواس باختہ ہو گئے، لیکن انہوں نے سنبھل کر ناگن پر چاقوؤں سے حملہ کر دیا لیکن ناگن پر ایک خراش تک نہ آئی۔ اس نے دونوں کو باری باری ڈس لیا۔ جب وہ زمین پر گر گئے اور انہوں نے دم توڑ دیا تو ناگن نے ان کا خون باری باری پی لیا اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔ صنوبر ایک طرف سہم کر کھڑی تھر تھر کانپتی رہی تھی جیسے ناگن کنج سے نکلی اس نے کپڑے پہنے اور باہر نکلی۔ پھر اس نے جھرنا کو دیکھا جو اس کی طرف تیزی سے آ رہی تھی۔ اس نے صنوبر سے انجان بن کر پوچھا، صنوبر نے اسے سارا واقعہ سنایا۔ پھر جھرنا اسے گھر تک چھوڑ گئی۔ وہ جھرنا ہی تھی جو ناگن کے روپ میں صنوبر کی مدد کو آئی تھی۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جھرنا کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ سپیرے نے جھرنا کے بارے میں جو کچھ بتایا اس میں بڑی صداقت ہے۔"

اس انکشاف نے مجھے حواس باختہ کر دیا اور میری رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ بوڑھیا جھوٹ نہیں بول سکتی تھی اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت تھی۔ اس نے ایک انسانی ہمدردی کے ناتے مجھے جھرنا کے اصل چہرے اور خطرے سے آگاہ کیا تھا۔

اس وقت آسمان پر سیاہ اور سفیدی دست و گریباں ہو رہی تھی۔ تمام وادی پر دھندلکے کا غلاف چڑھ رہا تھا۔ ہوائیں کالے چور کی طرح کائنات سے داؤ گھات کر رہی تھیں۔ سیاہ پوش فضا میں جھاڑیوں کی وارفتہ جنبش سے روحوں کے چلنے پھرنے کا گمان ہو رہا تھا۔ میں توہم پرست نہ تھا۔ لیکن اب اس وقت توہم پرست بن گیا تھا۔

اس پریشان کن ماحول میں اس بوڑھیا نے مجھے جو عجیب و غریب، پراسرار اور ڈراؤنی کہانی سنائی تھی اس کا مجھ پر نفسیاتی طور پر ایسا اثر ہوا کہ میں واہمہ کا شکار ہو کر کانپنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ میں غش کھا کر بے ہوش ہو جاؤں گا۔

سچ ہے جان بہت عزیز ہوتی ہے۔ ادھر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ میرے چشم تصور میں ایک خوفناک اور مکروہ شکل کی عورت کا چہرہ گھومنے لگا۔ یہ ایک ڈائن کا اور جھرنا کا اصل چہرہ تھا اور اس خنکی میں بھی میرے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

میں نے اس کی طرف ملتجیانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آج کی رات تم مجھے اپنے ہاں گزارنے دو؟''

بوڑھیا نے فوراً ہی کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ ''نہ بابا..... تم مجھے معاف کردو تو تمہاری بڑی کرپا ہوگی۔''

''میں تمہیں منہ مانگی رقم دے سکتا ہوں؟'' میں نے اپنی جیب سے بٹوا نکالا کہ کتنی رقم چاہیے تمہیں.....؟''

''میں کسی قیمت پر بھی تمہیں ٹھہرا نہیں سکتی.....'' اس نے کہا۔ ''مجھے تمہاری رقم کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسے پاس ہی رکھو۔''

''گاؤں میں کوئی سرائے تو ہوگی؟'' میں نے بٹوہ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''ایسا کرو اس کا پتا بتادو۔''

''اول تو گاؤں میں کوئی سرائے نہیں ہے..... بالفرض ہوتی بھی تو تمہیں کوئی ٹھہرنے بھی نہیں دیتا۔'' بوڑھیا نے کہا۔

''بھلا یہ کیا بات ہوئی؟'' میں نے حیرانی سے کہا۔ ''سرائے تو مسافروں کے لیے ہوتی ہے۔ اس میں ہر مسافر قیام کرسکتا ہے۔''

''گاؤں والے ایک مسافر کی خاطر جھرنا کو دشمن کیسے بنا سکتے ہیں؟'' بوڑھیا نے صاف گوئی سے کہا۔

عین اس وقت پاؤں کی چاپ سنائی دی اور ساتھ جھاڑیوں سے خفیف سی سرسراہٹ..... بوڑھیا تو کسی کتیا کی مانند فوراً ہی دم دبا کر بھاگی۔ لیکن میں حواس باختہ ہو کر اپنی جگہ منجمد ہو کر کھڑا رہ گیا۔ مجھ میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اپنی جگہ سے حرکت کرسکوں۔ کچھ دیر بعد جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ محض وہم تھا' دراصل ایک خیال ذہن میں یہ آیا تھا کہ کہیں جھرنا ناگن کے روپ میں میری تلاش میں تو نہیں آئی تھی.....؟ جب میں نے گلہری دیکھی تو میری جان میں جان آئی۔ مجھے صنوبر اور جھرنا کے ناگن بننے والی کہانی پر یقین نہیں آیا۔ پھر میں اپنے چہرے پر مصنوعی بشاشت پیدا کرتے ہوئے جھونپڑی کی طرف چلا گیا۔

جھونپڑے کے اندر داخل ہوا تو وہ خالی پڑا تھا۔ جھرنا اندر موجود نہیں تھی۔ جس سے مجھے سخت فکر ہوئی اور یقین ہوگیا کہ اس نے ضرور میری اور بوڑھیا کی باتیں سنی ہوں گی مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اب میں چپ چاپ اس کے انتظار میں بیٹھ گیا اور ان باتوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگا جو بوڑھیا نے مجھ سے کہی تھیں۔ میرا سینہ دھک دھک کیے جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جھرنا اندر داخل ہوئی اور سست انداز سے کھانا لائی اور نہایت خاموشی سے میرے سامنے چن دیا۔ اس کے اس رسمی اور سرد رویے سے میں بہت فکرمند اور پریشان ہوا۔ پھر اس سے گھل مل کر باتیں کرنے لگا اور اسے ہنسانے کی کوشش بھی کی لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں دی اور ٹالنے کی غرض سے اٹھ کر میرا بستر تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔

اب تو میں بہت گھبرایا اور میں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تو وہ تاڑ گئی پھر اس کے مغموم چہرے پر ایک ویران اور بے جان سی مسکراہٹ نے جنم لیا۔ اس نے اس مسکراہٹ کو زبردستی اور میرا دل رکھنے کے لیے جنم لیا تھا جیسے۔

وہ چند ثانیوں کے بعد دھیمی آواز میں بولی۔ ''یہ آپ نے کھانا کیوں چھوڑ دیا؟ کیا آپ کو پسند نہیں آرہا ہے؟''

''کھانا بہت اچھا اور لذیذ ہے۔'' میں نے اداسی سے جواب دیا۔ ''آپ کی بے رخی دیکھ کر کھانے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔''

میری بات سن کر اس نے اپنا سر جھکالیا۔ پھر اس کی بڑی بڑی نشیلی آنکھوں سے اس طرح آنسو برسنے لگے جیسے ساون بھادوں کی جھڑی..... مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ میری بات سن کر رونے لگے گی۔

بھگوان جانے اتنے بڑے بڑے شفاف موتیوں جیسے آنسوؤں کا خزانہ اس نے کہاں جمع کر رکھا تھا کہ میں ششدر رہ گیا۔ مگر ان مخمور آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں

نے ایسا اعجاز دکھایا کہ میرے تمام شکوک ان کی دل فریب رو میں بہہ گئے۔

میں اپنی غلطی پر سخت نادم ہوا۔ عورت کے آنسو تو پتھروں کو پگھلا دیتے ہیں میں تو ایک انسان تھا۔ میرے سینے میں پتھر دل نہ تھا۔

جھرنا کا بھولا بھالا چہرہ دیکھ کر میرا دل موم ہو گیا۔ میں یہ جان گیا کہ اس کے دل میں میرے لیے جگہ ہے۔

''جھرنا! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' میں نے دل کڑا کر کے لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہا۔ ''تم میری محبت ہو۔''

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش رہی تو میں اس کے پاس جا بیٹھا۔ پھر سابقہ الفاظ دہرائے۔

''لیکن آپ کی محبت......؟'' اس نے رک رک کر کہا اور اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور خاموش ہو گئی۔

''کیا میں تمہاری اس خاموشی سے یہ سمجھوں کہ تمہیں میری محبت نامنظور ہے؟'' میں نے کہا۔

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا پھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی اور چہرے پر گہری اداسی چھانے لگی۔

جھرنا کی یہ خاموشی میرے لیے بڑی کربناک تھی جس سے میری بے قراری دم بہ دم بڑھنے لگی۔ وہ کسی ایسے خیال میں محو ہو گئی تھی جیسے اس کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں...... وہ دنیا و مافیہا سے جیسے بے نیاز ہو گئی تھی۔

''جلدی سے جواب دو جھرنا! اب میں تمہاری زبان سے جواب سننے کا انتظار نہیں کرسکتا۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔
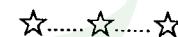
پھر اس لمحے نہ جانے کیا ہوا کہ میں نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا تو وہ کانٹے میں پھنسی مچھلی کی طرح چلی آئی۔ پھر میں اس کے چہرے پر جھک گیا۔ بوسوں کی

بارش کر دی۔ اس کے رسیلے ہونٹوں کا سارا رس چرا لیا۔ اس نے کوئی مزاحمت کی اور نہ ہی میرے بازوؤں کی گرفت میں وہ کسمسائی۔ اس نے اپنے آپ کو پوری طرح میرے حوالے کر دیا تھا لیکن میں نے حد سے تجاوز نہیں کیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ میرے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''تمہاری محبت میں کھوٹ ہے۔''

''نہیں جھرنا نہیں......'' میں نے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہ میری محبت میں کوئی کھوٹ ہے اور نہ تصنع ہے۔ یہ تمہارا غلط اندازہ ہے۔''

''تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے...... دراصل تمہیں میرے حسن و شباب اور جسم کی خواہش ہے۔'' جھرنا نے جواب دیا۔

''جھرنا! ایسی بات ہوتی تو میں اس وقت بھونرا بن جاتا...... حد سے تجاوز کر جاتا۔ تم میری جذباتیت کو غلط رنگ نہ دو۔'' میں نے کہا۔ ''میں تمہیں شریک زندگی بنانا چاہتا ہوں۔ تمہاری محبت میں اپنا جیون گزار دینا چاہتا ہوں۔''

''یہ شادی نہیں ہوسکتی...... کیوں کہ میری اور تمہارے درمیان ایک خلیج حائل ہے۔'' جھرنا نے سپاٹ نظروں سے دیکھا۔

''کیسی خلیج......؟'' میں نے متعجب لہجے میں پوچھا۔

''تم ایک شہری ہو اور کسی اور قوم سے تعلق رکھتے ہو جب کہ میں کشمیری قوم سے ہوں۔'' جھرنا نے جواب دیا۔

''سب انسان ہوتے ہیں۔ انسانیت کے ناتے سب ایک رشتے میں منسلک ہوتے ہیں۔ قوم کا اور طبقاتی فرق ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کرسکتا...... تم ایک عورت ہو اور میں ایک مرد ہوں۔'' میں نے اس کے ہونٹوں پر مہر محبت ثبت کرتے ہوئے کہا۔

''میرا اپنا ایک فرقہ ہے مگر میں اس کے قوانین توڑ نہیں سکتی...... کسی بھی صورت

میں؟'' جھرنا نے متانت سے جواب دیا۔

''اگر ایسی بات ہے تو تم مجھے بھی اپنے فرقے میں شامل کرلو...... میں تمہاری محبت کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہوں۔ کیا تم مجھے اپنے فرقے میں شامل نہیں کرسکتیں......؟'' میں نے اس کی منت کرتے ہوئے کہا۔

وہ ایک لمبے سکوت کے بعد بولی۔ ''ہاں ایسا ہوسکتا ہے...... بشرطیکہ پہلے میرے فرقے میں شامل ہونے کی رسوم ادا کرو۔''

''میں تمہاری ہر شرط اور رسوم ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' اتنا کہہ کر میں اس کے چہرے پر جھکتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

آدھی رات بیت چکی تھی۔ چاند کی سیمیں کرنیں زیتون کے چراغ کی لو سے آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں۔ بال چیل کی نشیلی خوشبو سے مستی برس رہی تھی۔ میں کمرے میں اکیلا بیٹھا اپنی قسمت کا آخری فیصلہ کر رہا تھا۔ مجھے اس بات کی امید اور آس تھی کہ جھرنا کو میں سدا کے لیے پالوں گا۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ سہ پہر کے وقت میں نے جو خواب دیکھا تھا وہ خواب نہیں حقیقت تھا۔ جھرنا نے مجھ پر جیسے ہپناٹائز کردیا اور میری اس کیفیت سے فائدہ اٹھا کر بہت دور چلی آئی تھی اور پھر شام کے وقت اس نے مجھے من مانی کرنے دی تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ میری محبت میں گرفتار ہے۔ وہ مجھے سدا کے لیے اپنانا چاہتی ہے۔ میں اب تک اس کے ہونٹوں کی مٹھاس اپنے ہونٹوں پر محسوس کر رہا تھا۔

جب جھرنا کمرے میں آئی تو میں نے اسے حیرت سے دیکھا۔ وہ سیاہ کم خواب کے لباس میں ملبوس تھی اور سیاہ سی مورتیوں کے زیورات نورانی جسم کی زینت بن رہے تھے۔ یہ سوگوار علامت دیکھ کر میں نے آزردگی سے کہا۔

''جھرنا! شب عروسی کے لیے کالا لباس بہت منحوس ہے...... کیا تمہارے پاس سرخ یا کسی اور رنگ کا لباس نہیں ہے؟''

جھرنا نے میری اس بات کا جواب نہیں دیا۔ اس نے میری بات جیسے نظر انداز کردی۔ اس نے میرے پاس آ کر میرے گلے میں اپنی مرمریں بانہیں حمائل کردیں۔ پھر میرے ہونٹوں کا ایک ہلکا سا بوسہ لے کر میری آنکھوں میں حسرت بھری نگاہوں سے جھانکتی ہوئی بولی۔

''اچھا...... تمہیں میری شرط منظور ہے نا...... بعد میں پچھتاؤ گے تو نہیں نا......؟''

"ہرگز نہیں......" میں نے اس کے رخسار کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "قول مردان...... جہاد وارد۔"

پھر جھرنا نے اپنی بے پایاں محبت کا ثبوت اپنی مہربانی اور پوری فیاضی سے دیا۔

ہم دونوں نے کسی پھیرے اور پنڈت کے بغیر ہی سہاگ رات منالی۔ جوانی کے جنگل میں بہت دور چلے گئے۔ خوشی سے زیادہ حیرت ہوئی تھی کہ جھرنا بہک کیوں گئی۔ میری جھولی میں کسی پکے پھل کی طرح ٹپک کیوں پڑی۔ حالاں کہ میں نے جذبات کی رو میں بہکنے کی ایسی کوئی خواہش اور آرزو نہیں کی تھی۔ میری من مانی میں کوئی میل نہیں تھا۔ میرے بوسے غلیظ نہ تھے۔ دودھ میں ذرا سا پانی مل گیا تھا۔ صاف و شفاف آئینے پر خراش پڑ گئی تھی۔

میرے دل میں کوئی دکھ اور پچھتاوا نہ تھا اس لیے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے جیون ساتھی بننے والے تھے۔ اب بن گئے تھے کیوں کہ اب ہمارے درمیان کوئی فاصلہ اور حجاب نہیں رہا تھا۔

جب ہم دونوں سابقہ حالت میں آ گئے تو جھرنا نے میری منظوری کے بعد اس نے میری آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ کر ایک ریشمی چادر میرے ہاتھ میں دے دی اور ایک منتر بتا کر مجھے ہدایت کی کہ اس کی صورت کا تصور کر کے یہ منتر پڑھوں اور منتر پڑھتے وقت یہ چادر دونوں ہاتھوں پر پھیلائے رکھوں۔ چند بار عمل کرنے سے ایک پرندہ آ کر میرے ہاتھوں پر گرے گا۔

چناں چہ میں نے اس کی ہدایت کے مطابق ہی کیا جس کے عمل سے چند سیکنڈ ہی میں ایک پرندہ پھڑپھڑاتا ہوا میرے ہاتھوں میں آ گیا اور میں نے فوراً ہی اسے چادر میں لپیٹ کر بغل میں داب لیا۔

بعدازاں جھرنا نے میری آنکھوں سے پٹی کھولی اور میرے قریب بیٹھ کر کہنے لگی۔

"میں نے تمہیں اپنا کنوار پن اور تن من سونپ دیا تاکہ بعد میں تمہیں کوئی شکایت نہ ہو کہ تمہارے دل کی حسرت پوری نہ ہو سکی۔ اب میں تمہیں اپنی رام کہانی سنا

چاہتی ہوں تاکہ میری سچائی کے ساتھ ہی مجھ سے جو باتیں اور داستانیں منسوب ہیں وہ ختم ہو جائیں۔"

پرندہ بے چارا میری بغل سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھا اس لیے میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"پہلے اس بے زبان اور معصوم کی قسمت کا فیصلہ تو کرو جو میری بغل میں تڑپ رہا ہے۔ داستان حیات سنانے کے لیے تو تمام عمر پڑی ہے۔"

جھرنا نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "تم اس کی فکر اور خیال نہ کرو۔ اسے تڑپنے دو۔ کیوں کہ میرے فرقے کا یہی فرمان ہے۔"

میں اس کی بات سن کر بے دلی سے خاموش ہو گیا۔ اس کی بات مجھے ناگوار لگی تھی۔

جھرنا کہنے لگی۔ "آہ! میں بہت ہی بدقسمت ہوں۔ شاید ہی کوئی مجھ جیسی ہو گی۔ ابھی میں نے اس دنیا میں قدم رکھا ہی تھا کہ میری ماں مر گئی...... جب میں نے کچھ ہوش سنبھالا تو سوتیلی ماں کی جھڑکیوں اور ملامتوں کے سوا میرے کانوں نے کچھ نہ سنا۔ اس نے کبھی میرے لیے محبت کا رس نہیں بھرا اور نہ مجھے نرم الفاظ میں مخاطب کیا۔

جب میں چھ برس کی ہوئی تو باپ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ گو باپ نے مجھ سے کبھی محبت نہیں کی تھی تاہم ایک ٹھکانہ اور سائبان تو تھا سو وہ بھی جاتا رہا۔ ایشور نے میرے حال پر بڑی کرپا کی۔ اس نے میرا ٹھکانہ اس طرح بنایا کہ ہمارے محلے کی ایک نیک دل عورت تھی۔ وہ امیر کبیر بھی تھی۔ اس نے خوشی خوشی میری پرورش کی ذمے داری قبول کر لی۔ اس نیک دل خاتون کا ایک ہی لڑکا تھا جسے گھر سے نکلے دس برس کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ بھگوان کی قدرت دیکھئے کہ مجھے ابھی ان کے گھر آئے کچھ عرصہ گزرا تھا کہ بھیا یعنی اس نیک دل عورت کا اکلوتا بیٹا واپس آ گیا۔ ماں مجھے پہلے ہی بہت پیار کرتی تھی مگر اب مجھے اپنے لیے بہت بھاگوان خیال کرتے ہوئے میری بڑی قدر کرنے لگی۔

اگر ان کی سگی بیٹی ہوتی تو شاید وہ اسے اتنا پیار نہیں دیتیں۔

ان کی نازبرداریوں نے مجھے بہت شوخ اور شریر بنا دیا تھا۔ جہاں گل ہوتا ہے وہاں خار بھی ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی بھیا کو میری شرارت اور شوخیاں ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں۔ وہ مجھے اکثر ایسی قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے کہ میرا خون خشک ہو کر رہ جاتا تھا۔ میں ماں سے ان کی شکایت نہیں کرتی' البتہ ماں دیکھ لیتیں تو ان کی خوب خبر لیتی تھیں۔

بھیا جن کا نام انیل تھا' زرد رو اور لاغر اندام تھے۔ ان کے متین چہرے سے عزم و استقلال ٹپکتا تھا اور پیشانی کی شکنیں دانائی اور کسی مہاگرو کی مثال تھیں۔ ان کی عمر تیس برس کے قریب تھی۔ طبیعت میں فرعونیت اور ہر نا جائز بات منوانے کے عادی تھے۔

بھیا نے ایک روز میرے اور ماں کی موجودگی میں کہا۔

''میں نے آپ کو اب تک یہ نہیں بتایا کہ میں نے دس برسوں کا یہ طویل عرصہ کہاں گزارا ہے؟ اور نہ آپ نے مجھ سے دریافت کیا؟ آپ صرف اس بات سے خوش ہو گئیں کہ میں اپنے گھر لوٹ آیا۔ کشمیر کے علاقہ میں دور دراز میں ایک وادی واقع ہے۔ وہ اس قدر حسین اور پر سکون وادی ہے کہ آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی ہیں۔ اس کی دل فریبی اور رعنائیوں میں ایسا حسن اور جادو ہے کہ وہ اپنا اسیر بنا لیتی ہے۔ اب مجھے اس کی یاد بہت ستا رہی ہے۔ میرا دل یہاں نہیں لگ رہا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اپنی آئندہ تمام زندگی وہاں گزاروں۔ وہ وادی مجھے جیسے بلا رہی ہے۔''

''نہیں بیٹے! اب میں تمہیں وہاں جانے نہیں دوں گی۔'' ماں نے گھبرا کر کہا ''اگر تم چلے گئے تو میں تمہاری جدائی سہہ نہ سکوں گی۔ میں صدمے سے مر جاؤں گی۔ تمہیں اپنی ماں اور میری زندگی پسند ہے تو میری نظروں کے سامنے رہو۔''

''میں اکیلا تھوڑی جاؤں گا۔'' بھیا نے جواب دیا۔ ''میں آپ کو اور جھرنا کو بھی ساتھ لے کر جاؤں گا۔''

''میں اب اس عمر میں وہاں جا کر کیا کروں گی؟ اتنی زندگی میں نے گزار لی۔ اور باقی زندگی بھی یہیں گزارنے دو۔'' ماں نے کہا۔

''میں آپ کو وہاں لے کر جاؤں گا...... آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا ورنہ میں

اکیلا وہاں چلا جاؤں گا۔'' بھیا نے جیسے دھمکی دی۔

اس روز سے بھیا نے ماں کو بھی اپنے ساتھ چلنے پر اصرار کرنا شروع کر دیا۔ آخر کار ماں ان کی باتوں اور اصرار سے مجبور ہو کر آمادہ ہو گئیں۔ بھیا کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا اور اس طرح ہمارا آٹھ افراد کا قافلہ اس وادی میں پہنچا' یعنی ایک بھائی خود...... دوسری میں...... تیسری ماں...... چوتھا اندھا چچا...... دو بوڑھی خادمائیں اور دو نوکر......

کچھ دنوں تک اس وادی میں بھیا کے سوا کسی کا دل نہ لگا۔ کیوں کہ یہاں اس شہر جیسی چہل پہل اور رونق نہ تھی۔ ملنے جلنے والے نہ تھے۔ گو کہ اس وادی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آبادیاں تھیں۔ کسی سے میل جول نہ بڑھا تھا۔ قدرت نے اس وادی کو حسن و دلکشی کا راز عطیہ دے رکھا تھا۔ ایسے حسین نظارے خوابوں میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ اب چوں کہ ہمیں یہاں رہنا اور یہیں زندگی گزارنی تھی اس لیے رفتہ رفتہ اس قدرتی زندگی کے عادی ہو گئے۔ پھر اس وادی میں ایسا دل لگ گیا کہ یہاں سے واپس جانے کو دل نہیں چاہا اور ہم نے اس خیال کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دل و دماغ سے نکال پھینکا۔

بھیا عثمان فطرتاً خشک طبیعت اور خلوت پسند واقع ہوئے تھے۔ یہاں آنے کے بعد بھی ان کے مزاج میں فرق نہیں آیا تھا۔ وہ تند خو قسم کے تھے۔ بڑی سرد مہری سے پیش آتے تھے۔ ماں کا خیال تھا کہ اس وادی میں پہنچنے کے بعد ان کے اکھڑ پن کے مزاج میں تبدیلی آ جائے گی۔ ماں نے انہیں بہتیرا سمجھایا۔ جب بھی وہ نہ بدلے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

اس احاطے کے دوسرے سرے پر جو عمارت کھڑی ہے یہ ان کی لائبریری تھی۔ وہ دن میں صرف ایک مرتبہ اپنی ماں سے ملنے آتے اور باقی تمام وقت اس لائبریری میں گزارتے اور رات کو بہت دیر سے گھر آتے تھے۔ مجھے اس تجربہ گاہ کی طرف جاتے ہوئے ایک خوف سا آتا تھا بلکہ یہ خوف ان سے تھا۔ گھر میں بھی جب کبھی میرا ان کا سامنا ہو جاتا تو خواہ مخواہ ایسی ڈانٹ ڈپٹ کرتے کہ میں سہم جاتی اور ہمیشہ ان کی نظروں سے دور رہنے کی کوشش کرتی۔

گو اس وقت میری عمر زیادہ نہ تھی لیکن میں ایسی بچی بھی نہ تھی کہ بہت ساری باتوں کو نہ سمجھوں۔ میں نے ماں اور ملازماؤں کی باتیں سنی تھیں۔ ملازمائیں گاؤں کے بازار سودا سلف لانے جاتی تھیں تو وہاں سے بہت ساری خبریں بھی لے کر آتی تھیں۔ وہ بتاتی تھیں کہ اس وادی میں عورتوں کی تجارت اور جسم فروشی بھی ہوتی ہے۔ یہ سارا کھیل غربت و افلاس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ میں یہ باتیں سن کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی کہ بھیا جو رات دیر سے گھر آتے ہیں اس کی وجہ کوئی عورت تو نہیں۔ ایک مرد تجرد کی زندگی کب تک اور کیسے گزار سکتا ہے۔ ماں نے ان سے شادی کے لیے بھی کہا تھا لیکن انہوں نے ٹال دیا تھا۔ اس وادی میں حسین و جمیل عورتوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ کشمیر کا حسن و شباب ساری دنیا میں مشہور ہے۔

وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا۔ میری ماں نے مجھے گھر پر تعلیم دی تھی۔ ان دنوں اردو بھی ہندی زبان کے ساتھ پڑھائی جاتی تھی اور پھر تھوڑا بہت لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ لیکن بدقسمتی نے ساتھ نہ چھوڑا۔ جب میں بارہ برس کی ہوئی تو ماں سورگ باش ہو گئیں۔ ماں کی موت کے صدمے نے مجھے کئی دنوں تک نڈھال کر رکھا۔ میری زندگی میں ایک خلا اور بے کیفی سی پیدا ہو گئی۔ دل زندہ رہنے کو نہیں چاہتا تھا۔ چار مہینے کے بعد اندھے چچا بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ پھر دونوں غلام اور ایک خادمہ بھی یکے بعد دیگرے ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئے۔

اب بھیا کے علاوہ صرف میں اور ایک بوڑھی ملازمہ گھر میں باقی رہے۔

بھیا بدستور اپنی لائبریری میں رہتے تھے۔ گو اب انہوں نے اپنی سخت گیری سے ہاتھ اٹھا لیا تھا مگر وہ مجھے منہ بھی نہ لگاتے تھے' جس سے میں اپنے آپ کو بہت حقیر محسوس کرنے لگی تھی۔ حالاں کہ اب میں نے اپنی شوخی اور شرارتوں کو ختم کر دیا تھا اور میں بے حد سنجیدہ سی ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ صرف ماں کی موت ہی نہیں بلکہ چچا اور ملازمہ کی بھی دائمی جدائی تھی۔ میں مجبوراً تنہائی کی اذیت ناک زندگی بسر کر رہی تھی۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں رہا تھا۔

آخر جوں جوں میری عمر بڑھتی گئی مجھے احساس ہونے لگا کہ میں اس گھر میں غیر ہوں اور اسی وجہ سے بھیا مجھ سے کھنچے کھنچے سے رہتے ہیں۔ حالاں کہ میں نے انہیں اپنی ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی اور نہ ہی شکایت کا کوئی موقع بھی دیا۔

عمر کے ساتھ ساتھ حوصلہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نے ایک دن بڑی سنجیدگی سے سوچا کہ آخر یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا۔ میری بوڑھی ملازمہ جو ایک ماں کی طرح تھی اس میں میرے لیے بڑی مامتا تھی۔ وہ غریب بھی بھیا کی مجھ سے بے اعتنائی پر بہت حیران اور دکھی تھی۔ اس کا اور میرا خیال تھا کہ ماں اور چچا کی موت کے بعد بھیا کے مزاج میں تبدیلی آئے گی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔

میں نے ایک روز دل میں تہیہ کر لیا کہ آج میں ضرور بھیا سے اس شدید اور نامعلوم نفرت کی وجہ معلوم کروں گی۔ اگر میرا وجود ان کے کسی دکھ کا باعث ہو تو پھر میں اس گھر سے سدا کے لیے رخصت ہو جاؤں گی۔ آخر ایسی زندگی سے کیا حاصل......؟ میں نے بوڑھی ملازمہ سے مشورہ کیا تو اس نے میرے خیال کی تائید کی۔ وہ خود بھی یہی چاہتی تھی کہ اس کا سبب تو معلوم ہو۔

میں نے بھیا سے بات کرنے کے خیال سے رات کو دیر تک ان کا شدت سے انتظار کرتی رہی۔ انہوں نے اس دن کھانا بھی نہیں کھایا...... بوڑھی ملازمہ بے چاری ان کا کھانا آتش دان کے قریب رکھے دیوار کے سہارے بیٹھی خراٹے بھرتی رہی۔ وقت تھا کہ کسی طرح گزرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ میرے لیے ایک ایک لمحہ نہ صرف کرب ناک بلکہ صدی کی طرح بھاری بن گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ بس وہ اب آنے والے ہیں۔ میں بستر پر کروٹیں لے رہی تھی اور بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

حتیٰ کہ انتظار کی یہ گھڑیاں میرے لیے ناقابل برداشت ہو گئیں تو میں نے گہری نیند میں غرق ملازمہ کو بیدار کیا۔

''خیریت تو ہے......'' ملازمہ ہڑبڑا کر بیدار ہوئی اور اس نے میرا چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

"بھیا ابھی تک نہیں آئے ہیں۔" میں نے اسے بتایا۔ "بھگوان جانے کیا بات ہوگئی ہوگی؟"

"ہاں۔" وہ ایک لمبی جمائی لے کر بولی۔ "کبھی اتنی رات تو نہیں ہوئی ان کے آنے میں......"

"میں سوچ رہی ہوں کہ لائبریری جا کر انہیں دیکھ آؤں؟" میں نے ملازمہ سے کہا۔ "تمہاری کیا رائے ہے؟"

"اچھی طرح سوچ لو بیٹی......!" ملازمہ خوف زدہ سی ہو کر بولی۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ طیش میں آجائیں۔"

"مجھے اس کی کوئی فکر نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے لائبریری جانے کی ٹھان لی ہے۔"

"ٹھیک ہے چلی جاؤ......" اس نے کہا۔ "کہو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں......اندھیری رات ہے۔"

"نہیں......نہیں......" میں نے کہا۔ "تم یہیں رہو۔ رات اندھیری ہوئی تو کیا ہوا؟ کیا میں کوئی بچی ہوں؟"

"سنبھل کر جانا......اندھیری راتوں میں ناگن اور سانپ بلوں سے باہر آجاتے ہیں۔" بوڑھی ملازمہ نے کہا۔

میں حوصلہ اور ہمت سے کام لیتی ہوئی گھر سے نکل آئی۔

دل کڑا کر کے میں تیزی سے لائبریری کی طرف بڑھ گئی۔ رات اندھیری تھی۔ میں کبھی اتنی رات گئے گھر سے نہیں نکلی تھی۔ رات کی تاریکی اور سناٹے کا کوئی ڈر اور خوف نہیں تھا۔ نہ ناگنوں اور سانپوں کا......خوف تھا تو بھیا کی خفگی کا جس کے خیال سے میں کانپ گئی اور یہ خوف تھا کہ مجھے بار بار واپس جانے پر مجبور کر رہا تھا۔ تاہم میں نے دل کو فوراً ہی مضبوط کیا اور دل کو سمجھایا کہ بھیا انسان ہی تو ہیں کوئی ہوا نہیں...... نہ ہی سانپ اور نہ بھوت جن......زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ مجھے ڈانپ ڈپٹ کر بھگا دیں گے۔

میں دروازے کے پاس پہنچ کر سانسوں اور دھڑکتے سینے پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ میرے سینے میں دل اس تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے وہ باہر نکل آنے کے لیے بے تاب ہو رہا ہو اور میرا سینہ چیر کر رکھ دے گا۔ جب دل، حواس اور سانسیں قابو میں آئیں تو میں نے پسینہ پونچھا۔ پھر دستک دینے کے ارادہ سے ہاتھ دروازے کی طرف بڑھایا تو دروازے کا پٹ لگتے ہی چر سے کھل گیا۔ گہرے سناٹے کی وجہ سے چر کی آواز زور سے گونجی تھی۔ میں بوکھلا کر پیچھے ہٹی۔ میرا خیال تھا کہ ابھی بھیا اپنی بھاری بھرکم آواز اور کرخت لہجے میں للکار کر کہیں گے کون ہے، لیکن جب خلاف امید کوئی آواز چند لمحوں تک سنائی نہیں دی تو دل کو قرار سا آیا۔ پھر ایک آوارہ سا خیال آیا کہ کہیں بھیا کسی عورت کے ساتھ کمرے میں رنگ رلیاں تو نہیں منا رہے ہیں؟ بہت دور چلے جانے کی وجہ سے شاید انہوں نے اس آواز کی جانب کوئی توجہ نہیں دی۔ مجھے واہمہ سا ہوا کہ کوئی عورت دبی دبی سرگوشیاں کر رہی ہے لیکن چند لمحوں بعد میرا یہ واہمہ دور ہوا تو میں نے دھڑکتے دل سے کمرے میں جھانکا۔

کمرہ خالی تھا۔ میں چپکے سے اندر داخل ہوئی۔ طاقچہ پر ایک بڑی موم بتی جل رہی تھی۔ میز پر کتابیں بے ترتیبی سے بکھری ہوئی تھیں۔ قریب ہی بھیا کی ٹوپی پڑی تھی اور ان کا کوٹ ایک طرف کھونٹی پر لٹک رہا تھا۔ کمرے میں کسی دوا کی ہلکی ہلکی بو پھیلی ہوئی تھی۔

میں دل حیران ہوئی کہ بھیا ایسی بے سروسامانی کی حالت میں کہاں جاسکتے ہیں؟

معاً میری نظر دیوار سے لگے ایک بڑے قطعہ پر پڑی جو مجھے کچھ عجیب سا معلوم ہوا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا پھر بھی میری سمجھ سے بالاتر ہی تھا۔ کیوں کہ اس پر لکھی ہوئی سطروں میں حروف کے بجائے اعضاء کی صورتیں دی گئی تھیں مثلاً کان، ناک، آنکھیں، زبان، دانت، دل، معدہ، تلی، کلیجہ، پھیپھڑے اور گردے وغیرہ......

ہر ایک عضو کی تصویروں کی عبارت کے طریقہ پر سطریں لکھی گئی تھیں۔

نہ جانے یہ کون سی زبان تھی جسے میں دیر تک سمجھنے کی کوشش کرتی رہی لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکی۔

قریب ہی ایک الماری تھی جس کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا۔ اتفاقاً میری نظر اس کے اندرونی حصے تک پہنچی۔ یہ الماری دراصل ایک چھوٹا سا صندوق نما کمرہ تھا جس کے اندر ایک زینہ تھا جو نیچے گہرائی میں جا رہا تھا۔

معاً میرا شک اس یقین میں بدل گیا کہ ہو نہ ہو ضرور بھیا نے اپنی تفریح اور رنگ رلیاں منانے کے لیے کوئی جگہ بنا رکھی ہے۔ وہ عورت کو لے کر اس کے نیچے آ جاتے ہیں۔ جولڑکی یا عورت شب بسر کرنے کے لیے آتی ہے وہ احتیاط اور رازداری برتتی ہوگی کیوں کہ گاؤں میں یہ سب کچھ اس رازداری اور احتیاط سے ہوتا تھا کہ پڑوسیوں تک کو ہوا نہیں لگتی تھی۔

میں نے تہیہ کر لیا کہ جو بھی اسرار ہو اسے کھولنے کی کوشش کروں گی۔ اب جب کہ اوکھلی میں سر دے دیا ہے تو اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔ میں دبے پاؤں اور نہایت محتاط ہو کر نیچے اس طرح اترنے لگی کہ آہٹ پیدا نہ ہو۔ بہت ساری سیڑھیاں اترنے کے بعد کچھ روشنی دکھائی دی۔

تحت الثرا میں ایک چھوٹا سا تہہ خانہ تھا جس میں عجیب قسم کی روشنی ہو رہی تھی۔ سیڑھیوں کے قریب ہی لکڑی کا ایک بڑا سا شیلف پڑا تھا جس میں پتھر کے بڑے بڑے مرتبان اور ٹین کے بڑے بڑے ڈبے رکھے ہوئے تھے۔ ان چیزوں نے مجھے حیران کر دیا۔

میں ایک چھوٹے بچے کے مانند بہت ہی آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی اس شیلف کے پیچھے چھپ گئی۔ میری سانس پھول گئی تھی۔ یہاں بڑی خنکی تھی لیکن میری پیشانی ہی عرق آلود نہیں ہوگئی تھی بلکہ میں نے اپنے جسم پر پسینے کی بوندیاں پھیلتی محسوس کیں۔

اس شیلف کے پیچھے چھپنے کے بعد اس کے کونے سے جھانک کر اندر کا نظارہ کرنے لگی۔ تہہ خانے کے ایک کونے میں آگ جل رہی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس آگ کا رنگ بالکل سبز تھا اور یہ تہہ خانہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا مگر اس دھوئیں سے دم گھٹنے کی بجائے ایک طرح کی فرحت حاصل ہوتی تھی جو بڑی عجیب اور ناقابل یقین سی بات

تھی۔ دھواں کیسا ہی کسی چیز کا ہو' اس میں دم گھٹنا قدرتی تھا۔

تہہ خانے کا اندرونی حصہ اس دھوئیں کی کثیف چادر میں لپٹا ہوا بالکل ایک سبز غبارے کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ اس غبارے میں سامنے لکڑی کی ایک بڑی سی میز تھی جس پر پھولوں کی سیج بچھی ہوئی تھی اور اس سیج پر کوئی سفید چادر اوڑھے سو رہا تھا۔ سونے والے کی پائینتی کی طرف شیشے کے دو تین پیالے پڑے تھے جن میں کوئی سیاہ سی چیز پڑی ہوئی ہل رہی تھی۔ کونے کے قریب ہی آگ سے تھوڑی دور دیوار کے ساتھ ویسا ہی ایک قطعہ لٹک رہا تھا جیسا کہ میں اوپر دیکھ چکی تھی۔ اس قطعہ کے سامنے بھیا بت بنے کھڑے ہوئے تھے اور ان کی پشت میری طرف تھی' اس لیے ان کی نگاہ مجھ پر نہیں پڑ سکی تھی۔

یک لخت وہ میز کی جانب سرعت سے پلٹے تو ان کے ہاتھوں میں پھیپھڑوں سمیت ایک کلیجہ دکھائی دیا جو انہوں نے سانس والی لمبی نالی کے اوپر والے سرے سے پکڑ رکھا تھا' جسے دیکھ کر میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ میں نے دھڑکنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ میرا سر گھومنے لگا۔ میں نے وہاں سے بھاگ جانا چاہا تو بھاگ نہ سکی کیوں کہ طاقت نے جواب دے دیا۔ رگوں میں لہو برف کی طرح منجمد ہو گیا۔ میں لرزہ براندام شیلف کے سہارے بیٹھی ہوئی سب کچھ دیکھتی رہی۔

بھیا کے ہاتھ میں پکڑا ہوا کلیجہ پوری طرح تڑپ رہا تھا۔ انہوں نے چند ثانیوں کے بعد اسے شیشے کے خالی پیالے میں ڈال دیا۔ اس کلیجے کی حرکت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ اچھل اچھل کر پیالے سے باہر نکلنے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ اس پر ایک زندہ انسان کا سا گمان ہو رہا تھا۔ بھیا نے اپنی جیب سے گھڑی نکالی اور دیر تک اس کی حرکت اور تڑپنے کا گھڑی کی رفتار سے موازنہ کرتے رہے۔ یہ بھی ایک اسرار سا تھا۔ وہ کیوں اور کس لیے ایسا کر رہے ہیں' میری سمجھ سے بالاتر تھا۔

اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ سونے والے کے سرہانے پہنچے اور اس کے منہ پر سے کپڑا اٹھا کر اس پر جھک گئے۔

میرے بدن پر سنسنی دوڑ گئی۔ مجھے خوف و دہشت ہونے لگی۔ میں اب نہ تو

یہاں سے جا سکتی تھی اور نہ ہی آنکھیں بند کر کے بیٹھی رہ سکتی تھی۔ میں دیکھنے پر مجبور تھی۔

بھیا اسے بہت دیر تک غور سے دیکھتے رہے۔ وہ کبھی آہستگی سے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرتے کبھی ہلکی ہلکی سی جنبش دے کر اسے جگانے کی کوشش کرتے...... مگر سونے والے نے کوئی حرکت نہ کی۔ آخر اپنی کوشش اور اس کی بیداری سے مایوس ہو کر بھیا نے اس پر سے چادر اتار دی۔ میں نے جو اسے دیکھا تو بری طرح چونک پڑی۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ ایسی گہری نیند سونے والی ایک نیم برہنہ عورت تھی۔ گویا اس کا چہرہ بھیا کے سائے کی اوٹ میں ہونے کے باعث مجھے دکھائی نہ دے سکا تھا' مگر اس کے جسم کے باقی حصہ سے جو سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچا بن چکا تھا' اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی مریضہ ہے۔ وہ اس کے علاج میں لگے ہوئے ہیں۔

بھیا نے اس مریضہ کو گود میں اٹھا لیا اور جلتی آگ کے پاس کھڑے ہو کر اس کے جسم کو آگ کی گرمی پہنچانے لگے۔ دفعتہً مجھے اس مریضہ کے چہرے کی تھوڑی سی جھلک دکھائی دی جس سے مجھ پر دہشت طاری ہو گئی اور میں لرزنے لگی۔

''وہ ......وہ ایک لاش تھی جس کی ٹانگیں ایک طرف لٹک رہی تھیں...... سر اور بازو دوسری طرف...... اس لاش کے لمبے لمبے بکھرے ہوئے بال بھیا کے پاؤں کو چھو رہے تھے۔ میں اس لاش کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکی۔ خوف و ہراس سے مجھ پر ایک تشنجی دورہ پڑا اور تہہ خانہ ایک سبز غبارے کی طرح ہوا میں اڑتا ہوا معلوم ہوا۔ ایک ہولناک چیخ میرے منہ سے نکلی اور میں بے ہوش ہو گئی۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کے لیے بڑی جدوجہد کی تھی لیکن سنبھال نہ سکی تھی۔''

جھرنا یہاں تک اپنی کہانی سنا کر ایک دم رک گئی...... وہ تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔

ادھر پرندہ میری بغل میں آخری سانسیں لے رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی بھی لمحے دم توڑ دے گا۔

''جھرنا!'' میں نے دہشت اور اضطراب سے کہا۔ ''بھگوان کے لیے جلدی سے اپنی کہانی ختم کرو......''

''وہ کس لیے......؟ جھرنا نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''کیا تمہیں میری کہانی من گھڑت لگ رہی ہے؟''

''اس لیے کہ تمہاری اس طویل کہانی سے اس غریب جانور کا خواہ مخواہ خون ہو جائے گا۔'' میں نے کہا۔

''تم پھر اس پرندے کا ذکر کر رہے ہو؟'' جھرنا نے بری طرح ہانپتے ہوئے کہا۔ ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا کہ یہ مارنے کے لیے ہی بغل میں دیا گیا ہے...... مرتا ہے تو اسے مر جانے دو۔''

مجھے جھرنا کی اس سنگ دلی پر بہت دکھ ہوا۔ میں اسے ایسا نہیں سمجھتا تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس نے گہری سانس لی اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہنے لگی۔

''اس پرہول واقعہ کے بعد جب میں ہوش میں آئی تو خود کو بستر پر پڑا ہوا پایا۔ سب سے پہلے میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں نے جو کچھ دیکھا وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا۔ میرے ذہن میں بھیا کے متعلق جو عجیب و غریب خیالات جنم لیتے رہے تھے اس نے ایک خواب کی سی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس خواب کے خیال سے ہی مجھے خوف آنے لگا۔

چوں کہ سردی سے میرے بدن میں کپکپی ہو رہی تھی اور دانت بھی بج رہے تھے لہٰذا میں نے اپنی بوڑھی ملازمہ کو آواز دی تاکہ آتش دان میں آگ سلگائے اور پھر مجھے کافی کی بھی طلب ہو رہی تھی۔ میرے متعدد بار پکارنے پر بھی بوڑھی ملازمہ نہیں آئی تھی میں گھبرا کر بستر سے نکلی۔ میں سراسیمگی میں تیزی سے اس دروازے تک گئی جو میری اور ملازمہ کی خواب گاہ کے درمیان تھا۔

میں ملازمہ کو اس کے کمرے میں بدحواسی سے برآمدے میں نکل آئی...... اف میرے بھگوان...... تحت الشعاع کی تاریک رات میں مہیب سرخ روشنی کے شعلے بڑھتے پھیلتے دکھائی دیئے' فضا دھوئیں سے بھرپور تھی...... میں کانپتی ہوئی آگے بڑھی تو معلوم ہوا کہ بھیا کی لائبریری دھڑ ادھڑ جل رہی ہے جسے دیکھ کر اس تہہ خانے کا سارا منظر میری

آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔

پھر مجھے یقین کرنا پڑا کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ ڈراؤنا خواب نہ تھا۔ وہ ایک ایسی حقیقت تھی جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا..... مگر یہ آگ کیسے لگی.....؟ کس نے لگائی.....؟ آگ خود بخود لگنے سے تو رہی..... پھر ایک خیال میرے دل کے کسی کونے میں آیا کہ..... کہیں بھیا نے خود ہی نہ لگائی ہو.....؟ لیکن کیوں.....؟ یا کہیں انہوں نے خودکشی تو نہیں کر لی؟

یہ خیال آتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں زور زور سے دھڑکنے لگا اور پھر میں نے ہذیانی لہجے میں بے تحاشا چیخیں مارنا شروع کر دیں۔

میری اس چیخ و پکار پر بوڑھی ملازمہ بھیا کے کمرے سے نکلی۔ میں دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

میں نے چند لمحوں کے بعد اس سے ہچکیوں کے درمیان پوچھا: ''بھیا کہاں ہیں؟''

اس نے میرے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ تو اپنے کمرے میں موجود ہیں۔''

''کمرے میں موجود ہیں؟'' میری حیرت دوچند ہوگئی۔ ''کیا انہیں آتش زدگی کی کوئی خبر نہیں.....؟''

''کیوں نہیں۔'' بوڑھی ملازمہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''انہیں اس بات کا علم ہے۔''

''اگر انہیں اس بات کا علم ہے تو وہ اسے بجھانے کی کوشش کیوں نہیں کر رہے ہیں؟'' میں بولی۔

''ایک ناممکن بات کی کوشش سے کیا حاصل.....؟ اس لیے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' بوڑھی ملازمہ نے کہا۔

''کم از کم وہ ایک بار ہی باہر دیکھ لیتے.....؟'' میں نے تکرار کی۔ ''ان سے کہو کہ

میں یہ بات کہہ رہی ہوں۔''

''یہ بھیا کی مرضی پر منحصر ہے۔'' وہ رکھائی سے بولی۔ ''تم فوراً اپنے کمرے میں جاؤ۔''

''وہ کس لیے.....؟'' میں نے تیز لہجے میں کہا۔

''اس لیے کہ یہ دھواں بہت خراب ہے۔ تم بیمار ہو جاؤ گی۔ اپنی صحت کا خیال کرو۔'' بوڑھی ملازمہ نے جواب دیا۔

''تم ایسا کرو مجھے بھیا کے پاس لے چلو۔'' میں نے کہا۔ ''میں ان سے بات کرنا اور ملنا چاہتی ہوں۔''

''تمہیں اپنے کمرے میں جانا ہوگا..... بوڑھی ملازمہ کا لہجہ یک لخت کرخت ہو گیا۔ ''وہ اس وقت نہیں مل سکتے؟''

میں مایوس اور افسردہ ہو کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ میرے پیچھے پیچھے میری بوڑھی ملازمہ بھی آ گئی۔ اس وقت میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے زہریلے سانپوں کی طرح پھنکار رہے تھے۔ میرے دل کو چین نہیں آ رہا تھا۔

''تم سچ سچ بتاؤ اور مجھ سے نہ چھپاؤ..... کیا بھیا زندہ سلامت ہیں؟ کہیں انہیں کچھ ہو تو نہیں گیا؟'' میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

''نادان لڑکی! اگر وہ سلامت نہ ہوتے تو تمہیں یہاں اٹھا کر کون لاتا؟'' بوڑھی ملازمہ نے کہا۔

''کیا کہا.....؟ بھیا مجھے اٹھا کر یہاں لائے ہیں؟'' میں نے متعجب لہجے میں کہا۔ ''مجھے جانے کیوں یقین نہیں آ رہا ہے؟''

اس نے بڑی ناگواری سے کہا۔ ''بھیا نہیں تو کیا میں اٹھا کر لائی ہوں.....؟ اب باتیں نہ کرو۔ جا کر سو جاؤ۔''

میں بوڑھی ملازمہ کے اصرار پر بستر میں دراز ہوگئی مگر ایسی حالت میں کون سو سکتا ہے؟ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور ہوگئی۔ میری آنکھیں جلتی رہیں۔ وہ آگ ساری

رات بھڑکتی رہی۔ شعلے آسمان سے باتیں کرتے رہے۔ اتفاقاً صبح کے قریب بارش شروع ہوگئی جس سے یہ منحوس آگ فرو ہوئی۔

اس روز کے ہولناک واقعہ کے بعد میں کوئی دو ماہ تک بھیا کو دیکھ نہ سکی لیکن بوڑھی ملازمہ کی ان کے کمرے میں آمدورفت بتاتی تھی کہ وہ اپنے کمرے میں ہیں اور انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ کئی بار مجھے خیال آیا کہ میں جا کر ان سے معافی مانگوں۔ مگر میں مجرم تھی اور پھر وہ ایک طرح سے بے رحم اور سخت گیر بھی واقع ہوئے تھے اس لیے مجھے جرأت پیدا نہیں ہوسکی۔ اور پھر میں دوسری طرف اپنی احمقانہ حرکت پر بہت نادم بھی تھی۔

خزاں کے موسم کا آغاز تھا۔ وہ ایک نہایت اداس' ویران اور خشک دوپہر تھی۔ میں آتش دان کے قریب سرنگوں بیٹھی تھی کہ بوڑھی ملازمہ نے آ کر مجھ سے کہا۔

''جھرنا...... ! بھیا تمہیں بلا رہے ہیں۔''

اس اچانک اور غیر متوقع بلاوے نے مجھے خوف زدہ کر دیا۔ میں سمجھ گئی کہ وہ مجھے کوئی سزا دینا چاہتے ہیں۔ میں ان کا حکم ٹال نہیں سکتی تھی اور میرے پاس نہ جانے کا کوئی بہانہ نہ تھا۔ مرتی کیا نہ کرتی...... میں سہمی سی ان کے کمرے میں گئی۔ آج پہلی دفعہ میں نے ان کا کمرہ دیکھا تھا۔ اس نیم تاریک کمرے میں گہرے سبز رنگ کے اونی پردے پڑے تھے اور چھت میں ایک بہت بڑی پیتل کی قندیل لٹک رہی تھی جس میں رکھے ہوئے ایک پیتل کے چومکھے چراغ میں بیروزہ کی بتیاں جل رہی تھیں اور بیروزہ کی تیز بو شام کمرے میں پھیل رہی تھی۔ آتش دان میں ایک خاص قسم کی لکڑی سلگ رہی تھی جس کی روشنی بالکل سبز تھی۔ بیروزہ کی گہرے بادامی رنگ کی روشنی اس سبز روشنی کے گرد دھوئیں کی طرح لپٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی جس سے یہ کمرہ بھی ایک سبز غبارے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ یہاں بھی وہی تصویروں کی زبان میں لکھے ہوئے قطعے لٹک رہے تھے اور قالین پر بھی کچھ ویسے ہی نشانات موجود تھے......

اس انوکھے اور بے حد پراسرار قسم کے ماحول سے میں بہت گھبرائی۔ بھیا بستر

پر نیم دراز تھے۔ میں انہیں دیکھ کر ٹھٹکی۔

''آ جاؤ جھرنا بہن!'' انہوں نے بڑی نرمی اور اپنائیت کے لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔

ان کے یہ الفاظ سن کر مجھے اپنی سماعت پر فتور کا احساس ہوا کیوں کہ انہوں نے پہلی بار اس نرمی اور پیار سے پکارا تھا۔ میری جان میں جان آ گئی۔ میں اندر ہی اندر خوشی سے پھولی نہیں سمائی۔ میں خوشی اور تعجب کے ملے جلے احساس سے کانپتی ہوئی ان کی طرف بڑھی۔ انہوں نے مجھے اپنے قریب ایک تپائی پر بٹھایا۔ وہ بہت کمزور اور لاغر ہو رہے تھے۔ معاً میری نظر ان کی کلائیوں پر پڑی۔ ان پر بہت بڑے بڑے سفید داغ دکھائی دیئے۔ انہیں میں نے مہربان پا کر دبی زبان سے پوچھا۔ ''بھیا! یہ آپ کی کلائیوں پر نشان کیسے ہیں؟''

''جھرنا!'' وہ بڑی افسردگی سے بولے۔ ''یہ تمہاری مہربانی سے جل گئی ہیں۔''

''بھیا! میں بہت شرمندہ ہوں۔'' میں نے بڑی ندامت سے اپنا سر ان کے پیروں پر رکھ دیا۔ ایسا میں نے معافی کی غرض سے کیا تھا۔ بھیا نے میرا سر آہستہ سے اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''جھرنا! میں تمہیں اسی بات کے لیے دوش نہیں دیتا ہوں...... میرے خیال میں یہ ایک طرح سے اچھا ہوا کہ تم میرے اس راز سے واقف ہوگئیں۔ مجھے تم سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔''

میں نے حیرت سے بھیا کا چہرہ دیکھا۔ کیوں کہ میں نہیں جانتی تھی کہ ان کا کوئی سا راز مجھ پر آشکارا ہوا ہے؟ پھر میں نے سوچا کہ ان سے کہہ دوں کہ میں ان کے کسی راز سے واقف نہیں ہوں۔ پھر میں نے حوصلہ کر کے کہا۔

''بھیا! آپ بھگوان کی سوگند لے لیں کہ میں آپ کے کسی راز سے واقف نہیں ہوئی۔''

بھیا نے میری طرف متعجب نظروں سے دیکھا۔ ''پھر تم تہہ خانے میں کس لیے گئی تھیں؟''

میں نے انہیں مختصر طور پر وہاں جانے کا ماجرا بیان کردیا تاکہ ان کی تسلی ہو جائے۔

"لیکن میرا خیال تو یہ ہے کہ تم اکثر وہاں جایا کرتی ہو؟" بھیا نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"اگر میں وہاں گئی ہوتی تو اتنی خوفزدہ کیسے ہوتی؟ میں تو بے ہوش ہوگئی تھی۔" میں نے ان کا شک دور کیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" بھیا نے سر ہلا دیا۔ پھر وہ چند لمحوں تک کسی گہری سوچ میں ڈوبے رہے۔ پھر کہنے لگے۔ "جھرنا! اب تم سیانی ہوگئی ہو اور یہ بھی جانتی ہو کہ تمہارا میرے سوا اس دنیا میں کوئی عزیز نہیں اور نہ تمہارے سوا میرا...... اس لیے بہن بھائی کی حیثیت سے ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آنا ہمارا فرض ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں ایک بہن کے ناتے ہر مشکل میں آپ کا ساتھ دوں گی۔"

"ایسے نہیں......تم مجھے قول دو۔" بھیا نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔

میں نے ان کا ہاتھ بڑی محبت اور عقیدت سے تھام لیا۔ پھر میں نے سوچے سمجھے بغیر جذباتی انداز سے قول دے دیا۔

"اب میں تمہیں اپنی رام کہانی سناتا ہوں۔" بھیا کہنے لگے۔ "میں کوئی اٹھارہ برس پیشتر اس علاقے میں ایک پارٹی کے ساتھ سیر و تفریح کی غرض سے آیا تھا۔ ایک غریب گوالے کی حسین و جمیل لڑکی کو دیکھا تو اس پر ریشہ خطمی ہوگیا۔ نیلم گو ایک غریب گوالے کی لڑکی تھی مگر اتنی خوددار اور قانع واقع ہوئی تھی کہ وہ نہ تو میری امارات سے متاثر ہوئی اور نہ ہی میری انتہائی کوششوں کے باوجود مجھ سے مانوس ہوئی۔ میں نے بھی دل میں تہیہ کرلیا تھا کہ اسے ہر قیمت پر اپنا جیون ساتھی بنا کر رہوں گا۔ پھر میں نے اس کے پتا جی سے مل کر انہیں کسی نہ کسی طرح میری شادی اپنی بیٹی سے کرنے پر آمادہ کرلیا۔ انہوں نے اس شرط پر اپنی بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا کہ میں اسی گاؤں میں سکونت اختیار کروں۔

میں نیلم کو پا کر کتنا خوش ہوا تھا، بتا نہیں سکتا۔ لیکن میری خوشی دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ میرے سکھ کو قسمت نے کسی زہریلی ناگن کی طرح ڈس لیا۔ شادی کے بعد جلد ہی میرے سہانے خوابوں کے آبگینے پر ایک پتھر تڑ سے آ کر لگا۔ اس کی کرچیاں میرے دل میں چبھ گئیں۔ وہ دق کی مریضہ تھی، اس لیے بھی اس نے میری محبت قبول نہیں کی تھی۔ میں نے اس کا علاج شروع کیا لیکن وہ ان تھک کوششوں کے باوجود جانبر نہ ہوسکی۔

مجھے اس کی موت کا ایسا جان لیوا صدمہ ہوا تھا کہ میری زندگی دوبھر ہوگئی۔ میں نیلم کے علاج کے دوران میں کئی ایک ایسی جڑی بوٹیوں سے واقف ہو چکا تھا جن کی عجیب وغریب خاصیتیں تھیں۔ چناں چہ مجھے ایک ایسی جڑی بوٹی کا علم تھا جس کے پھولوں پر اگر لاش رکھ دی جائے تو وہ خراب ہونے سے محفوظ رہتی ہے اور یہ سبز روشنی والی لکڑی پھیپھڑوں کے امراض کے لیے اکسیر ہے اور یہ بیروزہ بتیاں بھی دق کے جراثیم کو ہلاک کرتی ہیں۔ نیلم کے والدین جموں کے علاقے ربیر سنگھ پورہ اپنے رشتہ داروں سے ملنے مسافر بس میں جا رہے تھے کہ وہ بس الٹ کر کھائی میں گر پڑی اور وہ بچ نہ سکے۔ میں نے نیلم کی موت کی خبر کسی کو نہ دی۔ گاؤں والے یہی سمجھتے رہے کہ وہ دق کی مریض ہے اس لیے باہر نہیں نکلتی ہے۔ میں نے نیلم کی لاش کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنے کتب خانے کے نیچے ایک تہہ خانہ بنایا اور اس خاص بوٹی کے پھولوں کی سیج بنا کر اس پر نیلم کو لٹا کر تہہ خانے میں بند کردیا اور خود بیراگی بن کر جنگلوں اور بنوں میں آوارہ گردی کرنے لگا۔ کبھی مہینے میں ایک آدھ دفعہ ادھر کا رخ کرتا اور لاش پر تازہ پھول ڈال جاتا۔

اس دوران میں اتفاقاً میری ایک سنیاسی سے ملاقات ہوگئی جو ایک خاص علم جانتا تھا جسے ڈائنوں کا علم کہا جاتا ہے۔ یہ علم ایک خاص زبان میں پڑھا جاتا ہے اور اس کی عبارت اعضاء کی صورت میں لکھی جاتی ہے جس کا عمل انسانی یا حیوانی اعضاء کو آسانی سے بدل سکتا ہے یا بالکل علیحدہ کرسکتا ہے۔

چناں چہ سنیاسی سے یہ علم حاصل کرکے مجھے اتنی اور ایسی خوشی ہوئی جیسے میں نے کونین کی دولت پالی ہو۔ محبت کی رنگینیاں، زندگی کی دلچسپیاں اور امیدوں کا ہرا بھرا باغ

میری آنکھوں کے سامنے لہلہانے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ اس عمل کے ذریعے میں نیلم کو دوبارہ زندگی دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

پھر میں اپنے دل میں بڑے ارمانوں کو لیے واپس آیا اور پھر اس علم کے ذریعے میں نے بغیر کسی قسم کے آپریشن اس کے ناکارہ پھیپھڑے‘ کلیجہ سمیت نکال دیئے اور بکری کے تازہ پھیپھڑے اس کے جسم میں داخل کیے لیکن چوں کہ اسے مرے ہوئے عرصہ گزر چکا تھا‘ اس لیے اس کا جسم سڑ کر ضائع ہو چکا تھا اور گوشت بالکل سوکھ کر لکڑی بن گیا تھا اس لیے وہ زندہ نہ ہو سکی۔ گو اس نے چند سانسیں لی تھیں مگر جلد ہی ان سانسوں نے دم توڑ دیا۔

اب مجھے اس کی زندگی سے بالکل مایوسی ہو گئی تھی۔ جس طرح وہم کا کوئی علاج نہیں اس طرح خبط کا بھی...... میں اس کے زیر اثر وہ بار بار ناکارہ پھیپھڑے نکال کر نئے ڈالتا رہا...... میں یہ سمجھتا تھا کہ شاید بار بار ایسا کرنے سے اس کا جسم بھی تازہ ہو سکے۔ اس جدوجہد میں میری صحت خراب ہو گئی۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ خبر گیری کرنے والا ضرور کوئی میرے پاس ہونا چاہیے‘ لہٰذا اسی لیے میں اپنی ماتاجی کو یہاں لے آیا جن کے آنے سے میری حالت بہت کچھ سنبھل گئی اور اس طرح میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزار دیا مگر تھوڑے عرصے سے میں خود کو دق کا مریض سمجھنے لگا۔ یوں کہ میں کئی جڑی بوٹیاں جانتا تھا جن کے ذریعے سے انہوں نے مرض کو دبا دیا تھا‘ تاہم مرض جڑ سے نہ گیا۔

اب میرے لیے یہ ضروری تھا کہ میں نیلم کو زندہ کرنے کا خیال دل سے نکال دوں۔ میں اب اس کام سے بہت بیزار ہو چکا تھا مگر نہ معلوم کیوں میں اس کام سے باز نہ آ سکا۔ بھگوان نے اس روز میری مدد کی۔ تمہاری چیخ سن کر میں ایسا بوکھلایا کہ نیلم کی لاش ہاتھوں سے چھوٹ کر جلتی آگ میں جا پڑی‘ جس سے شعلے بھڑکنے لگے۔ میں بدحواسی کے عالم میں بھاگ رہا تھا کہ راستے میں تم پر نظر پڑی اور میں تمہیں وہاں سے اٹھا لایا۔ میری کلائیاں اس لیے جل گئیں کہ میں نے لاش کو آگ سے نکالنے کی احمقانہ کوشش کی تھی۔

میں کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ یہ بیماری جو مجھے لگ چکی ہے کس طرح رفع ہو۔ میں اسے کہاں تک جڑی بوٹیوں کی مدد سے قابو میں رکھ سکوں گا؟ اگر ذرا سی بے

احتیاطی ہو گئی تو پھر جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ لہٰذا ایک دن میرے ذہن میں یہ تدبیر آئی کہ تم مجھ سے یہ علم سیکھ کر میرے پھیپھڑے بکری کے تازہ پھیپھڑوں سے بدل دو تو میری زندگی محفوظ ہو سکتی ہے۔“

”بھیا...... میں اس کے لیے تیار ہوں۔“ انہوں نے اپنی کہانی ختم کی تو میں نے حامی بھر لی۔

غرض یہ کہ کچھ دن بعد بھیا مجھے اس تہہ خانے میں لے گئے جس میں کبھی نیلم کی لاش رکھی گئی تھی جو انہوں نے آتش زدگی کے بعد از سر نو تعمیر کیا تھا۔ میز پر لیٹ کر انہوں نے مجھے دو طلسم سکھائے اور بکری کے تازہ پھیپھڑے جو خاص طور پر اس کام کے لیے تیار رکھے تھے‘ مجھے دیئے اور ہدایت کی کہ پہلے طلسم کے اثر سے جب ان کے پھیپھڑے جسم سے باہر نکل آئیں تو دوسرا طلسم بکری کے پھیپھڑوں پر پڑھنے سے یہ ان کے جسم میں خود بخود داخل ہو جائیں گے...... میں نے اس کام کو معمولی سمجھ لیا تھا لیکن میں نے جوں ہی طلسم پڑھا تو کوئی چیز میرے پاؤں کے قریب آ گری۔ میں نے جھک کر دیکھا۔ ایک پھیپھڑا اور جگر میرے پاؤں میں تڑپ رہا تھا۔ میرا دل دہل گیا۔ میں نے سراسیمہ ہو کر بھیا کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے کا رنگ اس لمحہ ایسا زرد ہو رہا تھا کہ میں حواس باختہ ہو گئی۔ میری حالت دیکھ کر انہوں نے مجھے اشارے سے قریب بلایا مگر میں تو بت بنی کھڑی تھی۔

چند ثانیوں کے بعد انہوں نے قدر اونچی آواز میں کہا۔ ”جھرنا! کیا دیکھ رہی ہو...... اپنا کام فوراً شروع کر دو۔ بیماری نے مجھے پہلے ہی سے نڈھال کر رکھا ہے...... میں اس حالت میں زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔“

اس وقت نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا کہ میں انتہائی کوشش کے باوجود اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکی۔ میں متوحش نگاہوں سے ان کے زرد اور مدقوق چہرے کو دیکھتی رہی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کسی نادیدہ ہستی نے مجھ پر جادو کر کے مجسمہ بنا دیا ہے۔

”جھرنا!“ بھیا نے غصے سے تلملاتے ہوئے کہا اور پھر وہ پوری طاقت جمع کر کے اٹھ بیٹھے۔

"او بھگوان......" اس وقت مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ایک لاش اٹھ بیٹھی ہے۔ خوف و ہراس سے میری رگوں میں لہو جم گیا اور میں اس بھیانک منظر کی تاب نہ لا سکی اور بے ہوش ہوگئی۔

جب میں ہوش میں آئی تو تہہ خانے میں مکمل خاموشی اور ایک پراسرار اور ہیبت ناک سناٹا مسلط تھا جس نے مجھے اور دہشت زدہ کر دیا تھا۔ بھیا چند قدم پر اوندھے منہ پڑے تھے۔ میں خوف و دہشت سے لرزنے لگی۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ...... بے تحاشا اندھا دھند سیڑھیوں کی طرف بھاگی اور اوپر جا کر کتب خانے سے باہر نکلتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

اس وقت بوڑھی ملازمہ دوڑتی ہوئی آئی۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا بات ہے بیٹی؟ تم رو کیوں رہی ہو؟"

"بھیا......" میں نے سسکیوں کے درمیان اسے سارا ماجرا سنایا۔ "اب میں کیا کروں؟"

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔" بوڑھی ملازمہ نے مجھے لعنت ملامت کی۔ "تم نے بہت برا کیا۔" پھر وہ میری منت سماجت کرنے لگی۔ "بھگوان کے لیے فوراً ہی اس ادھورے کام کو نمٹا دو...... کہیں بھیا کو کچھ نہ ہو جائے۔"

کھلی ہوا کی وجہ سے میرے حواس قابو میں آئے۔ مجھے اپنی اس کمزوری پر سخت ندامت ہوئی۔ بوڑھی ملازمہ کے سمجھانے اور حوصلہ لانے پر میں دوبارہ تہہ خانے جانے کے لیے تیار ہوگئی۔

اس بار مجھ میں بے خوفی اور دلیری بھی اس لیے تھی کہ بوڑھی ملازمہ میرے ساتھ تھی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بھیا ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ ہم دونوں نے انہیں اٹھا کر میز پر لٹایا۔ پھر میں نے بکری کے پھیپھڑے پر طلسم پڑھنا شروع کیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ پھیپھڑا حرکت میں آ گیا۔ میں نے اپنا عمل جاری رکھا۔ وہ پھیپھڑا حرکت ہی کر پا رہا تھا مگر بھیا کے جسم میں داخل نہ ہوتا تھا۔ میں حیران تھی کہ یہ طلسم پوری طرح اپنا اثر کیوں نہیں کر

رہا ہے۔ لیکن مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ میں پورا طلسم نہیں پڑھ رہی ہوں۔ اس کا ایک آخری حرف بھول چکی ہوں۔ جیسے ہی مجھے اپنی بھول اور غلطی کا احساس ہوا میں نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔ اگر میں اپنے دل کو مضبوط رکھتی اور حواس قابو میں رکھتی تو اپنے عمل میں کامیاب ہو سکتی تھی۔ اب بھیا اس دنیا سے پدھار چکے تھے۔ بھولا ہوا حرف کون یاد دلاتا...... اس کے بعد جب تک ان کی لاش ٹھیک تھی، میں نے انہیں زندہ رکھنے کی جدوجہد جاری رکھی تھی، لیکن انہیں زندہ نہ ہونا تھا وہ نہ ہو سکے۔

☆......☆......☆

بھیا کے مرنے کے بعد گاؤں کے آوارہ لڑکوں نے مجھے مفت کا مال سمجھ لیا۔ وہ اس تاک میں رہنے لگے کہ میں انہیں کبھی تنہائی یا ویرانے میں مل جاؤں تو مجھے دبوچ کر میری عزت سے کھیلیں۔ میرے حسن و شباب نے اس علاقے میں دھوم مچا رکھی تھی۔ میں بہت چوکنا اور ہشیار رہنے لگی تھی۔ ایک روز رات کے وقت چار آوارہ لڑکے نہ جانے کس طرح میرے جھونپڑے میں گھس گئے۔ وہ مسلح بھی تھے۔ اسلحے کے زور پر وہ میری عزت سے کھیلنا چاہتے تھے۔ میں اس وقت ایک بندر کے نکالے ہوئے پھیپھڑے اور کلیجے پر اپنا عمل کر رہی تھی۔ بندر کی لاش بھی سامنے پڑی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر وہ اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ بجائے سیدھے راستے بھاگنے کے کھڑکی سے کود گئے۔ ان میں سے ایک تو نیچے گرتے ہی مر گیا اور باقی تینوں بھاگ نکلے اور انہوں نے گاؤں میں جا کر مجھے حسین بلا مشہور کر دیا۔ اس دن سے کسی نے بھی میرے جھونپڑے کی طرف آنے کی جرأت نہ کی۔

کوئی ایک برس بعد اس علاقے میں ایک نئی وبا پھیل گئی۔ یہ ایک نئی بیماری تھی جو دیکھنے میں آئی تھی۔ اس میں ہوتا یہ تھا کہ پہلے زکام کی شکایت ہوتی، ساتھ ہی سر میں شدید درد ہوتا۔ دوسرے ناک اور کان سے خون آتا جس سے مریض فوراً مر جاتا۔ لہٰذا ان لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے اس وبا کا خالق مجھے ہی ٹھہرایا اور میرے قتل کی تدبیریں کی جانے لگیں۔ اکیلی عورت کو قتل کرنا کون سی بڑی بات تھی کیوں کہ اب میری بوڑھی ملازمہ بھی مر چکی تھی۔ چوں کہ میں ان کی نظروں میں عورت نہ تھی بلکہ ایک حسین ڈائن تھی،

حسین بلا تھی اس لیے وہ اپنی کسی بھی تدبیر پر عمل کرنے سے ہچکچا رہے تھے کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

ساوتری ایک یتیم لڑکی تھی جو کبھی کبھی مجھ سے پرانے کپڑے لے جاتی تھی۔ وہ مجھے بتاتی تھی کہ میرے متعلق کیا کیا باتیں ہوتی ہیں۔ ان کے خیال میں میں ایک حسین ناگن کے روپ میں آتی رہتی ہوں۔ میں نے ان مردوں کو ڈسا ہے جنہوں نے عورتوں کی آبرو لوٹنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے مجھے بتایا گاؤں کے لوگ مجھے کسی بھی دن فریب اور دھوکے سے قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔

میں اسی دن شام کے وقت گاؤں گئی۔ نمبردار کی حویلی میں اس وقت محفل جمی ہوئی تھی۔ وہ لوگ مجھ دیکھ کر بھونچکے رہ گئے۔

میں نے بڑی رعونت سے گرج دار لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔

''مجھے اپنے علم کے زور سے یہ معلوم ہوا ہے کہ گاؤں میں میرے خلاف ہنڈیا پک رہی ہے...... اس لیے میں تمہیں آگاہ کرنے آئی ہوں کہ بلا ہو یا ڈائن ہو...... کسی کے مارے نہیں مرتی۔ اگر وہ مر بھی جائے تو اس کی بددعا کبھی نہیں مرسکتی......''

میرا یہ نفسیاتی حربہ کارگر ثابت ہوا۔ گاؤں والوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ میری منتیں کرنے لگے کہ اس وبا سے انہیں نجات دلاؤں......

میں نے بھیا سے سن رکھا تھا کہ یہاں ایک خاص قسم کا لہسن پیدا ہوتا ہے جس کے کھانے سے ہر قسم کے زکام کے جراثیم مر جاتے ہیں۔ یہ بات یاد آئی تو میں نے ان لوگوں سے کہا۔

''کل گاؤں کے تمام معززین میرے ڈیرے پر آئیں اور نیلا لہسن جو ہے اس کا ایک ٹوکرا بھر لائیں۔''

دوسرے دن وہ لوگ لہسن کا ٹوکرا لے کر میرے گھر آئے تو میں نے یہ شرط رکھی کہ...... ان تینوں کے لوگ مجھے مہا گرو بنائیں اور نذرانہ دیا کریں تو وبا سے نجات دلا دوں گی۔ گاؤں والوں نے میری شرط منظور کر لی۔

سمجھوتا ہونے کے بعد میں نے لہسن پر جھوٹ موٹ دم کر دیا۔ پھر کہا۔ ''یہ لہسن وبا زدہ لوگوں کو کھلایا جائے۔''

جب اس لہسن کے کھانے سے وبا زدہ لوگ اچھے ہونے لگے تو میرا سکہ ان لوگوں پر بیٹھ گیا۔ اس دن سے یہ لوگ مجھے نذرانہ دینے لگے۔ اس طرح فارغ البالی سے میری گزر اوقات ہونے لگی۔

پھر میری زندگی میں ایک حسین دن آیا۔ جب آپ سے میری ملاقات ہوئی۔ آپ پہلے مرد تھے جو مجھے پسند آئے۔ آپ کی محبت میرے من میں بس گئی۔ جب آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے تو آپ کی جدائی میرے لیے سوہان روح بن گئی۔ میرا بہت برا حال ہوا۔ میں زندگی سے بیزار رہنے لگی۔ پھر مجھے ایک خیال آیا۔ بھیا کی جو کتابیں بچ گئی تھیں، ان میں ایک طلسم لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس طلسم سے فائدہ اٹھایا۔ میں ان پانچ برسوں میں کرن اور اوشا کے روپ میں آپ کے بستر کی زینت بنتی رہی۔ صرف دس مرتبہ...... اس طلسم سے میں صرف دس مرتبہ فائدہ اٹھا سکتی تھی۔ کئی بار آپ کو میرا دھوکا بھی ہوا تھا۔ آخر ایک لمبی مدت کے بعد آپ کو میری محبت کی کشش کھینچ لائی۔

ان ظالموں نے آپ کو میرے خلاف بہکانا شروع کیا۔ آخر آپ ایک انسان تھے۔ ان کے بہکاوے اور باتوں میں آ گئے۔ اب اگر میں لاکھ صفائی پیش کروں پھر میں آپ کی محبت اور ہمدردی حاصل نہیں کر سکتی۔ آپ ہمیشہ مشکوک رہیں گے۔

....

جھرنا نے اپنی کہانی ختم کرتے ہی نہایت غمگین ادا سے سر جھکا لیا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ میری بغل میں بدنصیب پرندہ کی تڑپ لحظہ بہ لحظہ کم ہو رہی تھی۔ میں نے اس کی لمبی خاموشی سے اکتا کر پوچھا۔

''تمہاری کہانی تو ختم ہو گئی ہے...... کیا اب اجازت ہے کہ میں اس پرندے کو رہا کر دوں تاکہ یہ غریب کم از کم آخری سانس تو کھلی فضا میں لے سکے......''

جھرنا نے میری بات کا جواب نہیں دیا اور بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ یکا یک مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ کانپ رہی ہے۔ میں نے محبت سے اس کے سیمیں اور سڈول ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ وہ برف کی طرح سرد ہو رہے تھے۔ میں نے بے اختیار اسے اپنے بازوؤں کی گرفت میں لے لیا۔لیکن اس کی حالت میں فرق نہیں آیا۔ میں نے اسے بری طرح جھنجھوڑ کر زور سے پکارا۔ ''جھرنا......!''

اس نے بڑی مشکل سے اپنا خوش نما سر اونچا کیا۔ اس کا چہرہ بالکل سفید ہو چکا تھا اور اس کی شرابی آنکھیں سچ مچ کی بدمستیوں کی طرح نیم باز تھیں۔

اس نے آہستہ آہستہ اپنی کانپتی ہوئی مرمریں بانہیں میرے گلے میں حمائل کر دیں۔ پھر اس نے ایک طویل بوسہ لیا۔ میں نے اس کے چہرے پر بوسوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے کہا۔ ''جھرنا! تمہارا جسم اتنا سرد کیوں ہے......؟ کیا تم بیمار ہو؟''

وہ خاموش رہی۔ اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا تو میں نے پھر پکارا۔

''جھرنا......!''

''میرے جسم و جان کے مالک!'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔ ''میں نے ڈائن کا لفظ اپنے نام سے ہمیشہ کے لیے مٹا دیا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے اس کا سر خود بخود میرے سینے سے لگ گیا اور اس کے پھول سے لب ہمیشہ کے لیے کملا گئے۔ میں سمجھا کہ وہ غشی کی حالت میں ہے لیکن میری انتہائی کوششوں کے باوجود اس کی دائمی غشی دور نہ ہو سکی۔ جھرنا کی اچانک موت سے میرا کلیجہ پھٹنے لگا اور میں تمام رات گریہ زاری کرتا رہا۔

صبح جب گاؤں والے اس کی آخری رسومات کی تیاری کرنے لگے تو مجھے اس پرندے کا خیال آیا جو رات کو جھرنا نے میری بغل میں دیا تھا۔ دیکھا تو وہ بدستور سیاہ پٹکے میں لپٹا ہوا ایک طرف پڑا تھا۔ میں نے بے تابی سے اٹھا کر اسے کھولا۔

یہ پرندہ دراصل جھرنا کے پھیپھڑے اور کلیجہ تھا۔

☆......☆......☆

جھرنا کی اس کہانی نے ہم سب کو خون کے آنسو رلا دیا تھا۔ بڑی دردناک کہانی تھی۔

جب میں باری سال پہنچا تو روپ متی نے مجھے دو خوش خبریاں سنائیں۔

ایک تو اس کا بھائی شامو اور اس کے ساتھی ڈکیتی کی واردات میں پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اب ہمارے راستے میں کوئی دیوار نہیں رہی تھی۔

دوسری خوش خبری یہ تھی کہ وہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی۔